

حسن و عشق کے چودہ دلاویز تاریخی رومان

شاہی محلات کی پریم کہانیاں

سچی اور دلکش رومانی داستانیں

جنہیں ہندوستان کے دو نامور ادیبوں نے قلم بند کیا

از

جناب خوشتر گرامی ایڈیٹر "بیسویں صدی" لاہور

جناب راجہ مہدی علی خاں سابق رکن ادارہ روزنامہ "احسان"

پبلشر

رسالہ بیسویں صدی بیرون شاہ عالمی دروازہ لاہور

قیمت فی جلد ۲

فہرست مضامین

از جناب راجہ مہدی علی خاں

دیباچہ

از جناب ابوالعلا چشتی (حاجی لق لق) مدیر روزنامہ "شہباز" لاہور

وہ کونسا انسانی دل ہے جو محبت سے خالی ہو، جس میں شمعِ محبت فروزاں نہ ہو؟ عورت ہو یا مرد، امیر ہو یا غریب، گودڑی میں لپٹا ہوا بھکاری ہو یا حریر و دیبا میں ملبوس شہنشاہ، عاجز و بدصورت لونڈی ہو یا حسن و جمال کا مرقع عظیم المرتبت ملکہ، گناہگار انسان ہو یا عبادت گذار زاہد —— سب کے دل میں محبت کی میٹھی دھڑکن موجود ہے

محنت کش مزدور اور ہل چلانے والے دہقان کا جھونپڑا ہو یا با جبروت سلطان کا پُرشوکت محل —— محبت کا سورج اپنی تابانیوں سے سب کو منوّر کرتا ہے، اُس کی ضیاپاش کرنیں بے امتیاز و تفریق سب کو یکساں فیض یاب کرتی ہیں۔ سائیکی کا منظورِ نظر، عشق کا اندھا دیوتا —— کیوپڈ، مذہب و قوم، رنگ و نسل اور درجہ و مرتبت کا امتیاز کئے بغیر ہر انسانی دل کو اپنے تیروں کی آماجگاہ بنا کر اُس میں عشق و محبت کی لطیف کسک پیدا کر دیتا ہے۔

محبت کی اس ہمہ گیر حکومت کا اعتراف کرتے ہوئے روس کا عظیم المرتبت مفکر ٹالسٹائی یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ "محبت ہی خدا ہے اور محبت ہی خدائی ہے"

محبت کی خدائی سے انکار نہ کسی کو ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم جس ذوق و شوق سے عشق و محبت کی داستانیں سُنتے اور پڑھتے ہیں، دوسرے افسانوں میں اس قدر دلچسپی نہیں لیتے حالانکہ وہ بھی انسانی زندگی ہی کا ایک پہلو ہوتے ہیں۔ عشق و محبت کی داستانیں

ازل سے چلی آرہی ہیں اور یہ سلسلہ ابد تک یونہی جاری رہے گا، یہ داستانیں یونہی بنتی اور بڑھتی چلی جائیں گی۔

زیرِ نظر مجموعہ بھی عشق و محبّت کی پُرکیف تاریخی داستانوں کا مرقع ہے، جسے دو نامور ادیبوں نے مل کر مرتّب کیا ہے اور اُنہیں کی لکھی ہوئی داستانیں اس کے صفحات پر پھول اور ستاروں کی طرح بکھری ہوئی ہیں۔

جناب راجہ مہدی علیخاں رنگین نگاری میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ وہ ایک معمولی سے واقعہ کو اپنے شوخ قلم کی رنگین نگاری سے "تختۂ فردوس" بنا دیتے ہیں تو عشقیہ داستانوں میں اُنکے اشہبِ قلم کی چابکدستی کیا قیامت نہیں ڈھا سکتی! اُن کی داستانوں میں الفاظ کی خوبصورتی، تشبیہات کی رنگینی اور بیان کی روانی و شگفتگی قابلِ ملاحظہ ہوتی ہے۔ ان کی نثر میں بھی نظم کی چاشنی ملتی ہے۔

جنابِ خوشتر گرامی مدیرِ "بیسویں صدی" اصلاح پسند طنز نگار ہیں۔ اس سے پیشتر وہ افسانوں کے متعدد دلکش مجموعے پیش کر چکے ہیں، اور داستانوں کے سلسلے میں "بیسویں صدی" کے اوراق اُن کی "اختر نما" خوبیوں کے شاہد ہیں۔ چونکہ خیالات کے اعتبار سے حریت پرست ہیں، اسلئے اُن کے ہاں رنگینی و رومانیت ثانوی چیز ہوتی ہے اور تعمیری طنز بنیاد! اُنکی داستانیں پڑھتے وقت محسوس ہوتا ہے کہ وہ "تیرِ نشتر" لکھ رہے ہیں اور جسمِ انسانیت کے گندہ پھوڑوں کو نشتر سے چیر کر اُن کا اندمال کرنا چاہتے ہیں۔

دنیا کی بڑی بڑی شخصیتوں کی یہ رومانی داستانیں عشق و رومان اور حسن و شباب کی حشر خیز رعنائیاں ہی لئے ہوئے نہیں اور نہ صرف تاریخ کے خشک حقائق ہی پر مشتمل ہیں، بلکہ اسکے ساتھ ہی ساتھ اپنے دامن میں درسِ عبرت و بصیرت بھی رکھتی ہیں

کاغذ کی گرانی کے اس ہولناک دور میں جبکہ بڑے بڑے سرمایہ دار پبلشر بھی نئی کتابوں کی اشاعت سے ہچکچا رہے ہیں "بیسویں صدی" کے ادارہ نے یہ دلچسپ اور مفید کتاب شائع کر کے علم و ادب پر گرانقدر احسان کیا ہے۔ یہ ادبی ایثار یقیناً ادب ذوق حلقوں کے دلی شکریہ کا مستحق ہے۔

از

خوشتر گرامی

ملکۂ یونان کی داستانِ محبّت

یونان کی حسین ترین ملکہ فلونیا
کا
ایک حبشی غلام سے عشق

فلونیا ملکہ یونانِ قدیم اپنے قصرِ رفیع الشان کے سامنے صحن باغ کے عین وسط میں ایک فوارے کے نیچے نہا رہی تھی۔ فوارے کا گول مرمریں حوض بہت وسیع تھا اور فوارے کی نقرئی چوٹی آسمان سے باتیں کرتی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔ یکایک نہ جانے اُسے کیا خیال آیا کہ وہ ساکت و جامد کھڑی ہو گئی اور پانی میں اپنے عکس کو غور سے دیکھنے لگی۔

وہ اپنے خوبصورت جسم کا عکس دیکھ کر مسکرانے لگی۔ اُس کی رگ رگ میں مسرت کی لہریں دوڑنے لگیں اور وہ تالاب میں ایک سنہری مچھلی کی طرح تیرنے لگی۔

اس کا سڈول جسم نور کے سانچے میں ڈھلا تھا۔ ریشمی سینہ ایک قیامت برپا کرتا نظر آرہا تھا۔ لمبے لمبے اور باریک بال اس کی صندلیں پنڈلیوں تک آپہنچے تھے۔ کالے کالے بالوں میں اُس کا گورا گورا جسم اس طرح معلوم ہوتا تھا جیسے سیاہ بدلیوں میں چودھویں کا چاند چمکتا ہے۔

فلوتیا کی رگ رگ میں شباب انگڑائیاں لے رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی نے سمندر سے کسی جل پری کو لا کر فوارے کے حوض میں ڈال دیا ہے یا سمندر کی کسی سنہری مچھلی کو کسی نے اس تالاب میں مقید کر دیا ہے۔

اس مجسمہ حسن و شباب کا دل ہمیشہ مغموم و پریشان رہتا۔ کوئی بھونرا اس کے رس بھرے شیریں ہونٹوں سے جو کلیوں کی طرح نازک اور خوشبودار تھے محبت کا رس چوسنے والا نہ تھا ——— اس کا شوہر زلیقوشاہ متعدد و نیہ جنونی ہٹی مزاج اور کسی حد تک دیوانہ تھا غصہ اس میں اس قدر تھا کہ ملکہ اسے اپنا شوہر نہیں بلکہ ایک خونخوار دیو سمجھتی تھی۔ ملکہ کے دن طویل اور راتیں بے کیف تھیں۔ وہ راتوں کو اکثر اپنے بستر پر تنہا کروٹیں لیتی رہتی۔ یا ایسے نوجوانوں سے ملاقات کرنے کے خواب دیکھتی رہتی جو تصور ہی تصور میں اس کی مرمریں گردن میں ہاتھ ڈال کر اور لبوں سے لب ملا کر اس سے ہم آغوش ہو جاتے تھے۔ لیکن یہ سب خواب کے ہیرو تھے۔ اس کی حقیقی زندگی بہت اندوہناک تھی۔

وہ اب فوارے کے تالاب میں غسل کر چکی تھی۔ اس کے دل میں جذبات عشق نے ایک ہیجان برپا کر رکھا تھا۔ یکایک اس نے ایک انگڑائی لی اور یوں معلوم ہونے لگا جیسے تمام جہانوں کا حسن سمٹ سمٹا کر اس کے حشر آفریں سینے میں آ چھپا ہے۔

جس باغ میں وہ نہا رہی تھی۔ اسے چاروں طرف سے ایک بلند دیوار نے گھیر رکھا تھا اور باغ کے جس حصے میں وہ نہا رہی تھی وہاں کسی مرد کو آنے کی اجازت نہ تھی۔ سوائے باغ کے ایک مالی کے جو ایک قوی ہیکل حبشی غلام تھا۔

یکایک ملکہ کی نظر ایک گھنی جھاڑی کی طرف اٹھی اور اسے محسوس ہوا کہ کوئی اسے

چھپ کر دیکھ رہا ہے۔ سوائے حبشی غلام طوناش کے یہ اور کون ہو سکتا تھا۔ ملکہ اگر چاہتی تو طوناش کو سزائے موت دلا سکتی تھی۔ لیکن اُس نے کوئی پروا نہ کی۔ بلکہ اس کے دل میں احساساتِ شباب میٹھی میٹھی گناہ آلود چٹکیاں بھرنے لگے ——

فلونیا اکثر اس فوارے میں آکر نہاتی اور اکثر ایک آنکھ گھنی جھاڑیوں میں چھپ کر اُسے گھورا کرتی۔ ملکہ اِس واقعہ سے خبردار ہوتی لیکن وہ اِس کی کوئی پروا نہ کرتی۔ کیونکہ کوئی اور محبت بھری نگاہ اُسے دیکھنے والی نہ تھی اور کوئی اور دل اسے چاہنے والا نہ تھا —— اسی طرح ہوتے ہوتے غلام کو بھی معلوم ہو گیا کہ ملکہ جان چکی ہے کہ وہ اسے چھپ چھپ کر دیکھا کرتا ہے اور ملکہ تو پہلے ہی جانتی تھی کہ وہ جونہی باغ میں قدم رکھتی ہے۔ طوناش جھاڑیوں کے پیچھے چھپ کر اسے گھورتا ہے۔ اب فلونیا کی کشتیٔ حیات گناہ کے سمندر کے بھنور میں پھنس گئی۔ طوناش نے محسوس کیا کہ ملکہ کو اس سے دلچسپی پیدا ہو رہی ہے اور ملکہ کو یہ معلوم ہو گیا کہ اس کے محل کی محدود دنیا میں جس سے باہر وہ قدم نہ رکھ سکتی تھی۔ طوناش کے سوا اُس کا چاہنے والا کوئی نہیں۔ اپنے شریکِ حیات کی بے التفاتی کی وجہ سے حسین اور جلیل المرتبت ملکہ کی کشتی گناہ کے سمندر میں ڈگمگانے لگی اور اس کی عصمت جو ستاروں، ہیروں اور موتیوں سے بھی زیادہ قیمتی تھی۔ بالکل غیر محفوظ اور بے قیمت معلوم ہونے لگی۔

عورت کو جب اُس کا شریکِ حیات ٹھکرا دے اور اس کا نازک دل توڑ ڈالے تو وہ بھی ایک نہ ایک دن اس کے جال سے اِس طرح بھاگ نکلتی ہے جس طرح بعض اوقات شکاری کی زد سے خوبصورت ہرنی اس طرح نکل جاتی ہے کہ پھر کسی طرح اُس کے ہاتھ نہیں آتی۔ مقدونیہ کے رنگین مزاج بادشاہ کی حرکات کا نتیجہ بھی کچھ ایسا ہی المناک نکلا۔ فلونیا

نے اپنے دل میں طے کر لیا کہ یہ جسم جو اُس کے آقا کے کسی کام کا نہیں جسے اس نے ٹھکرا دیا ہے کسی ایسے شخص کے حوالے کر دیا جائیگا جو اس کا قدر دان ہو۔ اب ملکہ دن میں کئی کئی مرتبہ باغ میں آنے لگی۔ بلکہ وہ دن کا اکثر حصہ باغ ہی میں گذارتی۔ اب طوناتش اور فلونیا آقا اور غلام کی حیثیت سے نہیں بلکہ دو دوستوں کی طرح ایک دوسرے سے ملتے۔

محبت اور گناہ کی منزلیں طے کرتے دیر نہیں لگتی۔ آخر ایک دن ایسا بھی آگیا جب وہ ایک دوسرے سے بے تکلف ہو گئے ملکہ باغ میں سنگِ مرمر کی ایک کرسی پر بیٹھی تھی، آسمان پر کالی گھٹائیں چھا رہی تھیں اور باغ کے درخت ہوا میں خوشی سے جھوم رہے تھے۔ ملکہ نے اپنی شوخ نگاہیں طوناتش پر گاڑ دیں اور کہا "طوناتش! بادشاہ سلامت چلے گئے ہیں؟" غلام کہنے لگا "جی ہاں اور وہ چھ روز سے پہلے واپس نہیں آئینگے"

ملکہ نے چاروں طرف ایک گھبرائی ہوئی نگاہ ڈالی اور اس کے بعد طوناتش سے کہنے لگی "طوناتش سامنے کی کرسی پر بیٹھ جاؤ"

طوناتش اپنی مالکہ کا حکم بجا لانے میں کچھ ہچکچا ہی رہا تھا کہ ملکہ کا مرمریں بازو آگے بڑھا اور اس نے اپنے نرم و نازک سفید پھول سے ہاتھ سے غلام کا سیاہ بازو اپنی طرف کھینچ کر اُسے کرسی پر بٹھا دیا۔

اس وقت ملکہ کا زرتار لباس جگمگ جگمگ کر رہا تھا اور اس کے چہرے پر آج ایک عجیب ہی دلکش نکھار نظر آتا تھا۔ آج طوناتش نے واضح طور پر محسوس کر لیا کہ اس کی مالکہ کی نگاہیں اُسے محبت کی ترغیب دے رہی ہیں ——————

ملکہ نے ایک حسین انگڑائی لے کر کہا "طوناتش آج کتنا اچھا دن ہے۔ موسم کس قدر

خوشگوار ہے۔ آج مجھے اپنے ملک کی کوئی اچھی سی کہانی سناؤ۔"

غلام کہنے لگا "میں آپ کو اپنی داستان محبت ہی کیوں نہ سناؤں۔!"

ملکہ کی آنکھیں چمک اٹھیں اور وہ چونک کر کہنے لگی "ہیں تمہاری داستانِ محبت؟"

طوناش کہنے لگا "ہاں میری داستانِ محبت جو بہت طویل اور الم انگیز ہے"

ملکہ بولی "اچھا تو وہ مجھے ضرور سناؤ"

طوناش ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا "ایک مرتبہ ہمارے وطن کے بڑے دریا زلوری میں زبردست طغیانی آئی۔ کئی گاؤں بہہ گئے اور ہزاروں جانیں ضائع ہو گئیں۔ ایک دن بڑی موسلا دھار بارش ہوئی اور ہمارے گاؤں کے قریب بہنے والی ندی کا پانی کناروں سے دور دور تک پھیل گیا۔ گاؤں کے تنومند نوجوان جو تیرنا جانتے تھے۔ صبح صبح ہی گاؤں سے نکل کر ندی کے کنارے آ گئے۔ میں بھی ندی کے کنارے بہتی ہوئی اشیا کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ یکایک مجھے ندی میں ایک خوبصورت عورت کی "لاش" اس طرف بہتی ہوئی دکھائی دی۔ میں بہت ماہر تیراک تھا گو میرے ساتھ اور بھی کئی ساتھی تھے۔ لیکن کسی میں اتنی جرأت نہ تھی کہ وہ بپھری ہوئی ندی میں چھلانگ لگا کر عورت کو نکالے۔ میں بہت بے خوف اور نڈر واقع ہوا ہوں۔ جیسا کہ آپ جانتی ہی ہیں۔ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ جھٹ ندی میں چھلانگ لگا دی۔ نہ جانے کتنی دیر میں اسے بچانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا رہا اور بالآخر اسے کنارے پر لانے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ وہ اس وقت بالکل بے ہوش تھی۔ میں اور میری چھوٹی بہن ہم دونوں اسے اپنے گھر میں اٹھا لائے۔ بڑی مشکل سے وہ ہوش میں آئی۔ ہم نے اس کے علاج میں خون پسینہ ایک

کر دیا۔ میری ماں نے، میں نے اور میری بہن نے بیماری میں اس کی بہت خدمت کی۔ میں تو اس کی تیمارداری کے لئے راتوں کو بھی بیدار رہتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اچھی ہو گئی۔

کچھ دن بعد ہم دونوں نے محسوس کیا کہ ہمیں ایک دوسرے سے دلچسپی پیدا ہو رہی ہے ہم دونوں گاؤں سے باہر کسی درخت یا گھنی جھاڑیوں کے جھنڈ میں یا ندی کے کنارے گھنٹوں بیٹھے رہتے۔ میری ماں ہم دونوں کا کھانا میری چھوٹی بہن کے ہاتھ وہیں بھیج دیتی اور اکثر ہمیں کوستی کہ تم دونوں تمام دن سست بیٹھے رہتے ہو اور کام میں میرا بالکل ہاتھ نہیں بٹاتے۔

رفتہ رفتہ ہم ایک دوسرے کے دیوانے ہو گئے۔ ہم ایک دوسرے کے بغیر کھانا نہیں کھا سکتے تھے۔ ایک دوسرے کے بغیر کسی تقریب میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ آخر ہمارے دلوں کی بے قراری بڑھ گئی اور آتشیں محبت کے جذبات ہمارے سینوں کو جلانے لگے اب ہم سارا سارا دن اظہارِ محبت کی شیریں باتیں کرتے رہتے ______

عشق انسان کو دیوانہ اور دنیا و مافیہا سے بیگانہ بنا دیتا ہے۔ پہلے ہی ہماری رومانی ملاقاتوں پر انگلیاں اٹھ رہی تھیں۔ لیکن ہم نے محبت میں اندھے اور پاگل ہو کر پہلے سے بھی زیادہ بے احتیاطی کے ساتھ ایک دوسرے سے ملنا شروع کیا۔ جس طرح انسان سے سایہ جدا نہیں ہوتا اسی طرح میں اس سے اور وہ مجھ سے ایک پل کے لئے جدا نہیں ہوتی تھی۔ جب دو ہستیاں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگتی ہیں تو انہیں برائی بھلائی کا کچھ ہوش نہیں رہتا۔ چنانچہ ہماری رومانی ملاقاتوں کے خلاف مخالفت کا ایک طوفان اٹھا تو ہم کسی قدر محتاط ہو گئے۔ لیکن عشق کے قدموں میں بھاری سے بھاری زنجیریں بھی

نہیں ڈالی جا سکتیں۔ گو ہم ایک دوسرے سے تنہائی میں ملنے سے کچھ احتیاط کرنے لگے تھے لیکن دن کو ملنے کی پابندی نے ہماری آتش عشق اور بھڑکا دی۔ گاؤں کے نوجوان بھی اس کی کی محبت کا دم بھرتے تھے لیکن جب اس نے ان کی درخواستوں اور التجاؤں کو ٹھکرا دیا تو وہ پہلے سے بھی زیادہ ہم دونوں کے خلاف ہو گئے۔ اب ہم راتوں کو چھپ چھپ کر ایک دوسرے سے ملنے لگے۔ جب میری ماں اور گھر کے باقی سب لوگ سو جاتے اور رات کافی گذر جاتی تو ہم دونوں اپنے اپنے بستر سے اٹھ کر کھجوروں کے ایک جھنڈ میں چلے جاتے چاندنی راتوں کی یہ ملاقاتیں بہت زیادہ خطرناک ثابت ہوئیں اور اے ملکہ آپ جانتی ہیں کہ چاندنی راتوں میں جب ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہوں اور چاند کھجوروں کے جھنڈوں میں سے جھانک رہا ہو اور قریب ہی صاف شفاف ندی بہہ رہی ہو اور نشۂ عشق میں سرشار دو روحیں کھجوروں کے جھنڈ میں ریتلے فرش پر ایک دوسرے کے اس قدر قریب ہوں کہ انہیں ایک دوسرے کے دلوں کی دھڑکنیں بھی صاف صاف سنائی دیتی ہوں تو وہ جسم ایک دوسرے سے ہم آغوش ہونے کے لئے مضطرب ہو جاتے ہیں چنانچہ اب پردۂ شرم و حیا اٹھ چکا تھا اور اب ہماری ملاقاتیں ہم آغوشیوں اور بیتاب بوسوں پر مشتمل ہوتی تھیں۔ اب ہم نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور انہی رومانی منظروں کی آغوش میں ندی کے کنارے وصل کی رنگین راتیں بسر کرنے لگے .... لیکن آہ اے ملکہ! اُن دنوں جبکہ ہماری محبت پورے شباب پر تھی۔ ہمیں قدرت نے ایک دوسرے سے جدا کر دیا یعنی آپ لوگوں کی فوج کے "خونخوار بھیڑیوں" نے ہم غریبوں پر حملہ کیا۔ میری محبوبہ کو ایک قوی ہیکل فوجی اپنے ساتھ زبردستی لے گیا اور مجھے بھی غلام بنا کر یہاں لایا گیا اور اب میں

حضور کی خدمت میں اپنی زندگی کے ایام غلام بن کر کاٹ رہا ہوں"۔

حبشی غلام اور اس کی محبوبہ کی رنگین ملاقاتوں کے ذکر نے مایوس محبت ملکہ کے جذبات پہلے سے بھی زیادہ بھڑکا دیئے اور وہ سوچنے لگی کہ آہ ایک حبشی لڑکی کو تو ایک چاہنے والا میسر ہو جاتا ہے لیکن میں جو ایک جلیل القدر ملکہ ہوں اس نعمت سے محروم ہوں۔ ملکہ کے بھڑکے ہوئے آتشیں جذبات نے اسے دیوانہ کر دیا اور کچھ نیم غشی کی سی حالت میں وہ طونانش کے زانو پر اپنا نازک سا ہاتھ رکھ کر بولی "لیکن تمہیں غلام کون کہہ سکتا ہے۔ جب تک میں زندہ ہوں کسی کی مجال ہے کہ تمہارا بال تک بیکا کرے؟ لیکن تم یہ بتاؤ کہ کیا تم ابھی تک اپنی محبوبہ کو نہیں بھولے؟

طونانش ایک جہاندیدہ آدمی تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ عورت کے جذبات کو بھڑکانے کے لئے اُس کے دل کو رشک کی ہوا دینی چاہیئے۔ چنانچہ اسی مقصد کو پورا کرنے کے لئے اُس نے ملکہ کو اپنی داستانِ محبت سنائی تھی۔ ملکہ کے دل کا راز پا کر وہ کہنے لگا "سرکار میں اسے کیسے بھول سکتا ہوں؟ میں نے آج تک ایسی حسین لڑکی نہیں دیکھی"۔

ملکہ نے بے اختیار ہو کر دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ طونانش کے گلے میں پیار سے اپنے بازو حمائل کر دیئے اور کہنے لگی کہ "اگر کوئی ملکہ تم سے محبت کرے تو کیا تم اپنی سابقہ محبوبہ کو بھول سکتے ہو؟ ——— تمہیں معلوم ہے کہ ایک ملکہ کئی دن سے محبت کرنے کے خواب دیکھ رہی ہے"۔

طونانش جواب میں مسکرانے لگا۔ اس وقت ملکہ طونانش کے سڈول جسم پر نظریں گاڑے ہوئے تھی۔ اس کا شباب اُسے مقناطیس کی طرح اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ اس کی کوئلے

کی سی سیاہ آنکھیں ملکہ کو ترغیب محبت دے رہی تھیں، اس سے پہلے کہ وہ غلام کو بارہ دری میں چلنے کا اشارہ کرے دُور سے پتّوں کے قدموں سے مسلے جانے کی آواز سنائی دی اور وہ دونوں چونک کر اُٹھ کھڑے ہوئے، طوناش جاتے ہوتے صرف اتنا کہہ گیا کہ " ملکہ معظمہ یہ جگہ بہت خطرناک ہے۔ آپ کو مجھ سے ملنے میں احتیاط کرنی چاہئیے"۔

جوں جوں دن گذرتے گئے فلوتیا اور طوناش کی روحوں میں ایک دوسرے کی محبت گھر کرتی گئی۔ ان کی روحوں کا اتحاد تو ہو ہی چکا تھا۔ آخر ایک دن ان کے جسموں کا اتصال بھی ہو گیا یعنی ایک دن ایسا بھی آیا، جبکہ ملکہ کے نُور سے ڈھلے ہوئے گداز جسم سے حبشی کا آہنی جسم آملا اور یہ بھی ایک حادثہ ہی تھا۔ فلوتیا کو جذباتِ محبت نے دیوانہ تو بنا ہی رکھا تھا۔ ایک شام طوناش اور فلوتیا باغ کی ایک نہر کے کنارے ایک درخت کے نیچے کھڑے تھے کہ فلوتیا آنکھیں ملتے ہوئے طوناش سے کہنے لگی " دیکھو طوناش میری آنکھ میں کوئی زہریلا مچھر گھس گیا ہے اُسے ذرا دیکھ کر نکال دو"۔ طوناش نے مچھر نکالنے کے لئے ملکہ کی نازک اور خوبصورت پلکوں پہ ہاتھ رکھے ہی تھے کہ بیقرار ملکہ نے طوناش کے ہاتھ شرارت سے پرے جھٹک کر اپنے خوبصورت ہونٹ طوناش کے ہونٹوں سے ملا دیئے۔ لیکن حبشی غلام کا بوسہ لے کر وہ اس قدر شرماتی کہ اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر وہ پاس کے درخت کے نیچے بیٹھ گئی اور اُس وقت تک نہ اٹھی جب تک غلام کا مضبوط ہاتھ اس کی طرف نہ بڑھا اور اس نے ملکہ کو اپنی آغوش میں کھینچ ایک جلیل المرتبت ملکہ آج ایک حبشی غلام کی آغوش میں کلی کی طرح سمٹی ہوئی بیٹھی تھی اور وہ اس پر لاتعداد بوسوں کی بارش کر رہا تھا

آج پہلی مرتبہ انھوں نے ایک دوسرے سے پیمانِ محبت باندھا اور ایک دوسرے سے جدا نہ ہونے کی قسم کھائی۔

فلونیا اور طوناش دونوں اب وقت کا بیشتر حصہ ایک دوسرے کی صحبت میں بسر کر رہے تھے۔ بادشاہ ایک جنگی مہم پر چلا گیا تھا اور اب دن رات ملکہ اپنے حبشی محبوب کو اپنے پاس رکھتی تھی۔ کیونکہ اس نے اب اپنے محبوب کو پوری طرح اپنی محبت کے جال میں اسیر کر لیا تھا۔

ایک شب ملکہ سولہ سنگار کئے اپنے شبستاں میں بستر پر لیٹی تھی۔ طوناش ایک کرسی نما تخت پر اس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ ملکہ نے اٹھ کر ایک انگڑائی لی اور اپنے ہاتھ سے کہنہ شراب کا ایک جام طوناش کو دیا۔ اس کے بعد جام پر جام چڑھائے جانے لگے۔ طوناش شراب کے نشے میں اس قدر بدمست ہوا کہ جب ملکہ نے اس سے ہم آغوش ہونے کے لئے اپنے گدرائے ہوئے حسین بازو اس کی طرف بڑھائے تو وہ ایک بھوکے شیر کی طرح اس پر ٹوٹ پڑا۔ طوناش نے یہ حقیقت بالکل فراموش کر دی کہ اس کی محبوبہ ایک نازک اندام ملکہ ہے اور اس سے محبت کرنے کا طریقہ بھی پُر سلیقہ اور نازک ہونا چاہیئے۔ طوناش کے وحشیانہ اور ہوس آلود جذبات بہت بری طرح سے بھڑک اٹھے۔ اس نے ملکہ کا زرتار لباس تار تار کر دیا اور اسے اِس قدر نوچا کھسوٹا اور پیار کیا کہ نازک اندام فلونیا کے منہ سے چیخیں نکل گئیں۔

اب اس داستانِ عشق کا ایک نہایت ہی المناک باب شروع ہوا۔ ملکہ کی چیخیں سن کر محل کی چند خادمائیں دوڑی دوڑی ملکہ کے کمرے کے پاس آ گئیں۔ اور ان میں سے

ایک نے دروازے کی درزمیں سے ملکہ کو طوناش غلام کی آغوش میں نیم عریاں حالت میں دیکھ لیا۔ اس خادمہ کے بھی طوناش سے عشقیہ تعلقات تھے، چنانچہ اس نے آتشِ رشک و رقابت میں جل کر تمام صورتِ حالات سے بادشاہ کو مطلع کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

جب بادشاہ اپنے سفر سے واپس آیا تو خادمہ نے ڈرتے ڈرتے ساری بات بادشاہ کو بتا دی۔ بادشاہ کو خادمہ کی اس بیباکی اور گستاخی پر بہت غصہ آیا اور اس نے اس کی چٹیا کٹوا دی۔ لیکن ساتھ ہی اُسے خادمہ کی بات کا یقین بھی آ گیا چنانچہ وہ کہنے لگا: "اے گستاخ لڑکی تو نے ملکہ پر جو الزام عائد کیا ہے اگر تو نے اُسے صحیح ثابت نہ کیا تو میں تیرا گوشت پرندوں اور درندوں کو کھلا دوں گا۔"

اُسی دن خادمہ چپکے چپکے بادشاہ کو گھنی جھاڑیوں کے ایک جھنڈ میں لے گئی۔ ملکہ ایک درخت کے نیچے کھڑی تھی اور اس کا نازک ہاتھ طوناش کے ہاتھ میں تھا اور وہ آہستہ آہستہ سرگوشیاں کر رہے تھے۔ بادشاہ بھوکے شیر کی طرح اُن دونوں پر جھپٹا ملکہ کو اُس نے تھپڑ مار کر گرا دیا اور غلام کو قدموں کی ٹھوکریں لگانے لگا۔ اس کے بعد وہ ان دونوں کو خادمہ سمیت محل میں لے گیا۔ فرطِ غیظ و غضب میں اُس نے خادمہ کا سر اُڑا دیا اور اس کے بعد ملکہ کے ہاتھ میں تلوار دے کر کہا کہ "پہلے تو اس سے طوناش کی آنکھیں نکالو اس کے بعد اس کے ہونٹ کاٹ ڈالو، پھر کان، پھر ناک اور پھر وہ ہاتھ جس نے تمہارے ہاتھ کو تھامنے کی جراٴت کی تھی۔ اس کے بعد میں خود اسے قتل کرونگا۔"

ملکہ رو کر کہنے لگی یہ طوناش بے قصور ہے۔ اس کا کوئی قصور نہیں۔ میں بخار محسوس کر رہی تھی اور میں نے خود اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے کر کہا تھا کہ دیکھو مجھے بخار تو

نہیں ہو رہا۔"

بادشاہ کہنے لگا۔" میں تمام حالات سے واقف ہو چکا ہوں۔ جس خادمہ کو میں نے آج موت کے گھاٹ اتارا ہے اس نے رونگٹے کھڑے کرنے والے واقعات سے مجھے آگاہ کر دیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد دیکھنا کہ تمہارا کیا حشر ہوتا ہے۔"

طوناش تو گردن جھکائے کھڑا رہا۔ لیکن فلونیا بولی۔" اس حرام زادی کی تو طوناش سے دشمنی تھی۔ اس لئے اس نے آپ کو جھوٹی اطلاعات بہم پہنچائی ہیں۔"

بادشاہ کہنے لگا۔" یہ سب ٹھیک سہی۔ مجھے خود بھی ان باتوں پر یقین نہیں آیا۔ اگر آتا تو میں فوراً تمہارا سر قلم کرا دیتا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جو ہاتھ صرف میرے ہاتھوں میں ہونا چاہئے اُسے ایک غلام کے ہاتھ نے کیوں چھوا۔ اب تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ تم طوناش کا سر قلم کر دو۔"

ملکہ کہنے لگی۔" میں ایک بے قصور انسان کو قتل کر کے گناہ کی مرتکب نہیں ہو سکتی۔"

بادشاہ نے اب خود تلوار اپنے ہاتھ میں لی اور طوناش کو طرح طرح کی اذیتیں دے دے کر ہلاک کر ڈالا۔ ملکہ کی آہ و زاری، منتیں اور التجائیں کسی کام نہ آئیں۔ بالآخر اس ہولناک منظر کی تاب نہ لاتے ہوئے وہ بے ہوش ہو گئی اور بادشاہ نے طوناش کی لاش کے ٹکڑے گوشت خور پرندوں اور درندوں کے آگے پھنکوا دیئے۔

ملکہ کی بے ہوشی سے بادشاہ کا شک اور بھی بڑھ گیا۔ وہ اسے کسی نہ کسی تدبیر سے ہوش میں لے آیا اور گرج کر کہنے لگا۔" چونکہ میں نے ایک دن زیوس دیوتا کے مندر میں قسم کھائی تھی کہ میں اپنی نئی ملکہ کو کوئی تکلیف نہ دوں گا۔ اس لئے میں تجھے قتل نہیں کرتا لیکن

کچھ نہ کچھ سزا تمہیں ضرور ملنی چاہیئے۔ نہیں تو دیوتا خود مجھ سے ناراض ہو جائینگے۔ تمہیں تمہاری حرکتوں کی سزا ضرور ملنی چاہیئے"۔

اس کے بعد تند خو بادشاہ نے اپنے محل کے ایک نہایت ہی حقیر ملازم کو جو گندی نالیاں صاف کیا کرتا تھا طلب کیا اور کہا کہ "دیکھو آج سے یہ عورت جو کبھی ملکہ تھی تمہارے پاس بطور بیوی کے رہے گی۔ تمہارے گھر کے چاروں طرف پہرہ لگا دیا جائیگا تاکہ یہ فرار نہ ہو سکے اور اگر تم نے میرے احکام کی سرِ مو بھی خلاف ورزی کی اور اسے اپنی بیوی بنا کر نہ رکھا تو تمہارا سر قلم کر دیا جائے گا"۔

فلوتیا ——— عظیم الشان فلوتیا ——— بادشاہ کا حکم سن کر زار زار رونے لگی۔ اور حقیر ملازم تھر تھر کانپنے لگا۔ بڑی جرأت سے کام لے کر وہ کہنے لگا "بادشاہ سلامت ملکہ معظمہ کو اتنی سخت سزا نہ دیجئے اور میں، میں تو ان کی جوتیاں اُٹھانے کے قابل بھی نہیں ہوں"۔

اس نے ابھی اپنا فقرہ بھی پورا نہ کیا تھا کہ بادشاہ نے آگے بڑھ کر فرطِ غیظ و غضب سے اس بے چارے کا ایک کان کاٹ ڈالا اور کہنے لگا "اب تمہیں میرے حکم کی اہمیت معلوم ہوئی یا نہیں؟ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ میں نے اپنے فیصلے پر پورا پورا غور کر لیا ہے۔ کیا میرا حکم مانو گے یا تمہارا سر قلم کر دوں؟ جاؤ جا کر اپنے کان کا علاج کراؤ اور اس فاحشہ عورت کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤ"۔

بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی گئی اور یونان کی پُر شوکت ملکہ ایک ذلیل اور ادنیٰ سے آدمی کے حوالے کر دی گئی۔ لیکن ملکہ نے اپنے حقیر "شوہر" کو کبھی اپنے پاس نہ آنے دیا

وہ خود بھی ملکہ کا احترام کرتا تھا۔ اس لئے اس نے کبھی ملکہ کو بری نظر سے دیکھنے کی جرأت نہ کی۔ لیکن ملکہ محسوس کرتی تھی کہ اب بھی وہ بادشاہ کے غضب سے محفوظ نہیں۔ بادشاہ نے ملکہ سے جو سلوک کیا تھا۔ اس کے ملک بھر میں چرچے ہونے لگے اور بیچاری فلوتیا رسوا ہو گئی۔

کچھ مدت کے بعد ملکہ ایک خوبصورت دربان سے مل گئی اور اس نے اس سے وعدہ کر لیا کہ اگر وہ اسے یہاں سے بھگا لے جائے تو وہ اس سے شادی کرے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ایک رات جبکہ آسمان پر تیرہ و تار گھٹائیں چھا رہی تھیں۔ اس نے اپنے فرضی شوہر کو حد سے زیادہ شراب پلا کر بدمست کر دیا۔ اور پھر پہرہ دار کے ساتھ فرار ہو گئی اور وہ دونوں ایک سرحدی گاؤں میں جا پہنچے۔ دوسرے دن بادشاہ کے قاصد چاروں طرف دوڑا دیئے گئے۔ لیکن مفرورین کا کچھ پتہ نہ چل سکا۔

فلوتیا کو اپنے محبوب کے قتل ہونے کا بے حد صدمہ تھا۔ وہ اس کی یاد میں آٹھ آٹھ آنسو روتی تھی اور نوحے کرتی تھی۔ اس نے دربان سے حسب وعدہ شادی تو کر لی۔ لیکن وہ صرف ایک بات کے انتظار میں زندہ تھی ——— طوناتش اُسے اپنی ایک نشانی دے گیا تھا اور وہ وصل کی چند راتوں کا ثمر تھا ——— ملکہ اپنی محبت کی یادگار کو اپنے ساتھ موت کی آغوش میں نہیں لے جانا چاہتی تھی۔

آخر ایک دن اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ جب بچہ دو ماہ کا ہو گیا تو اس نے اپنے نئے شوہر کو اپنے پاس بلایا اور کہا۔ "دیکھو میں ایک ملکہ تھی اور ایک ملکہ ہو کر میں کئی ماہ تمہاری بیوی کے فرائض انجام دیتی رہی؟ کیا تم مجھے اس کا معاوضہ دو گے؟"

اس کا شوہر کہنے لگا "میں بدل و جان تمہاری ہر خدمت کرنے کے لئے تیار ہوں"۔ یہ سُن کر ملکہ اُسے ایک عبادت گاہ میں لے گئی اور وہاں اس نے اپنے شوہر کو مجبور کیا کہ وہ قسم کھا کر اس سے وعدہ کرے کہ وہ اس بچے کی نگہداشت کرے گا اور اسے اپنا بچہ سمجھ کر پروان چڑھائے گا۔ جب اس نے اپنے شوہر سے اس بات کا مقدّس وعدہ لے لیا تو وہ کہنے لگی "اچھا تو اب میں تمہارے پاس صرف چند دن ہوں مجھے اپنے آقا کی تلاش میں آسمان کی طرف پرواز کر جانا ہے"۔

اس کا نیا شوہر جو اُس کا عاشق زار تھا۔ اس کے قدموں پہ آ گرا اور اس سے التجائیں کرنے لگا کہ وہ کوئی ایسی حرکت نہ کرے لیکن ملکہ اب گناہ اور رسوائی کی زندگی سے تنگ آ چکی تھی اور اس نے اپنی زندگی ختم کرنے کا مصمّم ارادہ کر لیا تھا اور اس نے اپنے شوہر سے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ اب چند دن کی مہمان ہے۔ فرطِ غم سے اس کا شوہر پاگل سا ہو گیا۔ اس نے کھانا پینا ترک کر دیا اور اس کا زیادہ وقت رونے اور آہ و زاری کرنے میں بسر ہونے لگا۔ ملکہ کو اس پر بہت ترس آتا تھا۔ لیکن وہ اپنے گناہوں کا کفارہ ضرور ادا کرنا چاہتی تھی۔ اِس کے علاوہ طوناتش سے اُسے اِس قدر محبت ہو چکی تھی کہ اس کے بغیر اس کی زندگی بیکار تھی۔ اس لئے اسے دنیا سے نفرت ہو گئی اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اب زندہ نہ رہے گی۔ اُسے اپنے نئے شوہر پر بہت ترس آتا تھا۔ لیکن کسی طرح اس کا دل اب نہیں بہلتا تھا۔

ایک دن جبکہ چاند سینا ندی پر پوری تابانی سے چمک رہا تھا اور ٹھنڈی ہوائیں اپنی آغوش میں مہکی مہکی خوشبو لئے آوارہ پھر رہی تھیں۔ تمام کائنات نور میں نہا رہی

تھی۔ فلونیا اپنے بستر سے اُٹھی۔ پہلے اس نے اپنے بچے کو جو اس کے بستر پہ غافل سو رہا تھا خوب پیار کیا، پھر آہ بھر کر اپنے غمزدہ شوہر کے بستر کے قریب آئی۔ وہ بھی محوِ خواب تھا۔ لیکن اس وقت بھی اُس کے چہرے پر غم واندوہ اور آنے والے خطرے کے احساس کے آثار نمودار تھے۔ ملکہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ آہستہ سے اپنے شوہر پر جھکی اور اس کی پیشانی کا آخری بوسہ لیا اور گھر سے چل دی۔

چاندنی رات نے اُسے اپنی آغوش میں لے لیا اور حسین ملکہ فلونیا لڑکھڑاتے ہوئے قدموں کے ساتھ سیتا ندی کی طرف روانہ ہوئی۔ ندی دھیما دھیما المناک راگ گا رہی تھی فلونیا نے اپنی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھائیں اور کہنے لگی "دیوتاؤ میں گناہ کی زندگی سے عاجز آگئی ہوں اور آج اپنے دامن سے گناہوں کے داغ دھونے کے لئے سیتا ندی کی آغوش میں پناہ لے رہی ہوں۔ دیوتاؤ میرے جرم معاف کر دو اور مجھے میرے طلوناش کے پاس پہنچا دو۔"

یہ کہہ کر ملکہ آہستہ سے آگے بڑھی اور اس نے اپنے آپ کو پانی کی موجوں کے سپرد کر دیا ——— پانی کی سطح پر چند بلبلے پیدا ہوئے اور کچھ دیر بعد ملکہ ہمیشہ کے لئے پانی کی لہروں میں چھپ گئی ——— چودھویں کا چاند حیران رہ گیا۔ کیونکہ آج زمین کا چاند ندی میں غرق ہو گیا تھا ——— آج یونان کی حسین ترین عورت نے خودکشی کر لی تھی۔

صبح جب فلونیا کا شوہر بیدار ہوا تو اُسے معلوم ہو گیا کہ اس کی ملکہ اُسے ہمیشہ کے لئے چھوڑ گئی ہے۔ وہ دیوانہ وار اُسے ڈھونڈنے کے لئے جنگل کی طرف روانہ ہوا۔

ندی کے پاس پہنچا تو ایک گڈریئے کی زبانی اُسے معلوم ہؤا کہ فلونیا کو کل رات اُس نے دُعا مانگتے دیکھا تھا اور غالباً وہ ڈوب چکی ہے۔

فلونیا کا شوہر فرط رنج وغم سے دیوانہ ہو گیا اور مدتوں سوگوار رہا۔ فلونیا کا لڑکا بڑا ہو گیا تو باپ اکثر اپنے سوتیلے بیٹے کو لے کر ندی کے کنارے آجاتا اور لڑکے کو بتاتا کہ تمہاری امّی اس ندی میں رہتی ہے۔

فلونیا کے نئے شوہر نے کبھی شادی نہ کی۔ بلکہ اپنی باقی زندگی اس ندی کے کنارے بسر کر دی جس میں اس کی نئی دلہن غرق ہو گئی تھی ؛

شہزادۂ مصر محبّت کی وادیوں میں

محبّت اور رومان میں ڈوبی ہوئی

ایک دلچسپ داستان

مصر کا نوجوان شہزادہ احمر اپنے کمرے میں اپنی قیمتی مسند پر بیٹھا تھا۔ اس کی بہن اس کے سامنے ایک پلنگ پر بیٹھی تھی۔ دونوں شادی کے موضوع پر باتیں کر رہے تھے۔

لطیفہ خانم اس سے کہنے لگی "میری بات پر یقین کرو کہ جس لڑکی سے میں تمہاری نسبت کرنا چاہتی ہوں، وہ بے حد حسین ہے۔ تمہارے تصور میں بھی ایسی لڑکی نہیں آسکتی۔ آخر میں تمہاری بہن ہوں کوئی دشمن تو نہیں کہ تمہیں کسی ادنیٰ صورت یا ادنیٰ مزاج کی شہزادی سے بیاہ دوں گی"

شہزادہ احمر کہنے لگا "میں بس اتنا چاہتا ہوں کہ میری منسوبہ سے میری ملاقات کرا دی جائے اور چند منٹ تک اس سے باتیں کرنے کی اجازت دے دی جائے"

لطیفہ خانم نے جواب دیا "تو کیا اگر شہزادی روحی کی شکل تمہیں پسند نہ آئی تو تم اس سے شادی کرنے سے انکار کر دو گے؟ نہیں نہیں تم ایسا نہیں کر سکتے۔ اب تمام معاملات طے ہو چکے ہیں۔ جب بہرحال تمہیں اس سے شادی ہی کرنی ہے تو اسے دیکھنے

سے کیا فائدہ ؟"

اتنے میں شہزادی کی ماں بھی اندر آگئی اور کہنے لگی :۔

" کیا ابھی تک یہ بحث ختم نہیں ہوئی ؟"

لطیفہ خانم کہنے لگی " یہ کہتے ہیں کہ میں اپنی منسوبہ کو ضرور دیکھونگا اور چند منٹ اس سے باتیں کرونگا ۔"

شہزادے کی ماں چیں بہ جبیں ہو کر بولی " اچھا تو تمہیں چار سال فرانس میں رکھنے کا یہ نتیجہ نکلا ہے کہ تم اپنی قومیت اور اپنے مذہب کو بھی بھول گئے ہو ؟"

شہزادہ احمد بولا " نہیں امی جان میں یقیناً ایک پکا مسلمان اور مادرِ مصر کا فرزند ہوں ۔ میں نہ تو مذہب سے غداری کر رہا ہوں اور نہ وطن سے ، میں نے تو اپنا حق مانگا ہے ۔ میں تو صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ جس عورت سے میرا عمر بھر کا ساتھ کیا جا رہا ہے مجھے اس کو دیکھنے کی اجازت مل جائے ——— اور . . . . ."

" اور اگر وہ تمہیں پسند نہ آئے تو تم اس سے شادی کرنے سے انکار کر دو !" ماں نے اس کا جملہ پورا کرتے ہوئے کہا ۔

" ہاں ہاں !" شہزادہ احمد بے ساختگی سے بولا ۔

اس کے بعد ماں کے غصے کا پارہ چڑھ گیا ۔ وہ انتہائی طیش میں کہنے لگی :۔

" تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری منسوبہ کس کی لڑکی ہے ، وہ اُس شخص کی لڑکی ہے جس کے ہاتھ میں حکومتِ مصر کی باگ ڈور ہے ، وہ وزیرِ اعظم ہے وزیرِ اعظم ! تم اس کی بزرگی اور تقدس ہی کا کچھ خیال کرو ۔ کیا تم نہیں جانتے کہ جامع ازہر کے بڑے بڑے

علماء اس کے قدموں کی خاک کو چومنا اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتے ہیں۔ شرافت، امارت، شہرت اور دولت کے اعتبار سے وہ ہمارے برابر ہے، خود تمہارے چچا ان کی بے حد عزت کرتے ہیں۔ مصر کا حکمران تو اس شخص کی اس قدر عزت کرے اور تم اسے خاطر ہی میں نہ لاؤ۔ تف ہے تمہاری سمجھ پر تف! چراغ لے کر بھی ڈھونڈو گے تو ایسی خوبصورت، نیک دل اور قابل بیوی نہ ملے گی۔"

شہزادہ مسکرا کر بولا "آپ بزرگ ہیں، آپ کا کہنا سر آنکھوں پر لیکن یہ تو بتائیے کہ کیا میں محض آپ کی بتائی ہوئی وجوہ پر اپنے پیدائشی حق سے محروم ہو جاؤں؟"

شہزادے کی ماں نے جواب دیا "لیکن میں تو ان لوگوں کو زبان دے چکی ہوں۔ شادی کے ابتدائی مراحل بھی طے ہو چکے ہیں۔ کان کھول کر سن لو کہ میں اس نسبت کو ہرگز ہرگز نہیں توڑ سکتی۔ اگر تم اس نسبت کو توڑنا چاہتے ہو تو پہلے مجھ سے قطع تعلق کر و۔ اگر تم نے یہ نسبت توڑ دی تو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہوں گی۔ اس کے علاوہ تمہاری اس حرکت سے مصر کی سیاست میں پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں گی۔"

شہزادہ کہنے لگا کہ "میں نے تو یہ ہرگز نہیں کہا کہ آپ اس نسبت کو توڑ دیں۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ اپنی منسوبہ کو ایک بار دیکھ لوں۔ ویسے مجھے یہ رشتہ بسر و چشم منظور ہے۔"

شہزادے کی بہن بولی "اگر تمہیں یہ رشتہ منظور ہے تو پھر اتنی باتیں کیوں بنا رہے ہو؟"

اس بحث کا سلسلہ بہت دیر تک جاری رہا۔ ماں نے شہزادے کو قائل کرنے کی بہتیری کوشش کی، مگر وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ شہزادے کی ماں پرانی رسوم و قیود کی

پابند تھی۔ اس کے علاوہ وہ زبان دے چکی تھی۔ اس لئے اس نے بھی بیٹے کی ایک نہ مانی اس کا خیال تھا کہ لڑکی کے ماں باپ کو اس قسم کا کوئی پیغام دینا ان کی صریحاً توہین کرنے کے مترادف ہے۔

آخر ماں بیٹے سے ناراض ہو گئی۔ اس نے کھانا کھانے سے بھی انکار کر دیا۔ شہزادے نے بھی کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ دو دن تک ماں اور بیٹا دونوں اپنی اپنی بات پر اڑے رہے تیسرے دن دوبارہ یہ بحث چھڑ گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ماں اور بیٹی دونوں خوب روئیں پیٹیں۔ لیکن اب بھی شہزادہ اپنی بات سے ایک قدم پیچھے نہ ہٹا۔ چوتھے دن فاقے کی وجہ سے ماں کی حالت خراب ہو گئی اور بیٹے کو اس کی خواہش کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا۔

(۲)

شہزادے نے جب دیکھا کہ اس کی ماں کھانا کھا چکی ہے تو وہ اپنے فیصلے سے مکر گیا۔ اب شہزادے کی ماں نے سوچا کہ بیٹے کو اس سے زیادہ سمجھانا بیکار ہے چنانچہ اس نے شہزادے سے کہہ دیا کہ جو کچھ اس کے جی میں آئے کرے۔

شہزادے نے اپنی الماری سے احادیث کی دو کتابیں اٹھائیں اور نوکر کو حکم دیا کہ شاہی گاڑی میں گھوڑے جوت دے۔ جب گاڑی تیار ہو گئی تو وہ احادیث لیکر وزیر اعظم کے یہاں روانہ ہو گیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد شہزادے کی گاڑی ایک عالی شان اور پُر وقار عمارت کے سامنے رُکی۔ شہزادہ گاڑی سے اتر آیا اور اس محل نما مکان کے دربان سے کہا کہ اندر جا کر اطلاع

کرے کہ شہزادہ احمر آتے ہیں۔

نائب الشیخ نے جب اپنے ذی مرتبت داماد کے اپنے گھر آنے کی خبر سنی تو وہ خود اس کے استقبال کے لئے باہر آگیا۔ شہزادے نے آگے بڑھ کر بہت خلوص اور مسرت سے اس کے ساتھ مصافحہ کیا۔ الشیخ نے بھی شہزادے کی پیشانی پر بوسہ دیا اور اسے ہاتھ سے پکڑ کر اندر لے گیا۔

شہزادہ احمر اپنے وزیر اعظم کا شاندار ڈرائنگ روم دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔ ڈرائنگ روم کی دیواریں خوبصورت اور منقش تھیں اور ان پر جا بجا مصر اور بیرون مصر کے بہترین مصوروں کے شاہکار آویزاں تھے۔ فرش پر بیش قیمت ایرانی قالین بچھے تھے۔ فرنیچر اس قدر قیمتی اور دلکش تھا کہ شہزادہ دنگ رہ گیا۔

تھوڑی دیر شہزادہ الشیخ سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ اس کے بعد ملازم قہوہ لے آیا۔ اس دوران میں شہزادے کا قابلِ احترام خسر اپنے داماد سے فرانس کے متعلق باتیں کرتا رہا۔ جب سلسلۂ گفت و شنید کسی قدر منقطع ہوا تو شہزادہ احمر کہنے لگا کہ "میں ایک بہت ضروری مقصد کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں"۔

"کس مقصد سے؟"

"میرا مطلب یہ ہے کہ ... یعنی اگر آپ اجازت دیں تو ......"

"ہاں ہاں، کہو"

"میرا مطلب یہ تھا کہ ..... یعنی اگر آپ اجازت دیں ..... اور بُرا نہ مانیں تو میں کچھ عرض کروں"

"ہاں ہاں، کیا کہتے ہو؟ ہچکچاتے کیوں ہو؟"

"میں آپ سے اپنا ایک حق مانگنے آیا ہوں"

"لیکن کون سا حق؟"

"میں چند منٹ کے لئے اپنی منسوبہ سے ملنا چاہتا ہوں"

یہ کہہ کر جب شہزادہ احمر نے نظریں اوپر اٹھائیں تو اس نے اپنے بوڑھے خسر کو ہکا بکا اور حیران پایا۔ وہ اپنے داماد سے اس قسم کا کوئی جملہ سننے کے لئے ہرگز تیار نہ تھا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے داماد کے اس فقرے نے اس کے جذبۂ خودداری کو مجروح کر ڈالا ہے۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں بولا "میں نہیں سمجھتا کہ تمہیں اس قسم کے مطالبہ کا حق ہے"

"کیا آپ کو اس پر کوئی اعتراض ہے؟"

"یقیناً" مجھے اس پر اعتراض ہے!"

"لیکن ہمارے مذہب نے تو اجازت دے دی ہے کہ ہمیں شادی کرنے سے پہلے اپنی منسوبہ کو دیکھ لینا چاہئے"

"یہ تو صحیح ہے، مگر ہمارے یہاں اس کا دستور نہیں"

"لیکن آپ اپنے یہاں کے دستور کو مذہب کے اصولوں پر فوقیت دیتے ہیں؟"

"آخر اس درخواست سے تمہارا کیا مطلب ہے؟ فرض کرو تمہیں تمہاری منسوبہ پسند نہ آئے تو کیا اس صورت میں تم اس نسبت کو توڑ دو گے؟"

"اس صورت میں شاید خود آپ مجھے معذور سمجھیں گے"

"لیکن میں یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ لوگ میری لڑکی سے نسبت کرنے کے لئے گاہک بن کر آئیں اور اسے پسند یا ناپسند کر کے چلے جائیں۔ تم نے میری عزت و آبرو کا اپنے دل میں غلط اندازہ لگایا ہے۔ کیا تم میری توہین نہیں کر رہے ہو؟"

"میں مجبور ہوں"

"کیا مطلب؟"

"مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی صاحبزادی سے شادی کرنے کا شرف حاصل نہیں کر سکتا"

"میرے بڑھاپے اور میری عزت پر رحم کرو"

ابھی بوڑھے شیخ نے اتنا ہی کہا تھا کہ ایک لڑکا اندر سے ایک رقعہ لے کر آیا۔ یہ رقعہ خانم روحی کا تھا جس میں اس نے اپنے باپ کو لکھا تھا کہ وہ شہزادے کو اس سے ملاقات کی اجازت دیدیں۔ اگر میرا منسوب مجھے ناپسند کر کے چلا جائے تو مجھے اس بات پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

بوڑھے خسر نے یہ رقعہ منہ پھٹ داماد کے سامنے پھینکا اور خود کمرے سے باہر چلا گیا۔ شہزادے نے رقعہ کو زمین پر سے اٹھا لیا اور اس کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہو گئی رقعہ پڑھنے کے بعد وہ بولا "اچھا تو خانم سے میرا اسلام کہو اور پیغام دو کہ اب وہ مجھے شرف ملاقات بخش سکتی ہیں"

(۳)

روحی نے نوکر کے ہاتھ پیغام بھجوایا کہ شہزادہ صاحب اندر تشریف لے آئیں۔ شہزادہ

اُٹھ بیٹھا۔ دھڑکتے ہوئے دل اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اس نے سامنے کے کمرے کا اطلسی پردہ اٹھایا۔ کمرے میں تین لمپ روشن تھے۔ جن کی روشنی میں کمرہ جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔ سامنے کے صوفے پر روحی حسن، عظمت اور غرور کی دیوی بنی بیٹھی تھی۔ اس کی عمر کوئی بائیس برس کی تھی تیز روشنی میں اس کا چہرہ بہت ہی خوبصورت اور پُرغرور نظر آتا تھا۔ اس کا لباس گہرے نیلے رنگ کا تھا جس میں سے اس کے مرمریں جسم کے عریاں حصے اس طرح نظر آرہے تھے، جیسے نیلی بدلی میں سے نور پھوٹ پھوٹ کر نکل رہا ہو۔

شہزادہ احمر کو دیکھ کر وہ ذرا تعظیماً اٹھ کھڑی ہوئی۔ شہزادے نے اسے سلام کیا۔ اس نے آہستہ سے جواب دیا اور ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس کی نظریں شرم سے جھکی ہوئی تھیں۔

شہزادہ احمر ایک کرسی پر بیٹھ کر کہنے لگا۔ "مجھے انتہائی مسرت ہے کہ میں اس وقت آپ کے سامنے بیٹھا ہوں اور مجھے آپ سے گفتگو کرنے کا موقع ملا ہے، کیا مجھے کچھ پوچھنے کی اجازت ہے؟"

"فرمائیے!"

"آپ کو یہ رشتہ پسند ہے؟"

"کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ آپ کو یہ رشتہ پسند ہے؟"

"جی! مجھے تو پسند ہے"

"کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ کیوں پسند ہے؟"

"اس لئے پسند ہے کہ آپ بہت خوبصورت ہیں اور پہلی ہی نظر میں مجھے آپ سے محبت ہو گئی ہے"

"اگر میں آپ کو پسند نہ آتی تو؟"

"تو پھر یہ رشتہ نہ ہو سکتا"

"لیکن آپ کو معلوم ہے کہ یہ رشتہ ہو چکا تھا!"

"جی ہاں، مجھے معلوم ہے"

"تو پھر آپ اس رشتے کو توڑ دیتے؟"

"ہاں، اُس صورت میں تو میں نسبت توڑ دینے پر مجبور ہو جاتا"

"لیکن آپ کو معلوم ہے کہ اس طرح ایک بزرگ کی عزت خاک میں مل جاتی!"

"لیکن میری زندگی بھی تو تباہ ہو جاتی"

"جی درست! لیکن کیا آپ کا خیال ہے کہ مردوں ہی کو اپنی پسند کا حق حاصل ہے؟"

"نہیں بیشک اصولاً یہ حق عورتوں کو بھی حاصل ہونا چاہئے"

"جی درست! پھر مجھے آپ پسند نہیں ہیں"

"لیکن ......"

"لیکن ویکن کچھ نہیں، مجھے آپ پسند نہیں ہیں۔ آپ اب میرے کمرے سے جا سکتے ہیں"۔

"خدا کے لئے ایسی باتیں نہ کیجئے۔ مجھے آپ کے حسن نے پھونک کر رکھ دیا ہے"۔

"مجھے تو آپ کے حسن نے پھونک کر نہیں رکھ دیا"۔

"میں تباہ ہو جاؤں گا"

"میں آپ کی خاطر اپنے آپ کو کیوں تباہ کروں؟"

"مجھ پر رحم کرو"

"آپ نے میرے بوڑھے باپ کی عزت پر رحم کیا تھا؟ مجھے معلوم ہو چکا ہے آپ کی والدہ محترمہ اور آپ کی بہن آپ کی کتنی منتیں کرتی رہیں کہ آپ اپنی ضد سے باز آئیں اور ایک بزرگ کی بے عزتی نہ کریں۔ لیکن آپ نے نہ ان کی حالت پر رحم کیا نہ ہماری حالت پر۔ اب میں آپ کی حالت پر رحم کیوں کروں؟"

"مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوئی"

"تو کیا میں اس بات کا امتحان لے سکتی ہوں کہ آپ اپنی غلطی پر پشیمان ہیں؟"

"جی ضرور!"

"اچھا تو میں آپ کو بتا دیتی ہوں کہ میں آپ کی منسوبہ نہیں، آپ کی منسوبہ میری بہن ہیں اور وہ بے چاری صورت شکل کی بہت سیدھی سادی ہیں۔ اگر آپ مرد ہیں اور مرد کی زبان ایک ہوتی ہے تو بتائیے آپ کو میری بہن کا رشتہ منظور رہے؟"

"جی لیکن......"

"اب یہ جی لیکن کیا؟ آپ کہہ چکے ہیں کہ آپ اپنی غلطی پر پشیمان ہیں۔ اگر آپ واقعی پشیمان ہیں اور اگر آپ واقعی مرد ہیں تو آپ کو میری بہن کا رشتہ قبول کرنا ہوگا"

شہزادہ زہر کے گھونٹ پی کر بولا۔ "اچھا جیسے آپ کی مرضی۔ تقدیر سے تدبیر جنگ نہیں کر سکتی مجھے یہ رشتہ منظور ہے"

روحی خانم خوش ہو کر کہنے لگی "اچھا تو اب چونکہ آپ رشتہ منظور کر چکے ہیں۔ اس لئے میں اپنی بہن کو آپ کی ملاقات کے لئے کمرے میں بھیجتی ہوں"

یہ کہہ کر خانم روحی کمرے سے چلی گئی اور تھوڑی دیر بعد ایک اٹھارہ سالہ لڑکی شرماتی لجاتی کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کی طرف دیکھتے ہی شہزادہ احمر سکتہ زدہ ہو گیا اس نے آج تک کبھی اتنی حسین لڑکی نہ دیکھی تھی۔

شہزادہ احمر اس کی تعظیم کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ شرماتی لجاتی آ کر ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ وہ اس قدر شرما رہی تھی کہ اس نے شہزادے کو جو اس کی تعظیم کے لئے کھڑا تھا بیٹھنے تک کو نہ کہا۔ جب شہزادے نے اسے سلام کیا تو اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ شہزادے نے دوبارہ سلام کیا تو بمشکل بہت آہستہ سے جواب دے سکی۔

آخر شہزادہ خود ہی بیٹھ گیا اور کہنے لگا "آپ کی بہن روحی نے مجھے بہت دھوکا دیا اگرچہ یہ دھوکا بہت دلچسپ تھا"

لڑکی کہنے لگی "جی خانم روحی میں ہی ہوں۔ میری بہن کا نام نازلی ہے"۔

"خوب!" شہزادے نے جواب دیا "آپ کی بہن بہت شریر ہیں وہ مجھ سے کہتی تھیں کہ آپ کی شکل بہت معمولی اور سیدھی سادی ہے"۔

یہ سن کر روحی کے گالوں پر حیا کی ایک خفیف سی سرخی دوڑ گئی اور وہ کہنے لگی "جی ہاں میں تو بہت معمولی صورت کی ہوں اور کسی طرح آپ کے لائق نہیں ہوں"۔

شہزادہ بولا "خدا کے لئے ایسا نہ کہئے۔ آپ تو باغ جنت کی حور معلوم ہوتی ہیں"

"جبھی آپ مجھ سے شادی کرنے سے انکار کر رہے تھے" روحی نے شرماتے

ہوئے کہا۔

شہزادہ بولا "جی ہرگز نہیں۔ میں نے انکار تو نہیں کیا تھا۔ میں تو صرف ملاقات کا خواہاں تھا۔ کیا آپ میری اس ملاقات کو ناپسند کرتی ہیں؟"

"جی نہیں"

"تو پھر آپ نے اپنے والد صاحب سے کیوں کہا تھا کہ آپ مجھ سے ملنا پسند نہ کریں گی؟"

"یوں ہی کہہ دیا تھا"

"تو اس کا مطلب ہے کہ آپ بھی مجھ سے ملنا چاہتی تھیں؟"

"جی!"

شہزادے نے روحی کا نرم و نازک ہاتھ بلا تکلّف اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ روحی شرم سے پانی پانی ہو گئی۔

روحی نے نظریں جھکا رکھی تھیں۔ اس کی عنّابی رنگ کی شال پر بجلی کی روشنی پڑ رہی تھی اور اس کے گورے گورے گال اور سانولی زلفیں بہت ہی بھلی معلوم ہو رہی تھیں۔ جب حسن شرما رہا ہو تو کس قدر خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔ یکایک شہزادے کی نظر روحی کے گورے گورے قدموں پر پڑی جن کا حسن نیلے رنگ کی سینڈل کی وجہ سے اور بھی دوبالا ہو گیا تھا اور وہی شہزادہ جو کچھ عرصہ پیشتر کہہ رہا تھا کہ اگر میری منسوبہ معمولی صورت کی ہوئی تو میں اس سے شادی نہ کرونگا۔ روحی کے پیارے پیارے قدموں پر گر پڑا اور اس کے قدم چوم لئے روحی اس حادثے پر اس قدر لجائی کہ اُس نے اٹھ کر وہاں سے بھاگ جانا چاہا۔ شہزادے نے اُسے روکنے کے لئے اس کی شال کا دامن پکڑ

لیا۔ روحی شال وہیں پھینک کر دروازے کی طرف لپکی۔ لیکن شہزادے نے بڑھ کر اُسے بازو سے پکڑ لیا۔ مردانہ لمس سے روحی کے تمام جسم میں ایک بجلی سی دوڑ گئی اور وہ کہنے لگی "مجھے چھوڑ دیجئے"

شہزادہ شرارت سے بولا "اگر نہ چھوڑا تو؟"

روحی منہ بسور کر بولی "میں رونے لگوں گی"

"اچھا، اگر آپ مجھ سے ملنا چاہتی تھیں اور اپنے ابا جان سے آپنے یوں ہی کہہ دیا تھا کہ میں نہیں ملنا چاہتی تو بتائیے کس خیال سے آپ مجھ سے ملنا چاہتی تھیں"

روحی شرما کر بولی "جس خیال سے آپ مجھ سے ملنا چاہتے تھے"

"میں تو یہ دیکھنے کے لئے ملنا چاہتا تھا کہ میری امی اور میری بہن نے آپ کی خوبصورتی کی جو تعریفیں کی تھیں وہ کس حد تک صحیح تھیں"

"میں تو بس یونہی ملنا چاہتی تھی۔ مجھے کسی کے حسن کی آزمائش نہیں کرنی تھی"

"جب میں فرانس میں بیمار ہو گیا تھا تو آپنے دو مرتبہ اپنے خطوط میں میری بہن کو لکھا تھا کہ آپکے بھائی جان کی طبیعت کیسی ہے؟ سچ سچ بتائیے آپ نے کیوں پوچھا تھا؟"

"تو کیا کسی کی خیریت پوچھنا بھی گناہ ہے؟ آپ بھی فرانس سے کیسے کیسے سوال کرنا سیکھ آئے ہیں!"

"اچھا یہ بتائیے میری بیماری کا حال سن کر آپ کو کچھ افسوس بھی ہوا تھا یا نہیں؟"

"آپ بتائیے اگر میں بیمار ہو جاتی تو آپ کو افسوس ہوتا؟ یا آپ میری خیریت پوچھتے؟"

"یقیناً میں بہت متفکر ہوتا"

"تو آخر میں کیوں نہ متفکر ہوتی"

"لیکن آپ نے مجھے دیکھا تو نہ تھا"

"عورتیں مردوں کی طرح نہیں ہوتیں"

"اچھا اب میں ایک سوال کرتا ہوں۔ اس کا جواب ضرور دیجئے۔ میں اس سوال کا جواب پوچھ کر رہونگا"

"کہئے؟"

"آپ نے پرسوں اپنی نظمیں میری بہن کو کیوں بھیجی تھیں؟"

"نظمیں بھیجنا کوئی گناہ ہے؟ ویسے ہی بھیج دی تھیں۔ اُن کو دکھانے کے لئے"

"نہیں سچ سچ بتائیے کہ آپ نے کیوں بھیجی تھیں؟"

"آدمی ہر بات کا صحیح جواب نہیں دے سکتا"

"نہیں نہیں اس بات کا جواب تو آپ کو دینا ہی ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ وہ نظمیں آپ نے اس لئے بھیجی تھیں کہ میں انہیں پڑھوں"

"خدا کے لئے مجھے پریشان نہ کیجئے"

"آپ میرے سوال کا جواب دیدیجئے، پھر پریشان نہ کروں گا"

"بھیجی تھیں کسی کو دکھانے کے لئے ——— کسی ضدی کے لئے"!

شہزادے نے ہنس کر روحی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اس پر محبت کی ایک مہر ثبت کر دی۔

تھوڑی دیر تک دونوں خاموش رہے۔ اس کے بعد شہزادے نے ایک انگوٹھی

اپنی جیب سے نکالی اور روحی کی انگلی میں پہنا دی۔

انگوٹھی پہنا کر شہزادے نے مسکرا کر روحی کی طرف دیکھا۔

روحی مسکرا رہی تھی اور اس کے بے داغ گالوں پر حیا کی سرخی کھیل رہی تھی۔

شہزادے نے گھڑی پر نگاہ ڈالی اور مصافحے کے لئے روحی کی طرف ہاتھ بڑھایا روحی کہنے لگی "میں تو ہاتھ نہ ملاؤں گی"

شہزادہ کہنے لگا "کیوں؟"

روحی بولی "آپ کوئی شرارت کریں گے"

شہزادے نے بڑھ کر روحی کو اپنے سینے سے لپٹا لینے کی کوشش کی مگر روحی ہاتھ چھڑا کر بھاگ گئی۔

شہزادہ کمرے سے باہر نکل آیا اور پھر اپنی شاہی گاڑی میں آ بیٹھا۔ اس نے دیکھا کہ روحی کھڑکی میں کھڑی اسے جاتے ہوئے دیکھ رہی ہے۔

(۴)

احمر اور روحی کی شادی ہو چکی تھی۔ آج روحی شہزادے کے محل میں دلہن بن کر آ گئی تھی۔ محل میں بڑی چہل پہل نظر آ رہی تھی۔ سیکڑوں عورتیں، لڑکیاں اور بچے دلہن کو گھیرے کھڑے تھے۔ مختلف رسوم ادا کی جا رہی تھیں۔

نو بجے کے قریب تمام مہمان محل سے رخصت ہو گئے۔ شہزادے کی بہن روحی کو شہزادے کے شبستاں میں لے گئی۔

شہزادہ شبستاں میں کرسی پر بیٹھا ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔ ان دونوں کی طرف دیکھ

کر اٹھ کھڑا ہوا۔

لطیفہ خانم کہنے لگی "پیارے بھائی! میں آپ کے لئے ایک تحفہ لائی ہوں۔ بتائیے آپ مجھے کیا انعام دیں گے؟"

شہزادہ احمر نے مسکرا کر جواب دیا "دل تو میرے پاس ہے نہیں۔ اس تحفے کے بدلے میں جان پیش کر سکتا ہوں"

لطیفہ بولی "جی نہ مجھے دل چاہیئے نہ جان! آپ کی دل و جان کی مالکہ آگئی ہیں۔ میں انہیں آپ کے حوالے کرنے آئی ہوں"

یہ کہہ کر لطیفہ خانم کمرے سے چلی گئی۔

شہزادہ احمر نے اٹھ کر اپنی دلہن کا ہاتھ تھام لیا اور اسے پھولوں کی سیج پہ بٹھا کر کہنے لگا "پیاری روحی! اس وقت تم مہکتا ہوا ایک پھول ہو۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھے تم سے کس قدر محبت ہے!"

پھر شہزادے نے فرط محبت سے روحی کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا۔ شہزادہ حیران تھا کہ روحی اس سے بات کیوں نہیں کرتی اور اس نے اپنا چہرہ نقاب میں کیوں چھپا رکھا ہے؟

یکایک دروازے پر دستک ہوئی۔ شہزادہ حیران رہ گیا کہ اس وقت کس بدتمیز اور گستاخ کو ان کا دروازہ کھٹکھٹانے کی جرأت ہوئی۔

شہزادہ غصّے میں بھرا ہوا اٹھا۔ زور سے اس نے دروازہ کھولا۔ سامنے اس کی سالی نازلی شرارت کی مورت بنی کھڑی تھی۔ اس وقت اس کے لمبے لمبے بال اس کے چہرے پر پریشان ہو رہے تھے اور وہ بڑی خوبصورت معلوم ہو رہی تھی۔ آتے ہی بولی "آپ

کو میری سیدھی سادی شکل کی بہن سے باتیں کرنے کا کیا حق حاصل ہے؟ آپ تو کہتے تھے کہ جب تک اسے دیکھ نہ لونگا شادی نہ کرونگا"

شہزادہ ہنس کر بولا "اب تو میں نے دیکھ لیا ہے اور انہیں پسند بھی کر لیا ہے اور میرے خیال میں ان سے زیادہ خوبصورت دلہن شاید ہی دنیا میں کوئی اور ہو۔ لیکن یہ مجھے اپنا چہرہ نہیں دکھاتیں نہ مجھ سے بات کرتی ہیں"

نازلی ناز سے بولی "یہ تو کاموں میں مصروف رہی اور مجھے آپ سے بات کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔ سنئے آپ نے میری بہن کی میرے گھر آکر توہین کی تھی۔ آپ کو اس کا جرمانہ ادا کرنا ہوگا"

"کیا جرمانہ؟"

"جو کچھ بھی میں کہوں"

"مثلاً ——— ؟"

"جو کچھ میں مانگوں گی دے دیں گے؟"

"ضرور!"

"آپ وعدہ کرتے ہیں؟"

"ہاں وعدہ کرتا ہوں"

"آپ قسم کھاتے ہیں؟"

"ہاں قسم کھاتا ہوں"

"قسم کھائیے کہ آپ عمر بھر تک اس دلہن کے غلام رہیں گے جو اس وقت بنی ٹھنی بیٹھی

ہے اور جسے دیکھ دیکھ کر آپ کے ہوش و حواس اڑے جا رہے ہیں"

"قسم کھانے کی کیا ضرورت ہے۔ میں ویسے ہی وعدہ کرتا ہوں"

"اچھا آپ قسم نہیں کھاتے، چلو روحی ان کے کمرے سے، ہم دونوں جا کر ان کی امّی جان کے پاس بیٹھتی ہیں"۔

یہ کہہ کر نازلی نے اپنی بہن کا ہاتھ تھام لیا اور اسے اٹھنے کا اشارہ کیا۔

شہزادہ کہنے لگا۔ "میں حلفیہ کہتا ہوں کہ عمر بھر اس حسین لڑکی کا غلام رہونگا"

نازلی مسکرانے لگی۔ چند قدم پیچھے ہٹی اور پھر دروازہ میں اس نے کسی کو اشارہ کیا۔ شہزادے کی ماں اور بہن دونوں مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئیں۔ نازلی کہنے لگی۔ "دلہن ذرا اپنا چہرہ تو دکھا دے"۔

دلہن ہنس کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے اپنے چہرے سے نقاب اتار کر پھینک دیا۔ یہ دیکھ کر شہزادے کی حیرت اور شرمندگی کی کوئی حد نہ رہی کہ اس کا قدیم دوست راحیل جس کا ڈیل ڈول عورتوں کی طرح تھا۔ اس کے سامنے کھڑا ہنس رہا تھا۔

شہزادے کی ماں، شہزادے کی بہن اور نازلی اور نقلی دلہن چاروں شہزادے کی حالت دیکھ کر قہقہے لگانے لگے۔

نازلی کہنے لگی:۔ "پیارے بھائی، یہ تمہیں سزا دی گئی ہے۔ کیونکہ تم نے شادی سے پہلے اپنی منسوبہ کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ تمہاری دلہن کو تھوڑی دیر میں تمہارے پاس بھیج دیا جائے گا"

کچھ دیر اسی قسم کا ہنسی مذاق ہوتا رہا۔ اس کے بعد سب لوگ چلے گئے اور شہزادے

کی بہن روحی کو اندر چھوڑ گئی۔

شہزادے نے سب سے پہلے روحی کے چہرے سے نقاب اٹھایا کہ آیا دوبارہ کوئی نقلی دلہن تو اس کے کمرے میں نہیں آگئی۔ جب اُس نے نقاب اٹھایا تو ایک چاند کی طرح چمکتا ہوا چہرہ نظر آیا۔

یہ اصلی دلہن تھی۔ لیکن یہ وہ لڑکی نہ تھی جس سے اس نے اپنی سالی نازلی کے چلے جانے کے بعد باتیں کی تھیں۔ وہ لڑکی محض "پارٹ" ادا کرتی رہی تھی۔

شہزادہ تھوڑی دیر تک مبہوت رہا۔ یہ لڑکی حقیقت میں شہزادے کی سالی نازلی اور پارٹ کرنے والی لڑکی سے بھی زیادہ حسین تھی۔

شہزادہ کہنے لگا:۔

"خدا کے لئے مجھے بتادو کیا تم میری اصلی دلہن ہو؟ کیا تم اصلی روحی ہو؟ میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں یا یہ حقیقت ہے؟"

دلہن خاموش کھڑی رہی۔

دلہن اس قدر خوبصورت تھی کہ اس پر جنّت کی کسی حور کا گمان ہوتا تھا۔

شہزادے نے اُسے اپنی آغوش میں کھینچ لیا اور اسے پھولوں کی سیج پہ لٹا دیا، اس طرح کہ اس چاند سی دلہن کے لمبے لمبے سیاہ بال اس کے سینے پر بکھر گئے۔

مصر کی ملکہ کی داستانِ عشق

جس نے محبّت کی خاطر
تخت و تاج کو ٹھکرا دیا

عشق ازل سے ہے اور ابد تک رہیگا۔ اس نے اپنی چوکھٹ پر دنیا کی بڑی بڑی ہستیوں کے سر جھکا دیئے ہیں۔ بڑے بڑے شہنشاہ اس کے آستانے پر سجدہ ریز ہونے پر مجبور ہو گئے کون ہے جو اس کی لازوال طاقت اور وسیع جال سے بچ سکے۔

زلیفو کاٹن ملکہ مصر بھی انہی بدبخت ہستیوں میں سے تھی جن کے دل میں عشق کے دیوتا نے ایسے "زہر آلود" تیر پیوست کئے کہ ان کی زندگیاں وبال جان ہو گئیں۔

زلیفو کاٹن بڑی عالم و فاضل خاتون تھی۔ اکیس ہی سال کی عمر میں اس نے متعدد علوم میں دستگاہِ کامل حاصل کر لی۔ اسے شکار کا بھی بہت شوق تھا۔ اکثر اپنے مصاحبوں سمیت جنگلوں میں شکار کے پیچھے بھٹکتی رہتی۔ اس سے نچلا نہ بیٹھا جاتا تھا۔ دوسری شہزادیوں کی طرح اُسے محل کی مرمریں اور پُرشکوہ دیواروں میں بند نہیں کیا جا سکتا تھا اسے قدرتی مناظر اور سیر سے بے حد دلچسپی تھی۔ چنانچہ وہ اکثر اپنی سہیلیوں اور باندیوں کے جھرمٹ کے ساتھ دریائے نیل کی حسین وادیوں میں نکل جاتی۔ سیر اور آوارہ گردی کے

اس جنون سے نہ تو اس کا باپ شہنشاہ طوفو ہالم اور نہ اس کی ماں اسے روک سکتی۔

لیکن آخر ایسا وقت بھی آیا جب جنگل کی یہ سنہری چڑیا پنجرے میں بند کر دی گئی۔ قدرت کی اس ستم ظریفی کا نتیجہ بہت دلچسپ لیکن افسوسناک نکلا۔

اس سے پہلے کہ ہم اس ماہ پارہ کی شادی کا حال سنائیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ووفوتور نامی ایک گڈریے کا کچھ ذکر کر دیں۔ کیونکہ اسی "گدڑی پوش" گڈریے نے ریشمی اور زرتار ملبوس والی اس پُرشوکت ملکہ کی زندگی میں ایک سحر آفریں انقلاب برپا کر دیا۔

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ زلیفو کائن سیر اور "آوارہ گردی" کی بے حد مشتاق تھی اور اسے قدرتی مناظر سے شغف ہی نہیں تھا بلکہ وہ وادیٔ نیل کے حسین ترین قدرتی مناظر پر دل و جان سے عاشق تھی۔

جن دنوں پہلے پہل اس کی ملاقات ووفوتور سے ہوئی، اُس وقت اِس کی عمر انیس اور بیس سال کے درمیان ہو گی۔

ووفوتور شہنشاہ طوفو ہالم کی چراگاہوں کے محافظ کا پوتا تھا۔ اس کا کام مویشی چرانا تھا۔ ووفوتور "بربط" بہت اچھا بجاتا تھا۔ کہتے ہیں کہ وہ "روبوپوجا" کی ہر چاندنی رات کو "بربط" بجایا کرتا۔ اردگرد کی بستیوں کے تمام لوگ اُس رات اُس کے نغمے سننے کے لئے اُس کے گاؤں میں آجاتے۔ انہیں دیوتاؤں کی پوجا کا شوق نہ تھا جتنا اس کی بربط کے نغمے سننے کا۔ وہ ایک ساحر تھا جس نے بستی کی تمام دوشیزاؤں کے دل موہ لئے تھے۔

شہزادی زلیفو کائن (کہ ان دنوں وہ شہزادی ہی تھی) جب اپنی چنچل سہیلیوں کے ساتھ سیر کے لئے جنگلوں میں نکل جاتی تو اکثر اسے دور سے بربط نواز کے نغمے سنائی دیتے اور وہ

کہتی چلو جا کر گڈریئے کے گیت سنیں اور وہ سب کی سب حلقہ باندھ کر ٹیلے پر ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے نوجوان گڈریئے کے گیت سنیں۔ کوئی قہقہے لگاتی، کوئی مسکراتی اور کوئی ایک دوسری کے چٹکی لیتی اور پھر سب خوشی سے چیختی ہوئی وہاں سے غائب ہو جاتیں شہزادی زلیفوکا اُن چپکے سے گڈریے کے گیت سنتی رہتی اور اپنی حیرت زدہ نظریں ایک لمحے کے لئے بھی گڈریے کے چہرے سے نہ ہٹاتی۔ باوجود اس بات کے کہ اس نے خود کبھی وو فوتو سے بات نہ کی تھی۔ لیکن وہ اس کے گیتوں کو بڑے غور اور توجہ سے سنتی بلکہ وہی اپنی سہیلیوں کو گڈریے کے پاس لانے کی محرک ہوتی تھی۔ وہ خود ایک گڈریے سے بات نہیں کر سکتی تھی کیونکہ وہ شہزادی تھی اور وو فوتو محض ایک غریب گڈریا۔ اگر وہ اس سے ہنستی بولتی تو یقیناً یہ بات اس کی شان کے خلاف تھی وہ چپ چاپ کھڑی رہتی ——— حسین گڈریے کے چہرے اور خوبصورت جسم پر نظریں گاڑے ہوئے ——— ہاں کبھی کبھی جب وہ بہت جرأت کرتی تو آہستہ سے اپنی کسی سہیلی کے چٹکی لے کر اس سے کہہ دیا کرتی کہ وو فو سے کہو کہ فلاں گیت سنائے کبھی کبھی گڈریا بھی اپنی خوبصورت پلکیں اٹھا کر شہزادی کے حسین چہرے پر ایک احترام انگیز نگاہ ڈال دیتا۔ لیکن ملکہ اسے آنکھیں چار کرنے کا بہت کم موقع دیتی تھی۔ جب گڈریا اپنی آرزومند نگاہیں اوپر اٹھاتا تو وہ فوراً اِدھر اُدھر دیکھنے لگتی جیسے محض اتفاقیہ طور پر اس کی نظر گڈریے کے چہرے پر پڑ گئی ہو۔

اسی طرح نگاہوں ہی نگاہوں میں شہزادی اور گڈریے کے دل کے لطیف اور نامعلوم راز ایک دوسرے پر آشکار ہونے لگے جب گدڑی پوش گڈریا اپنی حسین پلکیں اُٹھاتا اور ملکہ کی ستاروں کی سی آنکھوں سے آنکھیں چار ہوتیں تو اُسے یوں معلوم ہوتا، جیسے

شہزادی کی نگاہیں اس سے کچھ کہہ رہی ہیں اور شہزادی بھی اپنے دل میں محسوس کر لیتی کہ گڈریئے کی مست آنکھوں میں خوفزدہ محبت انگڑائیاں لے رہی ہے۔ لیکن نہ تو شہزادی گڈریئے سے اور نہ گڈریا شہزادی سے اپنے دل کی بات کہہ سکتا تھا۔ آنکھیں تو ایسی باتیں کہہ سکتی ہیں۔ لیکن اگر یہی باتیں زبان پر آئیں تو نظامِ کائنات درہم برہم ہونے کا اندیشہ ہو جاتا ہے۔

اب وہ دونوں ایک دوسرے کے دلی خیالات سے آگاہ ہو چکے تھے۔ شہزادی جب تک دن میں ایک مرتبہ چرواہے کو نہ دیکھ لیتی اسے چین نہ آتا اور چرواہے کی نگاہیں بھی جنگل جنگل، وادی وادی اپنی حسین ساحرہ کو ڈھونڈھتی رہتیں۔

(۲)

موسمِ بہار کا چاند پوری تابانی سے چمک رہا تھا۔ شہزادی اپنے محل کی مرمریں چھت پر اطلس و کمخواب کے نرم بستر پر کروٹیں لے رہی تھی۔ محل کے اردگرد کے باغات پھولوں سے لدے ہوئے تھے اور ہوا کے ہلکے ہلکے معطر جھونکوں پر پھولوں کی حسین سانس کا گمان ہوتا تھا بہار کی دیوی نے آسمان پر ایک نئے ہی انداز سے شمعِ مہتاب جلا رکھی تھی۔ جس کی تجلیوں میں کائنات کا ذرّہ ذرّہ ڈوب گیا تھا۔ ہر طرف نور کا ایک حسین طوفان برپا تھا۔ باغوں کے پُر ثمر درخت چاند کی کرنوں کی حسین بارش میں نہاتے ہوئے معلوم ہو رہے تھے۔

شہزادی کو نیند نہیں آتی تھی۔ اس کے جسم کے روئیں روئیں میں محبت کرنے کی خواہش چٹکیاں لے رہی تھی۔ اس کے کھلے ہوئے سیاہ بال جو کسی نہایت ہی بیش قیمت خوشبو میں بسے ہوئے تھے اس کے سفید تکیئے پر بکھرے تھے۔ اس کا حشر خیز سینہ

جست اور باریک لباس کی قید سے ایک باغی کی طرح آزاد ہو جانے کے لئے مچل رہا تھا ——— اس نے اپنے نوکیلے اور نرم نرم دلکش اُبھاروں پر ایک نگاہ ڈالی اور سیاہ فام مرمریں کو عطر میں بسے ہوئے زرتار لباس کی قید سے رہا کر دیا ——— اور ایک آہ سرد بھر کر چاند کی طرف دیکھنے لگی جس کی شوخ کرنیں اس کے نیم عریاں جسم سے چھیڑ چھاڑ کر رہی تھیں۔

یکایک دور سے بربط کے دلنشیں نغموں کی ہلکی ہلکی صدا سنائی دی اور وہ اپنے خیالات سے چونک اٹھی۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور محل کی چھت پر ٹہلنے لگی۔ لیکن اس کے دل کو قرار کہاں، وہ ایک شیرنی کی طرح گھبرا کر ایک چور دروازے سے جس کی چابی احتیاطاً دربان سے اس نے لے لی تھی باہر نکل گئی۔

درختوں، روشوں، خاموش نظاروں اور باغوں کو پیچھے چھوڑتی ہوئی وحشیانہ انداز میں قدم اٹھاتی ہوئی، جنگل کی طرف چل پڑی، اُس جنگل کی طرف جہاں اُس کا گڈریا بربط بجا رہا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ اپنے گڈریئے کے پاس پہنچ گئی۔ وہ اسے دیکھ کر اُٹھ کھڑا ہوا اس کے ہاتھ سے بربط چھوٹ کر نیچے گر گیا اور بے اختیار وہ پُرشکوہ شہزادی کے نازک نازک قدموں پر گر کر زار و قطار رونے لگا۔

شہزادی نے اپنا ہاتھ جو روئی کے گالے سے بھی زیادہ نرم تھا۔ گڈریئے کی طرف بڑھایا اور اسے اپنے قدموں سے اٹھا لیا۔ کچھ دیر سکوت طاری رہا۔ جب اس کے ہوش و حواس درست ہو گئے تو وہ ہنس کر شہزادی سے کہنے لگا:۔

"حضور کے نازک قدموں کو کہیں چوٹ تو نہیں آئی؟"

یکایک شہزادی کو یاد آگیا کہ وہ شہزادی ہے اور گڈریا گڈریا ہے۔ وہ غصے سے بولی: "تم نے ایک شہزادی کے قدموں پر اپنا سر رکھنے کی جرأت کیسے کی؟ اس شہزادی کے قدموں پہ جسے مرد کیا آجتک کسی عورت نے بھی چھونے کی جسارت نہیں کی۔ بتاؤ، تمہاری سزا کیا ہے؟ اپنے لئے خود ہی کوئی سزا تجویز کرو۔"

گڈریئے نے اپنی گردن جھکا دی اور کہا کہ "میرا سر قلم کر دیجئے۔ میں جو کچھ چاہتا تھا مجھے مل گیا۔"

شہزادی کے دل میں جذبات عشق نے ایک آگ لگا رکھی تھی۔ لیکن چونکہ وہ شہزادی تھی اور وہ گڈریا، اس لئے اپنے جذبات کو دبا لیا۔ البتہ اسے شانوں سے پکڑ کر اپنے قریب لے آئی۔ اور اسے ٹکٹکی باندھے حسرت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگی کہ اگر مصر کی شہزادی اس گڈریئے کو جو اس قدر حسین ہے اپنے سینے سے لگا لے تو کوئی بری بات تو نہیں؟

آخر وہ چیخ مار کر گھاس کے فرش پر گر گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ گڈریا گھبرا کر اس کے پاس آگیا اور اس کی منتیں کر کے پوچھنے لگا کہ اسے کیا تکلیف ہے، لیکن شہزادی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اسے سخت صدمہ ہو رہا تھا کہ وہ شہزادی ہو کر ایک گڈریئے پر کیوں عاشق ہو گئی ہے؟ اور اس عشق کا انجام کیا ہو گا ——————؟

جب رات بہت گذر گئی تو گڈریئے نے شہزادی سے کہا کہ "حضور اب رات بہت زیادہ گذر چکی ہے، آپ تشریف لے جائیے، آپ کو تکلیف ہو رہی ہو گی"

اس نے گڈریئے کو اپنے سامنے بلایا اور کہنے لگی "میرے سامنے بیٹھ جاؤ" اور اسے

سامنے بٹھا کر وہ نہ جانے کتنا عرصہ اپنے محبوب کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتی رہی۔ یہ تھی مصر کی عالم و فاضل شہزادی زلیفو کا ٹن کی ایک جاہل گڈریئے سے پہلی خفیہ ملاقات!

جب دو محبت کرنے والے عشق کی وادی میں قدم رکھتے ہیں تو ہوش و حواس جواب دے جاتے ہیں۔ انہیں ننگ و نام کی پروا نہیں رہتی۔ عشق اندھا ہے اور جو اس کے پھندے میں پھنستا ہے وہ بھی اندھا ہو جاتا ہے۔ عالم و فاضل شہزادی اندھی ہو گئی اور جاہل گڈریا بھی۔ اب راتوں کو خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوا ——

چند ہی ملاقاتوں کے اور شہزادی کو معلوم ہو گیا کہ وہ شہزادی نہیں بلکہ ایک گڈریئے کی عاشق زار ہے اور ادھر گڈریئے کو اس امر کا احساس ہو گیا کہ زلیفو کا ٹن شہزادی نہیں بلکہ اُس کی محبوبہ ہے۔ اب دونوں طرف سے شرم و حیا کے پردے اُٹھ گئے۔ زلیفو کا ٹن دو قو تو رسے اور دو قو تو ر، زلیفو کا ٹن سے بلا تکلف ملنے لگا۔ اور جب وہ دونوں وادیٔ نیل کے کسی گھنے باغ میں چاند کے سائے تلے ایک دوسرے سے ملتے تو اس طرح کہ دونوں کی بانہیں ایک دوسرے کی گردن میں حمائل ہوتیں لیکن شہزادی کو اپنے محبوب سے پاک محبت تھی۔ اس لیئے اُس نے ہمیشہ ان ملاقاتوں میں اپنے آپ کو پاکیزہ رکھنے کی کوشش کی۔

(۳)

وہ دونوں دریائے نیل کے کنارے پر کھڑے تھے۔ چاندنی رات تھی اور تمام عالم پر ایک سکوت طاری تھا۔ چاند کی آنکھ کے سوا انہیں اور کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ بالکل تنہا تھے اور ہوا میں لرزتے ہوئے نے کے پودوں کے سوا اُن کی عشقیہ گفتگو کوئی نہیں سُن

رہا تھا۔

شہزادی اور گڈریا دونوں ریت کے ایک ٹیلے پر بیٹھے تھے۔لیکن خلافِ معمول ایک عجیب انداز میں، آج انہیں ایک دوسرے سے ہمیشہ کے لئے جدا ہونا تھا، وہ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ زلیفو کا ٹن رو رہی تھی۔یکایک اُس نے دوفوتور کے شانے پر اپنا نرم و نازک ہاتھ رکھا اور دوفوتور نے اسے اپنی آغوش میں کھینچ لیا۔آج وہ پہلی مرتبہ اپنے محبوب کی آغوش میں گئی تھی——ایک شہزادی ایک گڈریے سے ہم آغوش ہو رہی تھی کیونکہ ان کی داستانِ عشق نہایت المناک انجام کو پہنچنے والی تھی۔

شہزادی چلاّ چلاّ کر کہنے لگی:"آج مجھے جی بھر کے پیار کرلو۔آج میرا منہ جتنی بار چومنا چاہتے ہو چوم لو۔میں ایک شہزادی تھی، میں نے ایک گڈریئے سے عشق کیا۔دیکھو میں نے تمہاری خاطر کس قدر قربانی کی ہے؛کیا تم مجھے بھول جاؤ گے؛ میں تو تمہیں نہیں بھول سکتی!میرا دل تمہارا ہے۔آج تک کسی مرد کی بیباک نگاہ میرے چہرے پر نہیں پڑی۔لیکن آج رات میں نے اپنا جسم تمہاری آغوش میں پھینک دیا ہے۔قدرت میری مرضی کے خلاف مجھے ایک جابر اور عیاش حکمران کے حوالے کر رہی ہے۔میری تمام تمنّائیں اور خوشامدیں بیکار ثابت ہوئی ہیں اور میرے والدین مجھے تباہی کے غار میں دھکیلنا چاہتے ہیں۔قدرت کو منظور نہیں کہ ہم ہمیشہ یکجا رہ سکیں۔لیکن میں بھی قدرت سے اور اپنے چاہنے والے حاکم سے جس کے ساتھ مجھے منسوب کیا جا رہا ہے۔ایک خوفناک انتقام لوں گی،میرے پیارے گڈریئے میں تمہاری ہوں۔میری شادی تم سے ہو چکی ہے۔لیکن قدرت اور دنیا کے قوانین مجھے ایک دوسرے شخص کے حوالے کر رہے ہیں۔جس کی میرے دل میں ذرا بھی محبت نہیں۔مجھے

اس کے پُرشکوہ محلات کی کوئی پروا نہیں اور اس کا تزک و احتشام میری نظروں میں حقیر اور ذلیل ہے۔ مجھے تو تمہارا جھونپڑا اُن تمام محلات سے زیادہ شاندار معلوم ہوتا ہے۔ میں تمہاری اور صرف تمہاری بیوی ہوں۔ کیا میری شاہی عظمت تمہیں مرعوب کر رہی ہے، نہیں نہیں میں تمہاری خادمہ ہوں۔"

وہ دیوانہ وار چِلّا رہی تھی! ——— اُس رات وہ دونوں یک جان اور دو قالب بنے ———

(۴)

زلیخو کا اب موفوتوک حاکم اسکندریہ کے پُرشکوہ محلات میں تھی۔ موفوتوک ایک عیاش حکمران تھا۔ اسکندریہ کی تاریخ بتاتی ہے کہ ایسا رنگین مزاج حاکم پہلے کبھی نہیں ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ میرے حرم کی تمام کنیزیں اور باندیاں ننگی رہیں۔ چنانچہ جس بڑے ہال میں وہ آرام کیا کرتا وہاں ہر وقت پچاس عریاں عورتیں اس کے گرد موجود رہتیں۔ لیکن یہ باندیاں یا کنیزیں کوئی معمولی قسم کی عورتیں نہیں ہوتی تھیں۔ اُن کے جسم نور کے سانچے میں ڈھلے ہوتے تھے۔ ان کی زلفیں رات سے زیادہ کالی ہوتی تھیں اور لمبی اس قدر کہ بعض اوقات اُن کے قدموں کو چھونے لگتی تھیں۔ بعض شرمیلی عورتیں اپنے جسم کے بعض حصوں اور سینے کو اپنی کالی کالی دراز اور گھنی زلفوں میں چھپائے رکھتی تھیں۔ محل کے جن راستوں سے موفوتوک گذرتا۔ ان کے دونوں طرف دیوار کے ساتھ ساتھ سینکڑوں حسین عریاں عورتیں کھڑی کی جاتی تھیں۔

اس زمانہ کی طبع بادشاہ کو گلاب کے عرق کے فواروں کے نیچے حسین و جمیل عورتیں غسل کرایا

کرتی تھیں لیکن شہزادی زلیفو کائن نے آکر اس کی پرائیویٹ زندگی میں ایک انقلاب عظیم برپا کر دیا اور آتے ہی موفوتوک کے "قفس عیش و عشرت" سے سنہری چڑیاں پھر سے اڑا دیں۔

ایک روز موفوتوک فرش سنجاب پر لیٹا تھا۔ چار عریاں عورتوں کو اس نے اپنے پاس بٹھا رکھا تھا اور باقی سنہری پریوں کے جھمگھٹے اس کے ارد گرد تھے کہ ملکہ کی ایک سہیلی نے جا کر ملکہ کو تمام صورت حالات سے آگاہ کر دیا۔ ملکہ جو ان تمام حسین پریوں سے حسین تھی۔ جو ان کے حلقے میں اس طرح معلوم ہوتی تھی جیسے ستاروں کے جھرمٹ میں چودھویں کا چاند ہاتھ میں دُرّہ لے کر محفل "عیش و عشرت" کی طرف روانہ ہوئی۔ اگرچہ اُسے اپنے عیاش شوہر سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ تاہم وہ محل میں اس قسم کی بدعنوانیوں کو برداشت نہ کر سکتی تھی۔ دوسرے ملکہ کی موجودگی میں باندیوں اور کنیزوں سے دادِ عشرت دینا خود ملکہ کی توہین تھی۔ تیسرے ملکہ اپنی محبت کی ناکامی کے باعث بھی چڑچڑے مزاج کی ہو گئی تھی۔ اس لئے وہ اپنے شوہر اور گدڑیے کے رقیب کے رنگ میں بھنگ ڈالنا چاہتی تھی۔ چنانچہ وہ ایک بپھری ہوئی شیرنی اور بوکھلائی ہوئی ناگن کی طرح بزم "عیش و عشرت" میں داخل ہوئی اور اس نے ننگی عورتوں کو اس قدر دُرّے لگائے کہ اُن کے نازک جسموں پر نشان پڑ گئے۔

اگرچہ موفوتوک ایک نہایت جابر اور ظالم بادشاہ تھا تاہم وہ ملکہ کے رعبِ حسن سے مرعوب ہو کر چپکے سے کمرے سے باہر کھسک گیا۔ اگرچہ وہ ہر وقت دادِ عیش و عشرت دیتا رہتا تھا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ ملکہ کا عاشق زار تھا مگر ملکہ اسے اپنے قریب

نہ آنے دیتی تھی۔ ملکہ کے دل میں ایک اور بھی جذبہ کارفرما تھا۔ اسے اپنے دلبر سے دُور لا کر وادیٔ نیل کے خوشنما مناظر سے روپوش کر دیا گیا تھا۔ اب جنگلوں کی یہ خوبصورت ہرنی محل کی چار دیواری میں بند تھی۔ اپنے گدڑی پوش محبوب سے سینکڑوں میل دور ——

عیش و عشرت کی رنگین محفل درہم برہم کرنے کے بعد وہ پائیں باغ میں جا داخل ہوئی اور وہاں حرم سرا کی جو عورتیں نیم عریاں اور چست لباس پہنے تتلیوں کی طرح پھول پھول پر منڈلا کر چہلیں کر رہی تھیں انہیں خوب پیٹا اور باغ سے باہر نکال دیا۔

اس کے بعد وہ موفونوک کے پاس آئی اور کہنے لگی "بادشاہ سلامت! میں زیادہ طویل گفتگو کر کے آپ کی سمع خراشی نہیں کرنا چاہتی۔ صرف اتنا کہنے پر اکتفا کروں گی کہ میری موجودگی میں دوسری عورتوں پر نگاہِ شوق کی نظریں ڈالنا میری توہین کے مترادف ہے۔ اگر یہ بات میرے پُرشکوہ باپ کو معلوم ہو جائے تو وہ قیامت برپا کر دے۔ اگر آپ کو میری ضرورت نہیں تو مجھے واپس بھیج دیجئے"

موفونوک جو اپنی ملکہ کا عاشقِ زار تھا فوراً دو زانو ہو گیا اور کہنے لگا "اے ملکہ یہ تاجدار کبھی سورج دیوتا کے آگے بھی نہیں جھکا! لیکن آج یہ تیرے حسن کی دہلیز پر جھک گیا ہے۔ تو اسے معاف کر دے! اگر میں نے تجھے دل نہ دیا ہوتا اور اگر تیری بجائے کوئی اور ملکہ ہوتی تو میں اس گستاخی پر اُس کا سر قلم کرا دیتا۔ تیرا کہنا میرے سر آنکھوں پہ آئندہ تو مجھے دوسری عورتوں کی آغوش میں نہ دیکھے گی"

اس کے بعد ملکہ ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ اپنے شوہر کے ساتھ کتخدائی کی زندگی گذارنے لگی۔ لیکن گڈریئے کی یاد اُس کے دل سے محو نہ ہوتی تھی۔ اُس کے برعکس

نغمے سینکڑوں میل کا فاصلہ طے کرتے ہوئے اُس کے کانوں میں آپہنچتے تھے۔ وہ ایک نیک دل اور عالم و فاضل عورت تھی۔ اس نے پوری پوری کوشش کی کہ بربط نواز گڈرئیے کو بھول جائے لیکن اسے یہ بات ناممکن معلوم ہوتی تھی۔

دوسرے اب موفوتوک کے اطوار بھی بدل گئے۔ ان کی شادی کو ایک سال نہیں گذرا تھا کہ اس نے پھر محل کی عورتوں سے داد عشرت لینی شروع کر دی۔ اس نے اب ملکہ کو بھی مرعوب کر لیا تھا۔ اسے راہ راست پہ لانے کی ملکہ نے بہتیری کوششیں کیں۔ لیکن وہ ناکام ہوئی۔ اس کے کمرے میں پھر عورتوں کے جمگھٹے لگنے لگے اور شراب کے خم کے خم لنڈھائے جانے لگے۔

(۵)

موسم بہار کی ایک حسین صبح تھی۔ آسمان پہ بادل چھا رہے تھے اور ہوا کے ہلکے ہلکے خوشبودار جھونکے مشام جاں معطر کر رہے تھے۔ موفوتوک آج کسی دور دراز سفر سے واپس آیا تھا۔ ملکہ اور بادشاہ کی ایک مدت کے بعد صلح ہوئی تھی۔ وہ دونوں اس وقت شبستاں میں تھے۔ بادشاہ شراب کے چند جام پی چکا تھا۔ اس کے بازو ملکہ کی گردن میں حمائل تھے۔ بادشاہ ملکہ سے اصرار کر رہا تھا کہ اس حسین موسم میں شراب کا ایک جام وہ بھی پئے۔

یکایک بادشاہ ملکہ پہ جھک گیا۔ اس نے ملکہ کے سرخ ہونٹوں پہ اپنے ہونٹ رکھے ہی تھے کہ باہر سے بربط کے نغموں کی دلکش صدائیں آنے لگیں۔ ملکہ تڑپ کر اس کی گرفت سے آزاد ہو گئی۔ اور بادشاہ حیران رہ گیا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔

وہ بستر سے اُٹھ بیٹھی اور چلا کر کہنے لگی "میں اس بربط نواز سے گیت سنوں گی دیکھو موسم کیسا اچھا ہے"

"لیکن یہ شخص یہاں کیسے گھس آیا" کہہ کر بادشاہ اٹھ کھڑا ہوا۔ باہر جا کر معلوم ہوا کہ وہ ملکہ کے لئے ایک تحفہ لایا ہے۔ اس لئے اسے اندر آنے کی اجازت دے دی گئی۔

موفوتوک ایک انگوٹھی لے کر اندر داخل ہوا اور ملکہ سے کہنے لگا کہ "ایک بربط بجانے والا تمہارے لئے یہ انگوٹھی بطور تحفہ لایا ہے"

ملکہ انگوٹھی دیکھ کر پہچان گئی کہ یہ انگوٹھی وہی ہے جو اس نے بوقت الوداع اپنے محبوب کو دی تھی۔

اب بربط بجانے والے کو ملکہ کے حضور میں باریابی کا شرف حاصل ہوا اور وہ ملکہ کے سامنے دو زانو ہو گیا۔ ملکہ گھبرا کر اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اسے فرش زمین سے اٹھا لیا۔ بادشاہ حیران تھا کہ یہ ماجرا کیا ہے۔

اب بربط بجانے والے نے محبت کے پُر الم گیت سنانے شروع کئے۔ یہاں تک کہ ملکہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

شام ہو گئی تھی۔ لیکن گڈریا ابھی تک محل سے نہیں گیا تھا۔ ملکہ بہت عرصہ اس سے گیت سنتی رہی۔ اس کے بعد بربط والے نے اور ملکہ نے ایک دوسرے سے اپنی ملکی زبان میں باتیں شروع کیں جسے محل میں کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔

اُسی رات بادشاہ کو ایک مہم پر جانا تھا وہ چلا گیا۔ اور اب ملکہ اور اُس کا گدڑی پوش گڈریا تنہا رہ گئے۔ اور جب چاند انتہائی بلندی پر چمک رہا تھا۔ ہر طرف ایک سناٹا

بچھایا تھا پہرے دار اُونگھ رہے تھے۔ اسکندریہ کی پُرعظمت ملکہ جس کے آگے بڑے بڑے سردار اور خود شاہ اسکندریہ احترام سے گردن جھکاتا تھا اپنے گڈریے کے ساتھ فرار ہو گئی۔

بادشاہ جب واپس آیا تو محل میں ایک کہرام برپا تھا۔ لوگ حیران تھے کہ ملکہ کہاں گئی۔ جابر بادشاہ نے فرطِ غیظ و غضب سے تمام پہرے داروں کے سر قلم کرا دیئے اور محل کی کنیزوں کے ننگے جسموں کو سرخ لوہے سے داغ دیا۔ اس نے اپنی تمام سلطنت میں کھوجی دوڑا دیئے اور بڑے بڑے شہسوار ملکہ کی تلاش میں روانہ کیے لیکن ملکہ کا نام و نشان تک نہ ملتا تھا۔

(۶)

ملکہ نے اپنا قیمتی لباس اتار کر پھینک دیا اور نہایت سادہ پوشاک پہنے ہوئے اپنے محبوب کے ساتھ جنگلوں میں غائب ہو گئی۔ جنگل کی خوبصورت غزال محل کے قفس سے فرار ہو گئی۔ وہ عورت تھی۔ عورت جب ایک مرتبہ کسی کو دل دے چکتی ہے تو دوسرے کے کام کی نہیں رہتی۔

وہ دونوں گنجان آبادیوں کو چھوڑ کر ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں رہنے لگے۔ ملکہ نے اپنے زیورات اور زر و جواہر بیچ ڈالے جس سے گڈریے نے مویشیوں کا ایک بہت بڑا گلہ خرید لیا۔ ملکہ اور گڈریا دونوں دن بھر مویشی چراتے اور رات کو سادہ غذا کھا کر گھاس کے بستر پر سو رہتے۔ ملکہ کو یہ زندگی محلات کی پُرشکوہ زندگی سے ہزار گنا بہتر معلوم ہوتی تھی۔

ملکہ نے اپنے جاہل محبوب کو اب تعلیم دینی شروع کی اور وہ چند سال کے عرصے میں اپنی "استانی" پر بھی سبقت لے گیا۔ دس سال کے عرصہ میں ان کے چار خوبصورت بچے پیدا ہوئے جو اپنے والدین کی طرح لائق فائق نکلے لیکن عاشق اور محبوب نے اتنی گمنام اور تنہا زندگی بسر کی کہ کوئی شاہی کھوجی انہیں تلاش نہ کر سکا اور پھر اگر کوئی ان کے جھونپڑے میں آ بھی جاتا تو ملکہ کا سادہ لباس دیکھ کر کس کو اس پر ملکہ ہونے کا شک ہو سکتا تھا۔

ملکہ اور اس کا گڈریا روز جنگل کی سیر کرتے شکار کھیلتے اور چشموں کا ٹھنڈا پانی پیتے۔ "بے تاج بادشاہ" چاندنی راتوں میں اپنی ملکہ کو محبت بھرے گیت سناتا اور اب وہ سنجاب و سمور کے بستر کی بجائے گھاس پھوس کے فرش پر اپنے محبوب کی باہوں میں باہیں ڈال کر سوتی۔

ملکہ کے چاروں بیٹے بہت عالم و فاضل بن گئے۔ ان میں سے ایک مصر کا مشہور شاعر بنا اور دوسرا فلسفی تھا۔ باقی دو اس وقت کی سب سے بڑی تعلیمی درس گاہ کے اساتذہ مقرر ہو گئے۔

شائد مصر کی ملکہ اور گڈریئے کی داستانِ عشق دنیا کی نظروں سے پوشیدہ رہتی اگر ملکہ بسترِ مرگ پر اپنے بیٹوں کو بتا نہ دیتی کہ ان کی ماں دراصل مصر کے فلاں بادشاہ کی بیٹی اور فلاں حاکم کی بیوی ہے۔

مرنے سے پیشتر وہ یہ راز آشکار نہیں کرنا چاہتی تھی!

یہ ہے ملکہ زلیفو کا ان کی داستانِ عشق!

یونانی شہزادی سارہ کا عشق

ایثار و محبّت کی ایک دلگداز داستان

یونان کی شہزادی سارہ دوڑ کر باغ کی ایک خاردار جھاڑی کی اوٹ میں ہو گئی اور شوخ ہنسی ہنس کر اپنے عاشق پالاس سے کہنے لگی "یوں تو میں کبھی تمہارے ہاتھ نہ آؤنگی!"

پالاس کہنے لگا "لو میں ہار گیا" اور وہ مسکراتی ہوئی اس کے پاس آ گئی۔ اس کے بعد دونوں باغ سے نکل کر شام کے دھندلکے میں دریا کی طرف نکل گئے۔

سارہ ہیفرس شاہ یونان کی بیٹی تھی۔ اُس کی عمر اُس وقت کوئی چھ بیس برس کے قریب تھی۔ یونان ہی پر کیا موقوف ہے۔ دُور دُور تک اُس کے حسن کا شہرہ تھا۔ اب تک کئی شہزادے اُس کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہو چکے تھے۔ لیکن اس نے ان میں سے ہر ایک کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا تھا۔ شادی کے نام سے اسے نفرت تھی البتہ بیباکانہ عشق بازی سے اُسے عشق تھا۔

سیفرس ایک بھولا بھالا بادشاہ تھا۔ ملکہ مر چکی تھی اور سارہ بالکل آزاد تھی۔ باپ اس کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا ہوا تھا اور اس کی کسی بات میں دخل دینے کی اسے جرأت نہ تھی۔

کون نہیں جانتا تھا۔ کہ یونان کی اس خون آشام حسینہ نے کتنے ہی نوجوان شہزادوں کو موت کی نیند سلادیا ہے۔ لیکن پھر بھی اس کی شمع حسن کے پروانوں میں کمی نہ ہوتی تھی۔ اب تک کئی شہزادوں کو یہ حسین ناگن ڈس چکی تھی اور اس کے ڈسے ہوئے کا کوئی علاج نہ تھا۔ بیشمار بہادر سردار اس کے زہریلے جسم سے مس ہو کر ابدی نیند سو چکے تھے۔

شہزادی کے متعلق ایک عجیب وغریب روایت مشہور تھی۔ اس کی ماں نے اسے اس کی غذا میں ہلکا ہلکا زہر دے کر پالا تھا۔ رفتہ رفتہ کوئی مضر اثر کئے بغیر یہ زہر اس کے جسم کے ذرّے ذرّے میں سرائت کر چکا تھا اور اس کا جسم خوفناک سے خوفناک زہر سے بھی زیادہ زہریلا ہو گیا تھا۔ اس کی ماں نے ایسا کیوں کیا تھا؟ یہ بھی ایک دلچسپ اور طویل داستان ہے جسے مختصراً یوں بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی ماں جب شہزادی تھی تو اسے ایک نوجوان تاجر سے محبت ہو گئی۔ عرصے تک یہ نوجوان اپنی محبوبہ کی محبت کا دم بھرتا رہا۔ ملکہ نے اس سے اس قدر محبت کی کہ ایک رات اپنے محل کے باغ میں جذبات محبت سے مغلوب ہو کر اپنی عصمت کا لعل بے بہا بھی اس معمولی سے تاجر کے حوالے کر دیا۔ کچھ عرصہ تو نوجوان اس کی محبت کا دم بھرتا رہا۔ لیکن ایک دن یہ دیکھ کر اس حسینہ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے کہ اس کا محبوب باغ کے ایک گھنے جھنڈ میں ایک کنیز کا منہ چوم رہا ہے۔ حسینہ کے دل میں جذبات رقابت کی خوفناک آگ بھڑک اٹھی اور اس نے اس کنیز کو برطرف کر دیا۔

کچھ دن تو یہ حسینہ نازک اندام اپنے محبوب سے ناراض رہی۔ لیکن اس کے بعد ایک رات وہ چھپ کر اس سے ملنے اس کے گھر چلی گئی۔ لیکن وہاں اپنے محبوب کے شبستان میں اُس نے ایک نہایت ہی حیا سوز نظارہ دیکھا اور وہ یہ کہ اس کا محبوب برطرف شدہ کنیز کے جسم

سے اس طرح لپٹا ہوا تھا جس طرح سانپ صندل کے درخت کے ساتھ۔ اُس دن سے مردوں کے خلاف اس کے دل میں جذبۂ انتقام کے شعلے بھڑک اٹھے اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ہر مرد کو فریبِ محبّت دیا کرے گی۔

کچھ عرصہ کے بعد اس حسینہ کی شادی شاہ سیفرَس سے ہو گئی اور اس طرح وہ شہزادی سے ملکہ بن گئی۔ ملکہ بننے کے بعد اس کی شبانہ عشرتوں میں کوئی فرق نہ آیا۔ سیفرَس جیسے بھولے بھالے اور معصوم شوہر سے بھی اس نے دغا کی اور عمر بھر مردوں کو فریبِ محبت دے کر وہ اپنی آتشِ انتقام کو فرو کرتی رہی۔ مردوں کو فریبِ محبت دینے کی خواہش ایک جنون کی طرح اس کے دل و دماغ پر مسلط ہو گئی اور کئی نوجوانوں کو اس نے اپنے آغوشِ محبت میں جگہ دینے کے بعد پائے استحقار سے ٹھکرا دیا۔

جب اس کے بطن سے سارہ پیدا ہوئی تو اس نے مردوں کو تباہ کرنے کا ایک عجیب ڈھنگ سوچ لیا —— اُس زمانے میں یونان کے بادشاہ اپنے دشمنوں سے انتقام لینے کے لئے زہر آلود خوبصورت لڑکیاں پالا کرتے تھے۔ خوبصورت لڑکیوں کو بچپن ہی سے ہلکا ہلکا زہر دے کر پالا جاتا۔ زہر کی یہ مقدار اس قدر خفیف ہوتی تھی۔ کہ ان لڑکیوں پر اس کا کوئی اثر نہ ہوتا۔ مسلسل آٹھ سال تک ان لڑکیوں کو خوراک میں زہر کھلایا جاتا یہاں تک کہ ان لڑکیوں کے جسم کا خون اور خود جسم اس قدر زہر ملا ہو جاتا کہ کسی زود اثر زہر کی بھی ان کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہ تھی

یہ لڑکیاں عموماً بے حد حسین ہوتی تھیں اور ان کے جسم کو خوبصورت بنانے میں بڑی چوٹی کا زور لگا دیا جاتا۔ ان کے کالے کالے بال، ان کی پنڈلیوں کو چھوتے۔ ان کے سینے کے

دلکش ابھار خوبصورت سے خوبصورت منظر سے زیادہ جاذب توجہ ہوتے۔ ان کے ہونٹ انار کی سرخ کلیوں کی طرح سرخ رسیلے اور خوبصورت ہوتے۔ ان کے سرخ و سپید گال یوں معلوم ہوتے جیسے گلاب اور کنول کو سمو کر بنائے گئے ہیں اور آنکھیں اس قدر نشیلی اور مست ہوتیں کہ آدمی انہیں دیکھ کر مسحور ہو جاتا۔

جب بادشاہ کو کسی ایسے شخص سے دشمنی ہو جاتی جسے وہ قتل نہ کر سکتا یا جسے قتل کرنے سے ملک میں فساد کا اندیشہ ہوتا تو وہ اس شخص کو ان "زہریلی پریوں" میں سے کسی ایک کے دام محبت میں اسیر کرنے کی کوشش کرتا۔ کوئی نہ کوئی زہریلی پری ضرور اسے اپنے دام میں پھنسا لیتی چونکہ ان زہریلی پریوں کے نزدیک کوئی مرد نہ آتا تھا۔ اس لئے ان کے جذبات محبت ہر وقت بھڑکے رہتے۔ جب انہیں کوئی نوجوان شکار مل جاتا تو وہ بیتاب ہو جاتیں۔ پہلے تو اپنی اداؤں سے اسے اپنے دام محبت میں پھنساتیں۔ پھر دیوانے کی طرح اس کے لئے بیتاب ہو جاتیں اور اپنے جسم کی تمام نرمیاں اور لبوں کی تمام سرخیاں اس کے ہونٹوں کے لئے وقف کر دیتیں۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ بھولا بھالا شکار بہت بری طرح سے ان کی زلف گرہ گیر کا اسیر ہو جاتا۔ اس کے بعد وہ کسی نہ کسی طرح اسے اپنے شبستاں میں لے جاتیں۔ ان کا شبستان کسی حیثیت میں شاہی شبستاں سے کم نہ ہوتا۔ عاشق زار محبت کی صرف پہلی اور آخری رات ان کے ساتھ بسر کرتا۔ وصل کی شب یہ ناگنیں اسے ڈس لیتیں۔ صبح وہ ان کے بچھونوں سے لدے ہوئے بستر پر مردہ پایا جاتا۔

سارہ کی ماں نے مردوں سے انتقام لینے کی خاطر اسے ایک زہریلی پری بنا دیا۔ رنگین مزاج تو وہ تھی ہی اور داد عیش و عشرت دیئے بغیر رہ نہ سکتی تھی۔ اس لئے اب تک سینکڑوں

نوجوان شہزادے اور نہ جانے کتنے بہادر سردار اس کی مینائے محبت سے شراب وصل کا ایک گھونٹ پینے کے بعد روح اور جسم کی قید سے آزاد ہو چکے تھے۔

سارہ کا محبوب پالاس ایک معمولی سپاہی تھا۔ اُسے شہزادی سے والہانہ عشق تھا۔ ایک سپاہی ایک شہزادی سے عشق کرے، کتنی عجیب بات معلوم ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت بہرحال حقیقت ہے۔ واقعی پالاس سارہ پر مرتا تھا اور شہزادی کو بھی باوجود اپنی تمام ہوس کاریوں کے اس سے محبت تھی۔

پالاس کا باپ سیفرس شاہ یونان کا داروغۂ شکار تھا اور سیفرس اس پر بہت مہربان تھا یہی وجہ تھی کہ پالاس کو اکثر محل میں آنے جانے کا موقع مل جاتا تھا۔ ان دنوں شہزادی سارہ کی عمر گیارہ برس تھی۔ پالاس اور سارہ کھیل کے ساتھی بن گئے تھے۔ وہ گھنٹوں شاہی باغ میں کھیلتے رہتے۔

جب دونوں سنِ شعور کو پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ انہیں ایک دوسرے سے محبت ہو چکی ہے اور محبت بھی ایسی جسے دنیا کی کوئی طاقت لوحِ دل سے مٹا نہیں سکتی۔ لیکن ان کی محبت جو آغوشِ معصومیت میں پلی تھی، پھل پھول نہ سکی۔ سارہ کی سیاہ کار ماں اپنی اس زرخیز اور خوبصورت لڑکی کو مردوں سے انتقام لینے کے لئے وقف کر چکی تھی۔ سب سے پہلے اس نے اٹلی کے ایک نوجوان شہزادے زار آریس کو کئی دن مہمان رکھا اور اُسے سارہ سے دلچسپی پیدا کرا دی۔ اس دلچسپی نے پہلے محبت اور پھر عشق کی صورت اختیار کر لی۔

سارہ کی ماں اپنی پہلی کامیابی پر بہت مسرور ہوئی۔ ایک رات اس نے شبستان کو دلہن کی طرح سجا دیا۔ پہلے شہزادے کو شبستان میں بھیجا اور پھر سارہ سے اشارہ کیا کہ وہ

بھی اندر چلی جائے۔

نوخیز دوشیزہ کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ اس کی ماں نصف شب کے قریب اُسے ایک ایسے کمرے میں کیوں دھکیل رہی ہے۔ جہاں ایک نوجوان شہزادے کو شب بسر کرنی ہے۔ سارہ کی ماں ایک سخت مزاج عورت تھی اور سارہ اس سے بہت ڈرتی تھی۔ ملکہ نے جھڑک کر زبردستی اُسے اندر دھکیل دیا اور باہر سے کنڈی چڑھا دی۔

ایک خوبصورت نوجوان اور ایک حسینہ رات کو کمرے میں تنہا تھے۔ پہلے تو جذبات محبت سے مغلوب شہزادہ اس سے محبت کی باتیں کرتا رہا۔ اس کے بعد اس کے ہاتھوں میں بیباکی اور شوخی آتی گئی۔ معصوم سارہ نے اُسے ٹالنا چاہا اور کہدیا کہ "مجھے اپنے بچپن کے ایک ساتھی سے محبت ہے، میرے دل میں تم کبھی جگہ نہ پا سکو گے"۔ لیکن شہزادے نے اس کی ایک نہ سنی اور اپنا بازو نوجوان پری کی کمر میں حمائل کر دیا —— اُس پری کی کمر میں جس کے خوبصورت جسم کو اور جس کے مقدس ہونٹوں کو پالاس کے ہونٹوں نے کبھی چھوا تک نہ تھا۔

سارہ نے زور سے اس کا بازو پرے جھٹک دیا اور اپنا جسم چرانا چاہا۔ اس وقت اس کے سامنے اپنے محبوب پالاس کا چہرہ آگیا۔ وہ کانپ اٹھی۔ اس کا دل دھڑکنے لگا اور وہ سوچنے لگی کہ پالاس کی محبت کے عوض لعل عصمت کا جو بیش بہا تحفہ اسے پالاس کی نذر کرنا تھا، اسے کہیں ایک ہوس پرست اجنبی نہ چھین لے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ بڑی منت کے ساتھ شہزادہ زاداریس سے کہنے لگی کہ "دیکھو اسی وقت میں محل کی حسین ترین کنیزیں جو مجھ سے بھی زیادہ حسین ہیں اور جنہیں آج تک کسی مرد

کی نگاہ نے چھوا تک نہیں تمہاری خدمت میں پیش کر دیتی ہوں۔ لیکن تم مجھے نہ چھوڑ۔" لیکن شہزادے پر ایسی باتوں کا کب اثر ہوتا تھا وہ چاہتا تھا کہ ایک شہزادی کے لعلگوں ہونٹوں پر محبت کی بے شمار مہریں ثبت کرے۔ وہ چاہتا تھا کہ ایک شہزادی کی مرمریں گردن میں اس کے بازو ہوں۔ وہ چاہتا تھا۔ کہ ایک شہزادی کی لمبی لمبی حسین زلفیں مخملی شب باشی اس کے بازوؤں اور سینے پر بکھری ہوئی ہوں وہ کسی کنیز کو کیوں خاطر میں لاتا اسکے علاوہ اسے یہ بھی خیال تھا کہ کہیں ہاتھ میں آئی ہوئی سنہری چڑیا اسے جل دیکر پھر سے نہ اڑ جائے۔ چنانچہ اس نے دوبارہ اپنا طاقتور اور خوبصورت بازو سارہ کی ڈالی سی لچکیلی کمر کے گرد حمائل کیا اور اس کے جسم کو اپنے قریب تر لے آیا۔ ایک بجلی سی اس مقدس دوشیزہ کی رگ رگ میں دوڑ گئی۔ اس کی آنکھوں میں بھرپا لاس کا تصور دوڑ گیا اور وہ کانپ گئی۔ اس نے دوبارہ اپنے آپ کو شہزادے سے چھڑانا چاہا۔ مگر دو تڑپتے ہوئے ہونٹ شہزادی کے مقدس اور شرمیلے ہونٹوں سے اس طرح آ ملے جس طرح مقناطیس کی طرف لوہا کھنچ آتا ہے اور باوفا شہزادی کو یوں محسوس ہوا۔ جیسے کسی نے اس کے ہونٹوں کو دہکتے ہوئے سرخ لوہے سے داغ دیا ہے۔ اس کی کشمکش بیکار ہو گئی۔

صبح جب وہ بیدار ہوئی تو اس کی حالت اس پودے کی سی تھی جس کے پھول اور پتیاں بے رحم آندھی نے نوچ لی ہوں۔ اس کی پاکیزگی کھو چکی تھی اور خزانۂ عصمت جو اس نے اپنے غریب محبوب کے لئے چھپا رکھا تھا، ایک ہوس کار شہزادے کے ہاتھوں لٹ چکا تھا۔ اس نے اپنے خوبصورت اور نیم عریاں جسم پر ایک گھبرائی ہوئی دکھ بھری نگاہ ڈالی اور لڑکھڑاتے ہوئے قدموں کے ساتھ آئینہ کے سامنے اپنے بال درست کرنے آئی۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں دو خوبصورت آنسو جھلک رہے تھے۔

آئینے کے سامنے اُس نے اپنے منتشر بال درست کئے۔ یکایک شہزادے کے عکس پر اُس کی نظر پڑی۔ اُف کس قدر خوفناک عکس تھا۔ وہ گھبرا گئی۔ یکایک اس نے پلٹ کر دیکھا، پھولوں کی سیج پر شہزادہ بے حس و حرکت پڑا تھا اور اس کا چہرہ نیلا سا ہو رہا تھا۔ اُسے حیرت ہوئی کہ اُسے کیا ہو گیا ہے۔ آہستہ سے اس نے شہزادے کی کلائی پر اپنا ہاتھ رکھ کر اس کی نبض محسوس کی نبض غائب تھی ——— شہزادے کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔

سارہ کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی اور وہ دوڑ کر باہر نکل آئی۔ ماں تمام صورتِ حالات کو پہلے سے پہچان گئی تھی۔ اس سے کہنے لگی: "بیٹی خاموش رہ! باغ کے سیمیں فوارے کے نیچے غسل کر اور لباس تبدیل کر کے میرے پاس آ۔ ساری بات تجھے سمجھا دوں گی۔ تشویش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، جو کچھ ہوا اچھا ہوا، تو نے اپنی ماں کا بدلہ لیا۔ یہ مرد! یہ ملعون جنس! خدا ان سے بچائے۔ میری بچی تو بھولی بھالی ہے۔ دنیا کے نشیب و فراز سے تو واقف نہیں۔ میں دنیا کی اصل تصویر تجھے دکھا دوں گی۔ ابھی تیرا دل بہت معصوم ہے۔ لیکن اس دنیا میں معصومیت کی اتنی ضرورت نہیں جتنی ریاکاری اور بدی کی جو شخص ریاکار، فریبی اور مطلبی ہے اس دنیا میں وہی خوش رہ سکتا ہے۔"

سارہ کی سمجھ میں ماں کی باتیں نہ آئیں۔ بہر حال وہ چپکے سے چلی گئی اور ضروریات سے فارغ ہو کر اور لباس تبدیل کر کے اپنی خونخوار ماں کے پاس خاموش کھڑی ہو گئی۔

ماں نے اپنے چند مخصوص ملازموں کو اشارہ کیا جنہوں نے چپکے سے شہزادے کی لاش کہیں ٹھکانے لگا دی۔ اس کے بعد سارہ کی ماں اُسے محل کے باغ میں لے گئی اور اُسے

بتایا کہ اس نے اسے زہر دے دے کر پالا ہے اور جو مرد بھی اس کا قرب حاصل کرے گا موت کی نیند سو جائے گا۔

اس کے بعد ہوس کار ملکہ نے اپنی اس معصوم لڑکی کو بتایا کہ اس نے ایسا کیوں کیا ہے اور اس سے کہا کہ "بیٹی تیرا کام مردوں سے محبت کرنا، انہیں فریب دینا اور انہیں وصل کی شب کا تحفہ دے کر موت کی نیند سلانا ہوگا"

ایسی خوفناک باتیں سن کر معصوم سارہ کا کلیجہ دہل گیا۔ وہ بے اختیار اپنی ماں کی آغوش میں گر گئی اور یہ کہہ کر "امی تم نے مجھے تباہ کر دیا ہے اور میری تمام زندگی کو گناہ آلود بنا دیا ہے!" زار زار رونے لگی۔

ماں اپنی بیٹی کی اس "بے وقوفی" پر ایک خوفناک قہقہہ لگا کر ہنسی اور کہنے لگی "تو نے ابھی دنیا کے اونچ نیچ نہیں دیکھے! تو بڑی بے وقوف ہے! لیکن مجھے اُمید ہے کہ جلد ہی تیرا دماغ درست ہو جائے گا!"

یکایک ملکہ نے محسوس کیا کہ سارہ بے ہوش ہو گئی ہے۔ اس نے ایک کنیز کو آواز دی اور اس کی مدد سے اسے اُٹھا کر محل میں لے گئی۔ جہاں پہنچ کر بڑی مشکل سے اسے ہوش آیا۔

(۲)

اس واقعہ کو اب دو سال کا عرصہ گذر چکا تھا۔ انسان کی فطرت ہے کہ جب اُسے گناہ آلود ماحول مہیا کیا جائے۔ تو رفتہ رفتہ وہ اس سے نامعلوم طور پر مانوس ہونے لگتا ہے اور آخر کار گناہ کی دلدل میں پھنس جاتا ہے۔ یہی کیفیت سارہ کی ہوئی۔ اس نے اپنے آپ کو گناہ سے بچانے کی بے حد کوشش کی۔ لیکن ہوس کار ملکہ نے جو معمر ہو جانے کے

باوجود اس وقت خود بھی دادِ عیش و عشرت دے رہی تھی اُسے تباہی کے گڑھے میں دھکیلا وہ اپنی آتش انتقام سرد کرنے کی قسم کھا چکی تھی، محل کی رنگین فضا اور ملکہ کی اوباشی کے افسانے سن کر نوجوانوں شہزادوں، چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کے حکمرانوں اور بڑے بڑے نوجوان سرداروں کا ہر وقت محل میں ہجوم رہتا، شراب نوشی کی محفلیں بپا ہوتیں عریاں کنیزوں کے رقص ہوتے اور طرح طرح سے رنگ رلیاں منائی جاتیں۔ سارہ بھی اب ایک بیباک، شوخ، چنچل اور رنگین مزاج عورت تھی۔ اب اسے بھی گناہ میں لذت محسوس ہوتی۔ کئی نوجوان شہزادے دل وجان سے اس پر فریفتہ تھے۔ وہ بھی ہر ایک سے عشق کرتی۔ لیکن اس طرح کہ اگر وہ ایک سے محبت کرے تو دوسرے کو اس کا علم نہ ہو۔ وہ یہی سمجھے کہ شہزادی مجھی پر مرتی ہے۔ اس کی ماں نے اسے تباہ کر دیا تھا۔ کسی نوجوان شہزادے کی مستقل رفاقت اسے میسر نہ ہوتی تھی۔ جس شہزادے کو بھی وہ اپنا ساتھی منتخب کرتی۔ چند دن کے بعد وہ ابدی نیند سو جاتا۔ وہ نوجوانوں کے اس حسرت ناک انجام پر افسوس بھی کرتی۔ اس کا ضمیر اسے ملامت بھی کرتا۔ لیکن نیکی کا دامن تو اب وہ مستقل طور پر تھام ہی نہیں سکتی تھی۔ اُسے اپنے شباب سے لطف اندوز ہونے کی خاطر مجبوراً محبت کرنی پڑتی لیکن اس محبت کا انجام اس کے محبوب کے لئے بہت خطرناک بلکہ مہلک ثابت ہوتا۔ یہ تو وہ کر ہی نہیں سکتی تھی کہ اپنے شباب کی اُمنگوں کو روکے۔ اس قدر گناہ آلود فضا میں ایک عورت کا اپنے جذبات پر قابو پا رکھنا بڑی مشکل بات تھی۔ چنانچہ اب وہ اپنی ماں کے نقشِ قدم پر چل رہی تھی۔ —— جس کا اب انتقال ہو گیا تھا۔

اُس کے دل پر محبت کی بجائے اب ہوس کی حکمرانی تھی۔ لیکن اس کے گنہگار اور

تاریک دل میں محبت کی ایک ہلکی سی چنگاری اب بھی روشن تھی اور وہ چنگاری تھی پالاس کی محبت کی۔ اس قدر ہوس کاری کرنے کے بعد بھی اولیں محبت کا نقش اس کے دل سے محو نہ ہوا تھا۔ پالاس کو اس سے عشق تھا اور اس کے دل میں بھی پالاس کے لئے محبت اور ہمدردی تھی۔ عورت اپنی اولیں محبت کا نقش اپنے دل سے نہیں مٹنے دیتی۔ چنانچہ اب تک اس نے اگر کسی سے خلوص کے ساتھ محبت کی تھی تو وہ پالاس ہی تھا۔ وہ پالاس سے ملتی، اس سے محبت کی باتیں کرتی، دولت سے اس کی مدد کرتی لیکن اس کے لبوں کو اپنے لبوں سے مس نہ ہونے دیتی تھی۔ وہ اس سے کہا کرتی "پالاس مجھ سے جسمانی محبت نہ کرو روحانی محبت کرو"۔ پالاس اس کے منہ سے ایسے تلخ فقرے سن کر اس سے بدگمان سا ہو جاتا۔ لیکن وہ اُسے اصل حقیقت سے کس طرح باخبر کر سکتی تھی۔ وہ پالاس کو بتانا نہیں چاہتی تھی کہ وہ ایک گناہ آلود زہریلی پری ہے اور جو نوجوان اس کے شربتِ وصل کا ایک گھونٹ پیتا ہے وہ ابدی نیند سو جاتا ہے۔

سارہ کو معلوم تھا کہ پالاس کس قدر حساس ہے۔ وہ جانتی تھی کہ اگر اس قسم کی کوئی حقیقت پالاس پر آشکارہ ہو گئی۔ تو وہ خودکشی کر لے گا۔ پالاس اس کا محبوب ہی نہیں، بلکہ اس کا محسن بھی تھا۔ کیونکہ ایک مرتبہ ندی میں نہاتے ہوئے جب اس کا پاؤں پھسل گیا تھا اور وہ پانی میں غوطے کھا رہی تھی تو پالاس ہی نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر اسے بچایا تھا۔

اگرچہ وہ ہوس کاری اور گنہگاری میں مبتلا ہو گئی تھی اور اسے اس میں لطف بھی آتا تھا۔ لیکن اس کے دل میں پالاس کے لئے جو محبت اور خلوص تھا۔ اس میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ وہ اب بھی کبھی کبھی اس سے ملتی۔ لیکن جب وہ پالاس سے کہتی کہ مجھ سے روحانی محبت

کرو تو وہ چڑ جاتا۔ وہ یہ سمجھتا کہ اس نے اپنا جسم اور حسن کسی اور کے لئے وقف کر رکھا ہے چنانچہ وہ اس سے بگڑ جاتا اور سارہ کو اسے منانے کیلئے بہت دیر تک اس کی منتیں کرنی پڑتیں۔

اب تک آپس کی انتہائی محبت کے باوجود پالاس کے لبوں نے سارہ کے ہونٹوں کو نہیں چھوا تھا اور نہ سارہ نے اسے ایسا کرنے کا موقع دیا تھا۔ شادی کے عہد و پیمان تو بچپن ہی میں ہو چکے تھے مگر اب سارہ اس سے انکاری تھی۔ اس کے اس انکار سے پالاس کے شکوک اور بھی بڑھ گئے تھے۔ وہ سمجھتا تھا کہ اس نے کسی اور کو دل دے دیا ہے اور سارہ اب کسی اور سے شادی کر لینا چاہتی ہے۔ اسے کیا خبر تھی کہ سارہ اب تک کئی شہزادوں سے شادی کر چکی ہے۔

بہرحال آج اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ سارہ کو پیار کرے گا۔ دونوں اس وقت باغ میں تھے۔ سارہ اس کی نظریں پہچان گئی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ آج کچھ ہونے والا ہے۔ کیونکہ پالاس کی حرکات میں ایک شوخی اور بیباکی اور اس کی آنکھوں میں محبت اور ہوس کی چمک دکھائی دے رہی تھی۔

پالاس نے اسے آگے بڑھ کر چومنا چاہا۔ شہزادی دوڑ کر جھاڑی کی اوٹ میں ہو گئی ——— اسے معلوم تھا کہ ایک لمحہ کے لئے پالاس کو اپنے جسم سے مس ہونے کی اجازت دینے کا کیا مطلب ہے۔ وہ جانتی تھی کہ پالاس پہلے اسے پیار کرے گا، پھر اس سے ہم آغوش ہو جائے گا۔ اس کے بعد نتیجہ کا تصور کر کے اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے ——— انتہائی ہوس کار ہونے کے باوجود اس کے دل میں پالاس کے لئے محبت موجود تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اب تک اس نے اپنے محبوب کو اپنے جسم

سے ہمیشہ دور رکھا تھا۔

آج جب پالاس کے اظہارِ محبت کے جواب میں بھی سارہ گریز کرتی رہی تو پالاس سخت مغلوب الغضب ہو گیا۔ اُس نے چلا کر سارہ سے کہا کہ "اگر آج کی شام بھی میرے ہونٹ تیرے ہونٹوں سے نہ ملے تو میں اس خنجر سے اپنا کام تمام کر لوں گا"۔

سارہ اپنے محبوب کی موت کا تصوّر کر کے کانپ گئی اور اب کی جو پالاس اس کے پاس آیا، وہ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کھڑی رہی اور پھر رونے لگی۔ اس کے باوجود پالاس کے ہونٹ اس کے ہونٹوں سے مس کر گئے ——————

اس کے بعد گھنٹوں محبت کی باتیں ہوتی رہیں۔ اس عرصے میں ایک دوسرے کے لب پر انہوں نے ہزاروں ہی مہریں ثبت کر ڈالیں —————— سارہ نے ضبط سے کام لیا لیکن پالاس دیوانہ ہو چکا تھا۔ سارہ اسے منع کرتی رہی —— وہ اس سے صاف صاف کوئی بات نہ کہہ سکتی تھی! —— لیکن اس پر اس کی باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔۔۔۔

اس طرح ایک سپاہی زادے —— پالاس کو شہزادیٔ یونان کا وصل میسّر ہوا۔ لیکن اُف صبح کیسی خوفناک تھی! شہزادی کے پہلو میں گھاس کے فرش پر اُس کا محبوب بے جان پڑا تھا۔

جب شہزادی آنکھیں ملتی ہوئی اُٹھی تو اُس نے دیکھا کہ پالاس ابدی نیند سو رہا ہے شہزادی نے جھک جھک کر کئی بار اپنے محبوب کو چوما۔ اس کے بعد چاروں طرف گھبرائی ہوئی نگاہیں دوڑائیں۔ باغ تنہا اور ویران تھا —— ایک بار پھر اس نے اپنے محبوب کو چوما۔ اس کے قدموں کی خاک اپنی آنکھوں میں لگائی۔ یکایک اس نے

اس کے سرہانے سے خنجر اٹھا لیا اور اپنے سینے میں زور سے بھونک دیا۔ خون کا ایک فوارہ اُس کے سیمگوں جسم سے بہہ نکلا اور وہ تڑپتی ہوئی پالا اس کی لاش پر گر کر سرد ہو گئی۔

صبح لوگوں نے دیکھا کہ شہزادی یونان ایک سپاہی کی لاش سے چمٹی ہوئی ہے اور اس کی روح پرواز کر چکی ہے۔

سارہ کی ایک سہیلی نے ان دونوں کی لاشوں کو پھولوں سے ڈھانپ دیا اور اسی حالت میں اُن لاشوں پر ایک مقبرہ تعمیر کرا دیا۔ جو اب تک موجود ہے اور زبانِ حال سے پکار پکار کر اُن دونوں کی محبت کا افسانہ سنا رہا ہے۔

شاہِ اندلس کا افسانۂ عشق

عظیم المرتبت بادشاہ ایک راہبہ کے دامِ محبت میں

اور

ملکہ ایک گڈریئے کی آغوش میں

یوسفرس شاہ اندلس کی ملکہ صوفیہ محل کے نواحی باغ میں اپنی ایک خوبصورت سہیلی کی آغوش میں پڑی سسکیاں لے رہی تھی اور اُس کی عزیز ترین سہیلی بار بار اس کا خوبصورت منہ چوم کر اور اُس کی خوبصورت آنکھوں کے آنسو پونچھ کر اُسے تسلیاں دے رہی تھی لیکن نوخیز ملکہ کے آنسو کسی طرح نہ تھمتے تھے۔

آخر وہ تڑپ کر اُٹھ کھڑی ہوئی اور گرج کر اپنی سہیلی سے کہنے لگی "میں انتقام لوں گی! خوفناک انتقام! جس نے مجھے ٹھکرایا ہے، جس نے میری بے حرمتی کی ہے۔ میں اُس کی بے حرمتی کروں گی، جب میں نے بچپن کے زمانے کو خیرباد کہہ کر وادیٔ شباب میں قدم رکھا، تو بادشاہ نے میرے حسن سے متاثر ہو کر میرے قدموں پر اپنا پُرغرور سر رکھ دیا اور جب میں نے اُس پہ ترس کھا کر اپنا خوبصورت اور نوخیز جسم اُس کے حوالے کر دیا تو اُس نے مجھے محل کی چار دیواری میں اِس طرح بند کر لیا جیسے سنہری چڑیا پنجرے میں اور اِس کے بعد اب اُس نے

اس قسم کی ذلیل حرکتیں شروع کر دی ہیں ..."

سہیلی بات کاٹ کر کہنے لگی "پیاری ملکہ کیا میں نے تمہیں روکا نہیں تھا۔ تمہیں یاد ہو گا جب تم نے یوسف کو اپنا شریکِ زندگی بنانا چاہا تو میں نے اس کی کتنی مخالفت کی تھی اور جب تم نے میرا کہا نہ مانا تو میں نے تین دن تک تم سے کلام نہ کیا۔ مجھے تو تمہارا انجام اسی دن نظر آ گیا تھا جب پہلے پہل تم حرم میں داخل ہوئیں۔ ذرا سوچو تو سہی۔ اس دن بادشاہ کو تمہارے ساتھ وصل کی پہلی رات بسر کرنی تھی۔ تمہارے خوبصورت جسم کا پہلا لمس ابھی اس کے جسم کو میسر نہ ہوا تھا۔ اس کے دل میں تمہارے لئے بے اندازہ محبت ہونی چاہیے تھی۔ لیکن افسوس کہ اس دن جب تم باغ سے چلی گئیں اور میں باغ میں اکیلی رہ گئی تو یوسف نے مجھے اپنے سینے سے لگا لیا اور زبردستی میرا منہ چوم لیا۔ توبہ توبہ میں لرز گئی میری رگ رگ میں ایک بجلی سی دوڑ گئی اور اگر میرے دل میں یہ خیال نہ آتا کہ بادشاہ کا جسم صرف میری عزیز سہیلی کے جسم سے مس ہونے کے لئے ہے تو شاید میں بے اختیار ہو کر اپنا جسم اس کی بے رحم آغوش کے حوالے کر دینے پر مجبور ہو جاتی۔ یقیناً اب تک میں ایک عصمت باختہ عورت بن چکی ہوتی۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ مجھے تمہارا خیال آ گیا اور میں تڑپ کر یوسف کی آغوش سے علیحدہ ہو گئی۔ جس شخص نے پہلے ہی دن اپنی دلہن کا منہ چومنے کی بجائے اس کی سہیلی کا منہ چوم لیا اور اسے سینے سے لگا لیا وہ بھلا عمر بھر اپنی شریکِ زندگی سے کس طرح نباہ کر سکتا تھا۔"

صفوفیہ کہنے لگی "شاید تم نہیں جانتیں کہ اس شخص نے شروع شروع میں جبکہ میں حرم میں نہیں آئی تھی، مجھے حاصل کرنے کے لئے کتنی مصیبتیں اٹھائیں۔ میں سمجھتی تھی کہ اسے

مجھ سے سچی محبت ہے۔ تم نہیں جانتیں ایک مرتبہ میں اور یوسفرین دونوں باغ میں اکیلے تھے اس نے محبت سے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں نے فوراً اس کا ہاتھ پرے جھٹک دیا۔ میری اس بے التفاتی کا اُسے اس قدر صدمہ ہوا کہ وہ میرے سامنے گھٹنوں کے بل جھک کر رونے لگا اور کہنے لگا۔ اگر آج تم نے یہ ہاتھ میرے ہاتھ میں نہ دیا تو میں خودکشی کر لونگا۔ تم شاید نہیں جانتیں شادی سے پہلے میں نے یوسفرین کو محبت کے کس قدر کڑے معیار پر پرکھا تھا۔

آج سے سات سال پہلے کی بات ہے کہ میں اور یوسفرین دونوں ایک ندی کے کنارے کھڑے تھے۔ سورج شفق کی جھیل میں غروب ہو رہا تھا اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے خوشگوار جھونکے میرے بالوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ آبی پرندوں کی چہکار نے ایک خوبصورت سماں باندھ رکھا تھا۔ ایسا منظر اور ایسا ماحول دو نوجوان تنہا روحوں کو محبت کرنے کی تلقین کر سکتا ہے۔ اُس دن پہلی مرتبہ یوسفرین نے صرف ایک بوسے کی التجا کی۔ میرا سر حیا سے جھک گیا۔ اور گالوں پر شرم کی سرخی دوڑ گئی۔ یوسفرین نے سمجھا کہ میں اس کی خواہش کے سامنے مغلوب ہو گئی ہوں۔ وہ میری طرف بڑھا لیکن میں نے اُسے اپنے ہاتھوں سے دور ہٹا دیا۔ اس کے بعد وہ بے اختیار میرے قدموں پر گر گیا اور اس نے میرے قدموں کے اتنے بوسے لے ڈالے جتنے آسمان پر ستارے۔ اس کی آتشِ محبت کو اور زیادہ بھڑکانے کے لئے میں بار بار اپنے پاؤں چھپا لیتی تھی۔ لیکن اس نے بھی عجزِ محبت کو حد تک پہنچا دیا۔ تم نہیں جانتیں کہ میں نے اپنے لبوں کے محض ایک بوسے کے لئے اسے تین ماہ تک کس قدر پریشان کیا۔ اس تین ماہ کے عرصے میں وہ کونسی دیوانگی کی حرکت تھی جو اس سے سرزد نہ ہوئی ہو۔ وہ میرے قدموں کے نقش کو چومتا تھا۔ میری راہوں کی خاک اپنی آنکھوں

سے لگاتا تھا اور میرے دامن پر بوسوں کی بارش کر دیتا تھا۔ لیکن میں نے کبھی شادی سے پہلے اُسے اپنے ہونٹوں سے ہونٹ ملانے نہ دیئے۔"

یہ کہہ کر ملکہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اُس کی سہیلی ٹھنڈی سانس لے کر کہنے لگی:۔

"شروع شروع میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ ہوس پرست مرد ایک البیلی دوشیزہ کی محبت کا خزانہ لوٹنے کے لئے کیا کچھ نہیں کر گزرتا۔"

صوفیہ چلّا کر کہنے لگی۔"میں انتقام لوں گی!"

"نہیں نہیں ایسا نہ کرنا۔" اس کی سہیلی نے کہا اور ملکہ اُس کی آغوش میں گر کر دو بارہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

(۲)

محل کے باغ پر آج چاند اپنی کرنوں کی خوبصورت بارش کر رہا تھا۔ نورمیں نہائے ہوئے پودوں اور درختوں میں جان سی پڑ گئی تھی۔ خوابِ ناز میں سوئی ہوئی خوبصورت کلیاں میٹھی میٹھی سانسیں لے رہی تھیں اور ہوا کے لطیف جھونکے خوشبو سے بوجھل ہو رہے تھے۔

باغ کے مرمریں چبوترے پر اطلس و کمخواب اور سنجاب و سمور کا نرم نرم فرش بچھا تھا۔ یوسفرس کے پہلو میں ایک مغنیہ بیٹھی تھی ——— شوخ ادا، چنچل اور حسین۔ اس کے ہاتھ میں ایک بربط تھا۔ جس کے تاروں کو اُس کی خوبصورت انگلیاں چھُو چھُو کر مسرت انگیز نغموں کا ایک سیلاب بہا رہی تھیں۔

بار بار یوسفرس بیتاب ہو کر اس کی صراحی دار نورپاش گردن میں اپنے ہاتھ ڈال دیتا تھا۔ مینا اور پیمانہ آپس میں ٹکرانے تھے۔ ایک "جھنکار" سی پیدا ہوتی تھی اور یہ "ساقی

ہاہیکش" اُسے شراب ناب کا ایک پیالہ پیش کر دیتی تھی۔

شاہ یوسفرس کے حکم سے آج شاہی باغ کا بڑا دروازہ بند کر دیا گیا تھا تاکہ ملکہ وہاں نہ آجائے۔ یہ خوبصورت مغنیہ کون تھی؛ جو اس وقت تو خیر بادشاہ کا پہلو گرمائے ہوئے تھی؛

آج سے کچھ عرصہ پہلے یہ ایک راہبہ تھی جس کا کام ہر وقت اِدھر اُدھر پھرتے رہنا تھا۔ بظاہر یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ عیش و عشرت سے کوسوں دور بھاگتی ہے۔ اس عجیب و غریب راہبہ کے ملک بھر میں چرچے رہتے تھے اور کئی نوجوان اس کی زلفِ گرہ گیر کے اسیر تھے۔ ایک دن یوسفرس اپنی شکارگاہ میں اپنے ہمراہیوں کے ساتھ خیمے میں بیٹھا تھا کہ کسی نے آکر اطلاع دی حضور باہر ایک راہبہ کھڑی ہے اور آپ سے ملاقات کی خواہشمند ہے" بادشاہ عورتوں سے ملاقاتیں کرنے کا شیدا تو تھا ہی۔ اُس نے فوراً اُسے اندر بلا لیا۔

وہ بڑی بیباکی سے اندر داخل ہوئی اور پہلی بات جو اس نے یوسفرس سے کی یہ تھی کہ "معاف فرمائیے میں آپ کا پورا پورا ادب نہیں کر سکتی۔ کیونکہ اس سے پہلے مجھے کبھی کسی بادشاہ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا اتفاق نہیں ہوا"

یوسفرس نے اُس کے حسین چہرے پر ایک پیاسی نگاہ ڈالتے ہوئے جواب دیا "نہیں نہیں تم اس کی کوئی فکر نہ کرو۔ ادب و آداب سے تم بالاتر ہو"

جواب میں راہبہ کے سرخ و شاداب ہونٹوں پر ایک شگفتہ اور دلفریب مسکراہٹ نمودار ہو گئی۔ اس نے اپنی لمبی لمبی سیاہ زلفوں کو جو اس کے رخسار کے سامنے آگئی تھیں، اپنے نیم عریاں کندھوں کی طرف ہٹایا اور اپنی نیلگوں چمکیلی آنکھیں بادشاہ کی آنکھوں سے اس

طرح ملائیں جیسے وہ اپنے دل کی تمام تر محبت اپنی آنکھوں کی مدد سے یوسفرس کی آنکھوں میں انڈیل دینا چاہتی ہے یہ ادا یوسفرس کے دل کو بھا گئی اور اب اس نے اس پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ لیکن وہ ہر سوال کے جواب میں خاموش رہتی۔ آخر یوسفرس بیتاب ہو کر کہنے لگا "آخر تم خاموش کیوں ہو؟ تم مجھ سے بات کیوں نہیں کرتیں؟"

راہبہ نے یوسفرس کی طرف ایک ادائے التفات کے ساتھ دیکھا اور ہنس کر کہنے لگی "آپ نے مجھ پر بیشمار سوالات کی بوچھاڑ کر دی ہے میں ان سوالات کو دل میں ترتیب وار دہرا رہی ہوں۔ تاکہ ترتیب وار ان کا جواب دے سکوں"

یوسفرس یہ شوخ فقرہ سن کر تڑپ اٹھا اور اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ راہبہ کو اپنے مصاحبوں کی موجودگی میں اُٹھ کر اپنی آغوش میں کھینچ لیا۔ راہبہ کی طرف سے اپنے آپ کو آغوش محبت سے چھڑانے کی حسین کشمکش بیکار ثابت ہوئی اور یوسفرس نے سب کے سامنے اُسے اپنی آغوش میں دور سے بھینچ لیا۔ راہبہ چیختی چلاتی رہ گئی۔ مصاحب ازراہِ ادب و تمیز اُٹھ کر چلے گئے خیمے کے پردے گرا دیئے گئے اور...........

جب حسین راہبہ باہر نکلی تو اس کا نازک ہاتھ یوسفرس کے ہاتھ میں تھا۔ اور فرطِ حیا سے وہ اپنی خوبصورت گردن کو جھکائے ہوئے تھی۔ مصاحب دیکھتے رہ گئے اور عاشق اور محبوبہ دونوں قریب ہی بہتی ہوئی ایک ندی کی طرف چل دیئے۔

اِسی ملاقات کا نتیجہ تھا کہ آج یوسفرس اپنے محل کے باغ کا بڑا دروازہ بند کرا کے نصف شب کو، باغ کے چبوترے پر اس مغنیہ کے پہلو میں بیٹھا تھا حسین راہبہ جو ایک اعلیٰ درجہ کی مغنیہ بھی تھی اسے بربط سنا رہی تھی۔ اور شراب ارغواں کے دَور چل رہے تھے۔

اب راہبہ، راہبہ نہیں رہی تھی۔ اب وہ یوسفرس کے دل میں جگہ حاصل کر چکی تھی۔ حسن میں تو وہ چندے آفتاب چندے ماہتاب تھی ہی۔ جب یوسفرس کی نگاہِ التفات اس کی طرف ہوگئی، تو اس کے حسن کو چار چاند لگ گئے۔

آج اس نے انتہائی بیش قیمت لباس پہن رکھا تھا۔ چاند کی روشنی میں اس کا بلوریں جسم رنگین لباس میں اس طرح چمک رہا تھا جیسے فانوس کے پردوں کے اندر شمع —— آج وہ ایک حسین ناگن کی طرح شاہِ اندلس کو محبت بھرے ہونٹوں سے ڈس لینے پر تلی ہوئی تھی ——

شاہ یوسفرس نے بیتاب ہو کر شراب کے جام کو پٹخ دیا اور اس کے بعد فضا میں اس کی تحکمانہ آواز گونجی! —— "اے حسینہ! اس بربط کو اب دور پھینک دے۔ تجھ پر شاہِ اندلس کی نگاہ التفات پڑ چکی ہے! تو منتخب ہو چکی ہے! تو آج کی رات ہی کے لئے نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے ملکۂ اندلس منتخب ہو چکی ہے!"

حسین راہبہ نے جو شراب کے نشے میں مدہوش تھی، بربط کو پھینک دیا۔ دو فولادی بازو اس کی طرف بڑھے —— راہبہ نے اپنا مخملیں جسم ایک شرمیلی ادا کے ساتھ یوسفرس کی آغوش کے سپرد کر دیا۔ تمنا اور حیا کی کشمکش ہوئی۔ عشق نے حسن سے گستاخیاں شروع کیں۔ حسن نے اپنے بدن کو شرم سے چرانا شروع کیا۔ لیکن عشق کی بیباکی نے دامانِ شرم و حیا کو چاک چاک کر ڈالا۔ دو روحیں اور دو جسم ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہو گئے —— ایک شوخ ادا بجلی کو یوسفرس نے اپنی محبت بھری مضطرب آغوش میں لے لیا......

یکایک پتوں کی سرسراہٹ سنائی دی اور وہ دونوں چونک اٹھے کہ کس نے ہمیں ایک دوسرے سے محبت کرتے دیکھ لیا ہے ——— ہاں وہ ایک خوبصورت آنکھ تھی۔ ملکہ کی آنکھ! ——— اُس کی جاسوس باندیوں نے اسے تمام حالات سے خبردار کر دیا تھا۔ اور ملکہ اُن دونوں کو چھپ کر دیکھ چکی تھی اور ان کے باہمی عشق و محبت کی باتیں بھی سُن چکی تھی۔

ملکہ صوفیہ آج اپنی سہیلی کی آغوش میں گر کر کیوں رو رہی تھی؟ ——— اِسی لئے کہ اُس نے یوسفرس کی آغوش میں کل رات ایک اجنبی عورت کو دیکھ لیا تھا ——— ایک ایسی عورت کہ جس سے یوسفرس کہہ چکا تھا کہ آج رات ہی کے لئے نہیں بلکہ وہ ہمیشہ کے لئے ملکہ اندلس منتخب ہو چکی ہے۔

(۳)

حسین راہبہ کی خواہش کے مطابق اندلس کے محل سے اب ملکہ صوفیہ کو نکال دیا گیا تھا۔ یوسفرس نے اُسے طلاق دے دی تھی۔ ملکہ اور اسکی سہیلی کو شاہی محل سے گئے ہوئے اب تین سال کا عرصہ گذر چکا تھا۔

نام نہاد راہبہ اب یوسفرس کے دل و دماغ پر چھا چکی تھی۔ اس کی شوخ اداؤں اور ناز نخروں نے رفتہ رفتہ یوسفرس کو شکنجے کی طرح اپنے قابو میں جکڑ لیا تھا۔ اب یوسفرس کو صرف دو چیزوں کی ضرورت تھی اور وہ دو چیزیں تھیں۔ راہبہ اور شراب۔ وہ تمام دن محل میں راہبہ کی جھنکار اور ساغر کی کھنک سنتا رہتا۔ اب یہی اُس کی زندگی تھی۔

جب خورشید خاوری شفق کی جھیل میں ڈوب جاتا جب رات اپنا گنہگار اور تاریک

سایہ گنہگاروں کے افعال پر ڈال دیتی، جب نیکیاں سو جاتیں اور گناہ بیدار ہو جاتے، جب چاند آسمان کی نیلی کھڑکی میں سے باہر جھانکتا، جب ٹھٹھرتی ہوئی رات کہکشاں کی شال اوڑھنے لگتی، جب پھولوں کو خواب آنے لگتے، جب محل کے باغ میں خوشبودار اور ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگتیں تو راہبہ اپنی شمعِ رُخِ زیبا کو روشن کئے ہوئے اپنا بربط لے کر اور یوسفرس اپنے دل میں گناہوں کی شمع روشن کر کے باغ کے چبوترے پر آ پہنچتا۔ دونوں اپنے جذبات کی کشتی کو شراب کے پیمانوں کی گہرائیوں میں غرق کرنے کی کوشش کرتے۔ مطربۂ رنگیں اپنے نغموں، اپنے حسن اور اپنے جسم سے یوسفرس کو لذت یاب کرتی اور یوسفرس اپنے گناہوں سے اس کے دل کی پیاس بجھاتا۔ اسی طرح دن گذرتے چلے گئے۔

گناہ جب حد سے بڑھ جاتا ہے تو قدرت انتقام کی تلوار لے کر گنہگاروں کا مقابلہ کرنے لگتی ہے نیکی کی دیوی ان کی حرکات دیکھ کر رو رہی۔ قدرت نے اپنی تلوار سونت لی، تاکہ ان دو گنہگار ہستیوں کی سرزنش کرے۔

ایک رات یوسفرس ذرا دیر سے محل میں آیا۔ چاند گھٹاؤں میں چھپ چکا تھا اور ہر طرف گھٹاٹوپ اندھیرا چھا رہا تھا۔ بارش اور سردی نے ایک طوفان مچا رکھا تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ یوسفرس محل کے صحن میں اپنے گھوڑے سے اتر آیا۔ اُس نے دیکھا کہ باوجود نصف شب کا وقت ہونے کے اس کے شبستاں میں شمعیں جل رہی ہیں۔ اس نے سوچا۔ میری محبوبہ کس قدر باوفا ہے، اُسے مجھ سے کس قدر اُلفت ہے، میرے انتظار میں اب تک جاگ رہی ہے۔ میں ابھی جا کر اس پر بوسوں کی بارش کر دوں گا۔ اس کے سینے میں محبت کی آگ روشن ہے۔

اس نے گھوڑا سائیس کے حوالے کیا اور خود تیزی سے زینے طے کرتا ہوا اپنے جگمگ جگمگ کرتے ہوئے شبستاں میں جہاں اس کے خیال کے مطابق اس کی محبوبہ نے شمع رخ جلا رکھی تھی جا پہنچا۔ جونہی وہ شبستاں کے قریب آیا اُسے راہبہ کی ہلکی سی ہنسی اور پھر کسی سے آہستہ آہستہ باتیں کرنے کی آواز سنائی دی۔ یوسفرتس نے اپنے قدموں کی چاپ ہلکی کر دی، دم روک لیا، اور دروازے کی ایک درز میں سے ایک خوفناک منظر دیکھا۔ جس نے اس کے دل کے ٹکڑے کر دیئے۔

حسین راہبہ یوسفرس کے بھانجے کے پاس نیم عریاں حالت میں پلنگ پر لیٹی تھی۔ اس طرح کہ اُس کا سر یوسفرس کے بھانجے کے زانو پر تھا اور گھٹاؤں کی طرح سیاہ اور لمبے لمبے گھنگھریالے بال کچھ اُس کے اُبھرے ہوئے سینے پر اور کچھ اُس کے گورے گورے شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ ساقہائے سیمیں دیبا و حریر کے لباس سے بے نیاز ہو کر دعوتِ نظارہ دے رہی تھی۔

عاشق نے اپنی محبوبہ کے ہونٹوں پر ہونٹ رکھ دیئے۔ راہبہ کے نکھرے ہوئے رخسار گل اور شگفتہ ہونٹوں پر بوسوں کی بارش ہونے لگی۔ عین اُس وقت دروازے کے باہر یوسفرس کی گرج سنائی دی۔ شمعیں ایک دم بجھ گئیں اور کمرے میں تھوڑی سی "گڑ بڑ" کے بعد موت کا سا سکوت طاری ہو گیا۔ یوسفرس نے دروازے کو زور سے دھکا دے کر توڑ ڈالا۔ دیکھا تو اندر کچھ بھی نہ تھا۔ بے وفا راہبہ یوسفرتس کے بد طن بھانجے کے ساتھ دوسرے دروازے سے بھاگ گئی تھی۔

شاہِ اندلس کی تمام دوڑ دھوپ بیکار ثابت ہوئی۔ اس کے قاصد اور سپاہی نہ تو راہبہ

کو اور نہ اس کے بھانجے کو گرفتار کر سکے ——— وہ دونوں رات کی تاریکی میں نہ جانے کہاں سے کہاں جا پہنچے تھے۔

بہر حال یوسفرس نے کافی عرصہ تک اپنی "محبوبۂ جاں نواز" کو تلاش کروایا۔ لیکن وہ بن کی چڑیا کی طرح اب ہمیشہ کے لئے اس کے محل کے پنجرے سے پرواز کر گئی تھی۔

(۴)

کوہ نیروس کے دامن میں ایک ہری بھری اور وسیع و عریض وادی تھی جس میں شفاف پانی کی ایک چھوٹی سی ندی بہتی تھی۔ اس وادی کو "پھولوں اور پرندوں کی وادی" کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ اس میں چاروں طرف پھول ہی پھول اور پرندے ہی پرندے نظر آتے تھے۔ اس وادی میں ندی کے کنارے ایک حسین عورت ایک مرد کے پاس بیٹھی تھی۔ عورت کا ہاتھ مرد کے ہاتھ میں تھا اور دونوں عشق و محبت کی باتیں کر رہے تھے۔ پاس ہی ایک چھوٹا سا لڑکا گھونگھوں اور سیپیوں سے کھیل رہا تھا

مرد نے کہا۔ "آخر میری محبت رنگ لائی اور میری وفا نے تمہیں جیت لیا۔ خدا کا شکر ہے

عورت نے جواب دیا۔ "حسن بے بنیاد باشد عشق بے بنیاد نیست

مرد شوہر نے اپنی بیوی کو آغوش محبت میں کھینچ لیا۔ دونوں کے تشنہ لب ہم مل گئے۔

شوہر کہنے لگا۔ "مجھے ہرگز امید نہ تھی کہ سات سال تک مجھ سے جدا رہنے کے بعد تم پھر مجھ سے آملو گی۔ میری آہوں اور میرے نالوں کی کشش نے تمہیں میرے وطن میں بلا لیا لیکن میری پیاری جو آرام تمہیں شاہی محل میں نہا دہ سالی کہاں۔ پہلے تم یوسفرس کے محل

میں رہتی تھیں۔ اب تم ایک جھونپڑی میں ہو"

میں یوسفرس کے محل پر لعنت بھیجتی ہوں۔ مجھے محلات اور جاہ و جلال کی ضرورت نہیں، عورت کو محبت کی ضرورت ہوتی ہے۔ شاہِ اندلس کی محبوبہ اور ملکہ بن کر بھی میں محبت کا خزانہ حاصل نہ کر سکی۔ لیکن تمہاری جھونپڑی میں مجھے محبت کا خزانہ مل گیا ہے۔ مجھے محبت کی ضرورت ہے دولت اور جاہ و جلال کی نہیں"

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے خوبصورت ہونٹ اپنے محبوب کے ہونٹوں سے ملا لیئے۔

درختوں کی اوٹ سے للکارنے کی آواز سنائی دی "او بدمعاش گڈریئے! شاہِ اندلس کی سابق بیوی کو اپنے آغوش میں لینے کی جرأت کرتا ہے"

یوسفرس صوفیہ کے شوہر کے سامنے تلوار سونتے کھڑا تھا۔

صوفیہ چلا کر کہنے لگی "او نابکار! میری نگاہوں سے دور ہو جا۔ میرے دل میں تیری بادشاہت کی ذرا بھی قدر نہیں۔ مجھ پر تیرا شاہانہ رعب اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ میں اپنا جسم ہمیشہ کے لئے اپنے باوفا شوہر کے حوالے کر چکی ہوں۔ اب مجھ سے ہمیشہ کے لئے ناامید ہو جا اور اپنی راہبہ کے پاس چلا جا"

یہ کہہ کر صوفیہ نے پھر اپنے شوہر کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔

اس منظر کی تاب نہ لاتے ہوئے تلوار یوسفرس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑی۔ سابق ملکہ کے گستاخانہ اور روکھے جواب نے اس کی رہی سہی ہمت بھی زائل کر دی۔ اس نے دوبارہ تلوار کو زمین سے اٹھایا اور اسے زور سے اپنے سینے میں پیوست کر کے زمین پر گر گیا۔ کچھ دیر تڑپنے کے بعد اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

دراصل یوسفرس راہبہ کی بے وفائی کے بعد ہی اپنی خطاؤں پر پشیمان ہو گیا تھا اور اس نے ملکہ کو ڈھونڈنا شروع کر دیا تھا اور وہ محسوس کرنے لگا تھا کہ اسے اب بھی ملکہ کے ساتھ ویسی ہی محبت ہے جیسی پہلے تھی۔ لیکن اب تیر کمان سے چھوٹ چکا تھا۔ ملکہ ایک دوسرے شخص کی بیوی بن چکی تھی۔

خود ملکہ کے دل میں بھی اُسے دیکھ کر جذبات محبت عود کر آئے تھے۔ لیکن اب وہ اپنے شوہر سے دغا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لئے اس نے اُسے صاف جواب دے دیا۔

شوہر اور بیوی دونوں نے یوسفرس کی لاش کو اٹھا کر دفن کر دیا۔ انہوں نے رعایا کو اس واقعہ سے خبردار کرنا قرینِ مصلحت نہ سمجھا۔ کیونکہ خود ان پر بادشاہ کے قتل کا گمان ہو سکتا تھا ——— کبھی کبھی وہ دونوں اس کی قبر پر آیا کرتے ؛

دو شہزادیوں کی داستانِ محبّت

ڈنمارک اور پولینڈ کی تاریخ
کا
ایک خونیں باب

ڈنمارک کے بادشاہ کیڈرک کا محل آراستہ ہو چکا تھا کیونکہ آج اس کی دونوں بیٹیوں کی شادی پولینڈ کے دو شہزادوں سے جو آپس میں بھائی بھائی تھے ہو رہی تھی۔

محل میں ہر طرف چہل پہل نظر آ رہی تھی۔ گرد و نواح کی تمام سلطنتوں کے حکمران مدعو تھے جن کی ضیافت کا سامان نہایت تزک و احتشام کے ساتھ ہو رہا تھا۔

دونوں شہزادیاں اس وقت محل کے بڑے ہال میں دلہنیں بنائی جا رہی تھیں۔ دونوں چندے آفتاب چندے ماہتاب تھیں۔ ملک کی تمام دوشیزاؤں کا حسن، شوخی اور جوانی شاید انہی کے حصے میں آ گئی تھی۔ آج انہیں دلہن بنایا جا رہا تھا۔ عروسی لباس وہ زیبِ تن کر چکی تھیں۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے باغِ بہشت سے دو حوریں اس محل میں اتر آئی ہیں۔ آج ہر آنکھ ان پر للچائی ہوئی پڑ رہی تھی۔ محل کے مرد افراد تو کجا آج کنیزوں باندیوں اور شہزادیوں کی سہیلیوں کی نگاہیں بھی ان کے چہروں کو چوم رہی تھیں۔

آج ان دونوں دلہنوں نے گلاب کے عرق کے حوض میں غسل کیا تھا جس سے ان کے نکھرے ہوئے جوان جسم اور بھی زیادہ نکھر گئے تھے۔ ان کی گوری گوری پنڈلیوں کو چومتے ہوئے گھنے بالوں میں آج کنیزوں نے بہترین قسم کا خوشبودار تیل لگا دیا تھا۔ چہرے پر سرخی مل دی گئی تھی جو حیا کی سرخی کے ساتھ مل کر عجیب کیفیت پیدا کر رہی تھی۔ آج ان کے خوشبودار اور خوب صورت سینوں پر منظر گلشن خلد کا دھوکا ہوتا تھا اور ان کی مستانہ چال بادبہاری کو مات کر رہی تھی۔

ہر دل اور ہر دماغ میں آج یہی خیالات موجزن تھے کہ وہ شہزادے کس قدر خوش قسمت ہونگے جن کے شبستانوں کی زینت یہ حوریں بننے والی ہیں۔

خوبصورت کنیزوں کے حسین اور جگمگاتے جمگھٹوں میں یہ دو شہزادیاں اس طرح معلوم ہو رہی تھیں جیسے ستاروں کے جھرمٹ میں دو حسین چاند۔ ان ماہتابوں کے حسن کی تجلی سے آج دو خوش قسمت شہزادوں کے شبستان منور ہونے والے تھے۔

(۲)

دونوں شہزادیاں محل سے رخصت ہو چکی تھیں۔ شادی کی رسوم ادا ہونے کے بعد بڑی شہزادی ازبیلا اور چھوٹی شہزادی مارگریٹ روز دونوں اپنے اپنے دولھا کے گھر پہنچ چکی تھیں۔ ڈنمارک پہنچتے ہی چھوٹا شہزادہ اپنی دلہن کو لے کر ہنی مون منانے سوئٹزرلینڈ چلا گیا۔ اس وقت بڑا شہزادہ اپنی دلہن کے ساتھ شبستان میں تھا۔

بڑے شہزادے کے شبستان کو رنگ رنگ کی شمعوں نے تجلی زار بنا رکھا تھا۔ لیکن ان شمعوں میں ایک شمع کے نور آفریں حسن نے شہزادے کی آنکھوں کو سب سے زیادہ خیرہ کر

رکھا تھا۔ یہ شمع دلہن تھی جس کا خوبصورت جسم دیباو حریر کے لباس میں اس طرح نظر آ رہا تھا۔ جیسے پھول میں خوشبو یا نازک پیمانے میں شرابِ ارغوانی رنگین اور ریشمی لباس میں شباب سے گدرایا ہوا ایک جسم شہزادے کے جوان جسم کی رگ رگ میں اضطراب، محبت، اشتیاق اور بیباکی کے احساس کی لہریں دوڑا رہا تھا۔ دلہن لاجونتی کی طرح شرمائی ہوئی اُس کے سامنے عروسی پلنگ پر بیٹھی تھی اور اس کے حسن افروز سینے کی نرمیوں کے لمس کا تصور شہزادے کی آنکھوں میں پرستان کی ملکہ کے وصل کی سی لذت پیدا کر رہا تھا۔ فرنگی حسینہ کے نورپاش سینے اور نیم عریاں شانوں پر بکھری ہوئی سیاہ زلفوں کی دید سے شہزادے کا دل و دماغ ایک ایسا حظ اٹھا رہا تھا جو حور کے بوسوں سے بھی کہیں زیادہ شیریں اور لطف انگیز تھا۔

شہزادے نے اپنا کانپتا ہوا مضبوط بازو شہزادی کی کمر کے گرد حمائل کر کے اس کے نشاط آفریں جسم کو جو سنبل اور مخمل سے بھی زیادہ نرم اور شیریں تھا اپنی آغوش میں لے لیا ———

دنیا میں ایک مرد کے لئے سب سے زیادہ نشاط آفریں گھڑی وہ ہوتی ہے جب پہلی مرتبہ اس کے ہونٹ اپنی محبوبہ یا اپنی خوبصورت دلہن کے ہونٹوں سے ملتے ہیں شہزادے نے جب خوبصورت دلہن کو آغوش میں لیا تو اُس کی آغوش مہک گئی۔ کچھ دیر تک اسے دنیا و مافیہا کا کچھ ہوش نہ رہا۔ اُس کے بعد غیر اختیاری طور پر اس کے لب دلہن کے خوشبودار لبوں سے مل گئے۔ شہزادے کو یوں محسوس ہوا جیسے شہزادی کے ہونٹ سرخ شہد کے بنے ہوئے ہیں اور ان میں کیف افروز بجلیوں کی تڑپ اور گل کی پتیوں کی نرمی

سمو دی گئی ہے۔

(۴)

صبح ہو چکی تھی۔ شمع شبستاں کے گرد پروانہ کئی بار نثار ہو چکا تھا۔ وصل کی اس رات عشق نے کئی بار بیباکیاں کیں اور حسن نے ہر مرتبہ شرم آلود ادائیں دکھائیں ——— کھڑکی میں سے طیورِ سحر خیز کے گیتوں کی صدا آ رہی تھی اور اسی صدا نے ان دونوں کو خوابِ ناز سے جگا دیا۔

شہزادے نے ایک مرتبہ پھر اپنی محبوبہ شیریں ادا کو اپنے آغوش میں لے کر چوما اور کہا "پیاری ازیبلا! خدا ہی جانتا ہے کہ مجھے تم سے کس قدر محبت ہے!"

ازیبلا کا نام سنتے ہی شہزادی چونک گئی اور تڑپ کر شہزادے کی آغوش سے نکل گئی۔ اس نے اپنے جسم کے نیم عریاں حصے شہزادے کی نگاہوں سے چھپا لیے اور لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں بولی "تم نے اپنی بھابی کے ساتھ محبت کی رات بسر کی ہے"۔

شہزادے نے حیران ہو کر کہا "وہ کیسے!"

شہزادی بولی "میں ازیبلا نہیں۔ میں تو چھوٹی بہن مارگریٹ روز ہوں۔ تم بڑے شہزادے ہونا، میں تمہارے چھوٹے بھائی کی بیوی ہوں۔ یہ تم نے کیا غضب کیا"

شہزادے نے کانپتی ہوئی آواز میں جواب دیا "ہاں میں بڑا بھائی ہوں۔ لیکن تم میرے پاس کس طرح آ گئیں؟"

شہزادی نے جواب دیا "ہم نے ایک دوسرے کو پہلے دیکھا تو نہ تھا۔ دو گاڑیوں میں ہمیں سوار کر دیا گیا۔ ہمیں صرف اتنا معلوم ہے۔ راستہ بھر ہمیں ایک دوسرے سے

بات کرنے کا اتفاق نہ ہوا اور پھر ہم دونوں بہنوں کی شکل اس قدر ملتی ہے کہ کوئی تمیز نہیں کر سکتا۔"

شہزادی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے شہزادے نے اسے تسلی دی اور آگے بڑھ کر اس کا منہ چومنا چاہا لیکن شہزادی نے اُسے پرے دھکیل دیا۔

شہزادے نے اس سے کہا "اے جنت کی حور میرا بند بند تیری محبت کے نشے سے مخمور ہے اور اب میں دنیا کی کسی عورت سے محبت نہیں کر سکتا۔ آ میری آغوش سونی ہے، اسے آباد کر! میرے بازو تجھے اپنی محبت آلود گرفت میں لینے کے لئے بے تاب ہیں۔"

شہزادی نے جواب دیا "بھابی سے محبت کرنا چاہتے ہو؟ ایک مرتبہ میری پاکیزگی کو مسل چکے ہو۔ ایک مرتبہ میرا مقدس جسم گناہ آلود کر چکے ہو! تم میری حالت پر رحم کھاؤ بھول جاؤ! اس ایک رات کی محبت کو بھول جاؤ! تم نہیں جانتے کہ اس ایک رات میں تم نے ایک شہزادی کی زندگی تباہ کر دی ہے۔"

شہزادہ، شہزادی کے قدموں پر گر گیا اور زار و قطار رونے لگا۔

شہزادی نے جس کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے اپنا خوبصورت بازو بڑھا کر اسے زمین پر سے اٹھا لیا اور کہنے لگی "دیکھو اب تمہیں تمہاری دلہن نہیں بلکہ تمہاری بھابی نہایت شفقت سے زمین پر سے اُٹھا رہی ہے۔ اُٹھ بیٹھو، اُٹھ بیٹھو۔ کبھی کسی نے بھابی سے بھی محبت کی ہے۔ میں تمہاری منکوحہ بیوی نہیں ہوں۔ اب کس طرح تمہاری آغوش میں آ سکتی ہوں۔"

شہزادے نے جواب دیا۔ "لیکن میں تمہاری بہن کے ساتھ محبت نہیں کر سکتا۔"

شہزادی نے جواب دیا "یہ تمہاری غلطی ہو گی۔ بیوی کو چھوڑ کر بھابی سے محبت کرنا کس قدر حماقت کی بات ہے۔ تمہاری دلہن بہت خوبصورت ہے، مجھ سے اچھی ہے۔ تم اس سے محبت کرنا"

شہزادہ عروسی پلنگ پر گر کر زار و قطار رونے لگا۔

(۴)

شہزادی مارگرٹ روز محل کے پائیں باغ میں بیٹھی تھی۔ آج اس کی شادی کو ایک ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا۔ اس کا خاوند اس کی بہن کو لے کر سوئٹزرلینڈ چلا گیا تھا اور اب تک واپس نہ آیا تھا۔ نہ کوئی قاصد اب تک وہاں سے کوئی پیغام لایا تھا۔

شہزادہ اس وقت اپنی بھابی کے پاس بیٹھا تھا۔ اس کا چہرہ غمگین تھا اور آنکھیں اُداس۔ اُسے شہزادی مارگرٹ روز سے بے انتہا محبت ہو چکی تھی۔ اب وہ دنیا کی کسی حسین سے حسین عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھنا چاہتا تھا۔

اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ یا تو وہ شہزادی مارگرٹ روز کی محبت حاصل کر لے گا یا خودکشی کر کے ہمیشہ کے لئے عدم کے پردوں میں جا چھپے گا۔

شہزادی مارگرٹ روز اب تک اپنی ضد پر اڑی ہوئی تھی۔ اگرچہ خود اس کا دل بھی شہزادے کی محبت سے لبریز ہو چکا تھا۔ لیکن وہ اپنا جسم جو اس کے شوہر کی ملکیت تھا کسی دوسرے کے حوالے نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اپنے شوہر کے بھائی سے محبت کی ایک رات بسر کرنے کے بعد فرطِ رنج و غم سے اس کا پھول سا چہرہ کملا گیا تھا۔ رو رو کر اس کی خوبصورت آنکھیں سوج گئی تھیں۔

شہزادے نے اُس سے کہا تھا کہ میں اپنے بھائی سے کہہ کر طلاق حاصل کر لونگا اور تم ہمیشہ کے لئے میری ملکہ بن کر رہنا۔ مارگرٹ روز کو بھی اس تجویز سے اتفاق تھا۔ لیکن جب تک طلاق نہ ہو جاتی وہ اپنے جسم سے کسی اجنبی کا جسم مس کرنے پر رضامند نہ تھی اور شہزادہ فرطِ محبت سے پاگل ہو رہا تھا۔ ایک ماہ کا عرصہ گذر چکا تھا لیکن اس کے بھائی کا کوئی خط نہ آیا تھا۔ اس نے انتظارِ بسیار کے بعد اپنے چند قاصد اپنے بھائی کی طرف روانہ کر دیئے تھے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا تھا کہ کس طرح دلہنیں تبدیل ہو گئی ہیں اور یہ بھی لکھا تھا کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا ہوں۔ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو تا کہ ہم جس جس دلہن سے محبت کی راتیں نادانستہ طور پر بسر کر چکے ہیں وہی ہمارے پاس رہیں۔ اس کے علاوہ اس مشکل کا کوئی حل ہی نہ تھا۔ لیکن شہزادے کے بھائی کی طرف بھیجے ہوئے قاصد کافی مدّت گزر جانے کے بعد بھی واپس نہ آئے تھے۔

بڑا شہزادہ جس کے سر پر عشق و محبت کا جنون سوار تھا کس طرح اتنی مدت تک اپنی محبوبہ سے جدا رہ سکتا تھا۔ اگرچہ اس کی محبوبہ یعنی اس کی بھابی ہر وقت اس کے پاس رہتی تھی۔ لیکن اس کی تو وہی حالت تھی جو انسان کے سائے کی ہوتی ہے۔ یعنی وہ انسان کے ساتھ رہنے کے باوجود اس سے جدا رہتا ہے [illegible] کے ہونٹ اپنی مصنوعی دلہن یا اپنی بھابی کے خوبصورت ہونٹوں سے مس ہونے کے لئے تڑپ رہے تھے۔ اس کی بھابی کی گھٹاؤں جیسی زلفیں حشر آفریں سینہ [illegible] ار کی کلی کے سے سرخ اور شیریں ہونٹ، اس کی اُبھری ہوئی آرزو انگیز باہیں اور اس کے مصفّیٰ رخسار شہزادے کے دل میں محبت طلبی کی لہریں دوڑا رہے تھے۔ وصل کی پہلی رات کا حسین نقشہ اس کی آنکھوں کے سامنے تھا لیکن وائے

قسمت کہ حور اس کی آغوش سے نکل چکی تھی۔ پری اس کے دامِ محبت سے آزاد ہو چکی تھی۔

آج اس نے کئی مرتبہ فرطِ دیوانگی سے آگے بڑھ کر مارگرٹ روز کا خوبصورت بازو تھامنا تھا لیکن ہر مرتبہ وہ ایک زخمی ہرنی کی طرح اس کی زد سے تڑپ کر نکل جاتی تھی۔ ایک مرتبہ شہزادے نے اُسے اپنی آغوش میں کھینچ کر اس کے ہونٹوں سے اپنے ہونٹ ملانے چاہے۔ لیکن مارگرٹ روز نے اپنا چہرہ اپنے ہاتھوں میں چھپا لیا اور پھر اس کی آغوش سے نکل گئی۔ شہزادی کی ان حرکتوں نے شہزادے کو اور بھی دیوانہ کر دیا تھا۔

اب وہ اپنی محبوبہ سے بالکل مایوس اور نا اُمید ہو چکا تھا۔ اسے معلوم ہو چکا تھا کہ اس کی قسمت میں یہی لکھا ہے کہ ایک حور صرف ایک رات کے لئے اس کی شمع شبستاں بنے۔ اسے کیا خبر تھی کہ شادی کی رات اس نے ایک پری پیکر کے جو بوسے لئے تھے وہ آخری بوسے تھے۔ اب عمر بھر وہ اپنے تشنۂ محبت ہونٹ مارگرٹ کے شیریں ہونٹوں سے نہ ملا سکے گا۔ جب اُسے پوری طرح یقین ہو گیا کہ شہزادی کے جسم کی تمام تر خوبصورتیوں سے وہ ابدی طور پر محروم ہو چکا ہے تو اس نے شہزادی کو اپنے قابو میں لانے کی کوششیں ترک کر دیں۔ اب وہ بار بار شہزادی کے قدموں کی خاک کو اپنی آنکھوں اور اپنے ہونٹوں سے لگاتا تھا۔

شہزادے کی یہ دیوانہ وار حرکات دیکھ کر مارگرٹ روز بھی بے قرار اور مضطرب ہو گئی۔ وہ شہزادے کی دیوانہ وار حرکات کا کوئی جواب نہ دیتی تھی۔ اس کے دل پر صدمے نے تسلط پا لیا تھا۔ سوائے اس کے کہ وہ اپنی خوبصورت اور مغموم آنکھوں سے آنسوؤں کی چمکیلی ندیاں بہائے وہ کچھ اور کر ہی کیا سکتی تھی۔ در حقیقت شہزادے کی بے قراری دیکھ کر اُسے خود شہزادے سے بے انتہا محبت ہو گئی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ اپنے جسم کی

تمام تر خوبصورتیاں شہزادے پر نثار کر دے۔ وہ چاہتی تھی کہ دوڑ کر اپنے شفاف اور گداز ہوتے بازو شہزادے کی گردن میں حمائل کر کے اس کے تشنۂ محبت ہونٹوں پر محبت کی لاتعداد مہریں ثبت کر دے اور اس کی آغوش میں گر کر رو رو کر اس سے معافی مانگے لیکن شہزادی کا دل پاک اور مقدس تھا۔ ضمیر کی آواز بار بار اسے شہزادے کی آغوش میں جانے سے روک لیتی تھی۔ کئی مرتبہ شہزادے کی دیوانگی اور بے قراری دیکھ کر اس نے شہزادے سے لپٹ جانا چاہا۔ لیکن ہر مرتبہ وہ اپنے جذبات پر قابو پا لیتی۔ بار بار گناہ کا قصر عالی شان تعمیر ہوتا لیکن بار بار اس کے مقدس ضمیر کی آواز اسے گرا کر چور چور کر دیتی۔

مارگریٹ روز کئی مرتبہ شہزادے کو تسلیاں دے چکی تھی۔ لیکن ان کا کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ جب یہ بات قطعی تھی کہ اب دو تشنۂ محبت روحوں کا کبھی ملاپ نہ ہو گا تو بھلا شہزادے کو کس طرح چین آتا۔ اس کے دل کی بے قراری کا علاج تو صرف شہزادی کا التفات تھا۔

(۵)

سوئٹزرلینڈ میں بھی یہی واقعہ پیش آ چکا تھا۔ وصل کی رات بسر کرنے کے بعد مارگریٹ روز کی بڑی بہن ازبیلا کو جب معلوم ہوا کہ وہ اپنے شوہر کے بھائی کے ساتھ محبت کر چکی ہے تو اس کے خرمنِ عقل و ہوش پر بجلی گر گئی۔ اس نے اپنے "مصنوعی" شوہر سے کہا کہ وہ اسے فوراً اس کے اصل شوہر کے پاس چھوڑ آئے لیکن یہاں بھی وہی واقعہ پیش آ چکا تھا۔ یہ شہزادی بھی اپنی بہن کی طرح بہت حسین تھی۔ کس طرح ممکن تھا کہ اس قدر حسین دلہن کے ساتھ محبت کی ایک رات بسر کرنے کے بعد وہ بطیب خاطر رضا و رغبت اس سے دستکش ہو جائے۔ چنانچہ شہزادے نے تجویز پیش کی کہ وہ اس کے بھائی سے طلاق لے کر اس سے شادی کر لے، ۔۔۔

لیکن شہزادی نے یہ تجویز منظور نہ کی۔ ایک عجیب مصیبت تھی جس میں وہ گرفتار ہو گئی تھی۔ اپنی رسوائی کا خیال کر کے اُس نے خودکشی کا ارادہ کر لیا۔

دوسری شب بھی اس نے شہزادے کے ساتھ بسر کی لیکن منہ اندھیرے جب شہزادہ جاگا تو اس نے دیکھا کہ اس کے پہلو میں وہ رشکِ حور شہزادی موجود نہیں۔ اِدھر اُدھر اُسے تلاش کیا گیا۔ آخر تلاشِ بسیار کے بعد ایک چرواہے کی زبانی معلوم ہوا کہ اس نے اُسے ندی میں چھلانگ لگاتے دیکھا ہے۔

شہزادہ اس حادثے کی تاب نہ لا کر دیوانہ ہو گیا۔ وہ اپنی دلہن کا عاشق زار تھا یہی وجہ تھی کہ اس کی خودکشی کی خبر سنتے ہی وہ ہوش و حواس کھو بیٹھا۔

جب ایک ماہ تک سوئٹزرلینڈ سے چھوٹے بھائی کا کوئی خط یا پیغام نہ آیا تو بڑے بھائی نے اپنے قاصد روانہ کئے جنہوں نے آ کر بتایا کہ شہزادی ازیلا نے خودکشی کر لی ہے اور شہزادہ اس کے غم میں دیوانہ ہو گیا ہے۔

مارگریٹ روز فوراً سمجھ گئی کہ اس کی بہن کی خودکشی اور شہزادے کی دیوانگی کا راز کیا ہے۔

اُسی وقت شہزادی مارگریٹ روز اپنے شہزادے کے ساتھ محل سے کچھ فاصلے پر بہتے ہوئے دریا کے کنارے جا پہنچی۔ شام کی ہلکی ہلکی غم آلود تاریکی چھا رہی تھی۔ سورج شفق کی گود میں تھا۔ پُر کیف لیکن مغموم ہوائیں چل رہی تھیں۔

شہزادے نے خوبصورت مناظر کی طرف دیکھ کر ایک ٹھنڈی سانس لی اور شہزادی سے کہا۔ "پیاری کیا واقعی تم نے خودکشی کا قطعی ارادہ کر لیا ہے؟"

مارگرٹ روز نے جواب دیا "ہاں، میں اپنی گناہ آلود روح کو مقدس کرنا چاہتی ہوں"

شہزادے نے کہا "نہیں باز آجاؤ۔ اس خوفناک ارادے سے باز آجاؤ شباب چندروزہ ہے۔ اس سے حظ اٹھالو"

شہزادی نے کہا "مجھے جو کچھ فیصلہ کرنا تھا کر چکی۔ اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی"

شہزادے نے شہزادی کو سمجھانے کی بہتیری کوشش کی لیکن وہ پہاڑ کی طرح اپنی بات پر اڑی رہی۔

"آؤ شہزادے تم بھی" اس نے کہا

"ہاں پیاری بھابی میں بھی تمہارا ساتھ دونگا" شہزادے نے کہا۔

مارگرٹ روز نے کہا "اب مجھے معلوم ہوا کہ تمہاری محبت حقیقی تھی"

اس کے بعد شہزادی نے انتہائی شفقت سے شہزادے کا ایک بازو تھاما اور اُسے اپنے ساتھ لے کر دریا کی گہرائیوں میں ہمیشہ کے لئے غرق ہو گئی +

سارہ اور ڈیوک آف مالبرو کا رومان

دو سہیلیوں کی رقابتِ عشق
کا
دلکش افسانہ

رات کے نو بج چکے تھے۔ انگلستان کی سب سے بڑی شاہی رقص گاہ پر اس وقت جنّت کا گمان ہو رہا تھا۔ کافوری شمعوں کی روشنی . . . . نے رقص گاہ میں چکا چوند کا عالم پیدا کر رکھا تھا۔ لیکن ان شمعوں کی روشنی سے زیادہ ایک اور نرالی روشنی نے رقص گاہ کو رشکِ انوار کوہِ طور بنا رکھا تھا۔ یہ روشنی اُن نیم عُریاں جسموں کے حسن کی روشنی تھی جو اس وقت رقص گاہ میں ایک فردوسی سماں پیش کر رہے تھے۔ سال نو کی آمد کی خوشی میں یورپ کی حسین ترین نیم عریاں حوریں اپنے ریشمی لباسوں اور آرزو انگیز جسموں میں عطر کی لپٹیں بسائے رقص گاہ میں چہلیں کرتی پھرتی تھیں۔ محفلِ رقص و سرود منعقد ہونے میں بہت تھوڑی دیر رہ گئی تھی اور اس تقریب پر تمام شاہی خاندانوں کی عورتیں اور مرد یکجا ہو رہے تھے۔

ایک آراستہ پیراستہ کمرے میں شاہی خاندان کے افراد، اُمراء وزراء اور لندن کی مہذب

تریں سوسائٹیوں کے خوش پوش نوجوان بیٹھے تھے۔ شراب ارغواں کے دور چل رہے تھے اور دوسرے کمرے میں مخملیں صوفوں اور لچکیلی کرسیوں پر حسین وجمیل عورتیں اور لڑکیاں محو گفتگو تھیں۔ آرکسٹرا کی رومان خیز صداؤں کے ساتھ مل کر ان دوشیزاؤں اور حسین عورتوں کے قہقہے اور چنچل باتیں ایک عجیب فردوسی سماں پیش کر رہی تھیں۔ ہر طرف عطر کی لپٹوں، عشق کی بیباکیوں اور حسن کی شرمساریوں کی حکومت تھی۔

آج نوجوانوں کی نگاہیں کسی ایک نسوانی جسم پر ٹھہرنی ناممکن تھیں۔ ہر لڑکی اور ہر عورت پر آج حور فردوس کا گمان ہو رہا تھا۔ آج ہر عورت کی سانس خوشبودار اور ہر عورت کی آنکھ رشکِ چشمِ آہوئے ختن تھی۔

یوں تو رقص گاہ کی ہر سینہ قیامت خیز تھی لیکن سائرہ نامی ایک دوشیزہ کا حسن محفل کو چار چاند لگا رہا تھا۔ وہ ان عورتوں کے ہجوم میں اس طرح نمایاں نظر آتی تھی، جیسے تاریکی میں آگ کی چنگاری۔ اس کا نور آفریں جسم یوں معلوم ہوتا تھا۔ جیسے نگاہ کے لمس سے میلا ہو جائے گا۔ اس کی صندلیں زلفیں اس کی برفاب پنڈلیوں کو چھو رہی تھیں۔ اس کے نوخیز سینے کی شگفتگی اور دلبرانہ ادا تمام حوران ارضی پر ایک پُر غرور طنز کہتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بلا کا خمار اور اس کے چہرے پر غضب کا نکھار تھا۔ چمکیلے بازوؤں پر شمشیر عریاں کا دھوکا ہوتا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے یہ چمکتے ہوئے بازو جس گردن میں حمائل ہوں گے وہ گردن کٹ جائیگی۔ اس وقت اس کے سر پر خوشگفتہ رنگا رنگ پھولوں کا ایک تاج تھا اور یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ پرستان کی ملکہ ہے۔

وہ ایک شیلی چال چلتی ہوئی ایک کرسی سے دوسری کرسی پر اپنی ایک سہیلی کے قریب

جا بیٹھی۔ تمام حاضرین کی نگاہیں اس پیکر رعنائی کی طرف اُٹھ گئیں اور اس حسینہ کی یہ دلربایانہ حرکت اور یہ قیامت خیز لڑکھڑاتی ہوئی چال دیکھ کر کئی نوجوانوں کے دل و جگر پر چھریاں چل گئیں۔ تھوڑی دیر اپنی سہیلی سے باتیں کرنے کے بعد وہ اُٹھ کر ایک دوسری طرف چلی گئی۔ نوجوانوں کی نگاہیں دوبارہ اس کی طرف اُٹھیں اور دُور تک اس کا تعاقب کرتی رہ گئیں۔ اس بار بار کی نقل و حرکت سے یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ تمام محفل میں اپنے آپ کو نمایاں کرنا چاہتی ہے۔

سارہ آج ویسے بھی کچھ مضطرب تھی۔ کیونکہ کل شام پہلی مرتبہ اس نے اپنے شگفتہ لبوں کی پاکیزگی کو کھو دیا تھا۔ وہ شہری آبادی سے دُور اپنی ماں اور چھوٹے بہن بھائیوں کے ساتھ رہتی تھی۔ موم بتیوں کے تاجر۔ کالڈ کا فرگسن سمتھ اس پر عاشق تھا۔ وہ اظہارِ عشق کے لئے عجیب عجیب طریقے اختیار کیا کرتا تھا۔ مثلاً سارہ کو دھمکیاں دیتا تھا کہ وہ اس سے محبت نہ کرے گی تو وہ عورتوں کا دشمن ہو جائے گا اور جو عورت اسے نظر آئے گی، اسے قتل کر ڈالے گا۔ کل نصف شب کے قریب کسی نہ کسی طرح وہ سارہ کی خوابگاہ میں آ داخل ہوا۔ سارہ میٹھی نیند سو رہی تھی اور اس کے سرہانے ایک چھوٹا سا لیمپ روشن تھا۔ فرگسن سمتھ نے لیمپ بجھا دیا اور سارہ کے لبِ لعلیں کا بوسہ لے لیا۔ سارہ کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اس کی ماں چیخ سن کر بھاگی بھاگی آئی لیکن کمرے میں اندھیرا چھا رہا تھا۔ فرگسن نے جب دیکھا کہ اس کی ماں آ گئی ہے تو وہ کھڑکی سے باہر کود کر بھاگ گیا۔ اب سارہ کو اس کی ماں نے مشورہ دیا کہ وہ شادی کر لے۔ چنانچہ اس محفل رقص و سرود میں شامل ہونے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ سارہ کوئی اپنا پرستار ڈھونڈ لے۔

اب رقص گاہ میں آرکسٹرا کے نغمے تیز ہو گئے تھے تمام لڑکیاں اور نوجوان رقص کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ سارہ بھی ناز و ادا سے اٹھلاتی ہوئی اپنی نشست سے اُٹھ کر آگے بڑھی۔ راستے میں رقص گاہ کے دروازے پر اس نے ایک وجیہہ و شکیل نوجوان کو جو شباب اور حسن کا ایک دلکش مجسمہ تھا کھڑے پایا۔ اس کے چہرے میں ایک ایسی بات تھی کہ سارہ اسے دیکھ کر متحیر رہ گئی۔ چند منٹ تک تو وہ جہاں کھڑی تھی، وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ لیکن نوجوان اس دوشیزہ کی متحیر نگاہوں سے بے خبر، نگاہوں ہی نگاہوں میں کسی اور کو تلاش کرتا رہا۔ سارہ نے سوچا خدا جانے وہ کون خوش نصیب دوشیزہ ہے جسے یہ خوبصورت نوجوان اس قدر مشتاق نگاہوں سے دیکھ رہا ہے اور جس کے ساتھ مل کر وہ آج رقص کرے گا۔ نوجوان نے اپنی سونے کی گھڑی جیب سے نکالی اور تمام عورتوں پر ایک گھبرائی ہوئی نگاہ ڈالی اور "معلوم نہیں وہ کیوں نظر نہیں آتی" کہہ کر اس نے پھر گھڑی جیب میں ڈال لی۔

یکایک نوجوان کی نگاہ سارہ پر پڑی، سارہ کی شرمیلی نگاہیں نوجوان کی بیباک نگاہوں سے ملیں۔ سارہ نوجوان کے حسن سے اس قدر متاثر ہو گئی کہ اس کے ہاتھ سے اس کا نیلے رنگ کا ریشمی رومال زمین پر گر گیا۔ نوجوان نے جلدی سے رومال اٹھا کر بڑے احترام کے ساتھ سارہ کو دے دیا۔ سارہ نے نوجوان کا شکریہ ادا کیا ہی تھا کہ نوجوان کے کندھے پر ایک برق وش حسینہ نے آکر ہاتھ رکھ دیا اور کہنے لگی "جان! تم کدھر چلے گئے تھے؟ میں بڑی دیر سے تمہیں ڈھونڈ رہی ہوں"

نوجوان ہنس کر بولا "یہ خوب رہی۔ ہر جگہ تمہیں ڈھونڈ آیا ہوں۔ اب مایوس ہو کر

واپس جانے ہی والا تھا کہ تم آگئیں۔ خدا کا شکر ہے"۔
حسینہ نے سارہ پر پرغرور نگاہیں ڈال کر فاتحانہ انداز میں نوجوان کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا۔ نوجوان نے اس کا ہاتھ چوم لیا اور اس کا خوبصورت بازو اپنی بغل میں لے کر آگے بڑھ گیا اور سارہ ہاتھ ملتی رہ گئی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کی روح تن سے جدا کر لی ہے۔ مجبوراً اس نے ایک اور نوجوان کو شریک رقص منتخب کیا اور نہایت بے دلی سے رقص میں حصہ لیتی رہی۔
رقص کے خاتمہ پر سارہ نے اپنی ایک سہیلی سے اس نوجوان کے متعلق دریافت کیا۔ اس کی سہیلی نے بتایا کہ وہ جان ڈیوک آف مالبرو ہے۔ سارہ ہنس کر اپنی سہیلی سے کہنے لگی کہ "ڈیوک آف مالبرو تو آج مجھے لوٹ کر لے گیا ہے۔ میں آج تک کسی نوجوان کے قابو میں نہ آئی۔ اب تک نوجوانوں کی ہنسی اڑاتی رہی۔ لیکن آج معلوم ہوتا ہے کہ میرے کرشمہ ناز و ادا نے ایک نوجوان کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے ہیں"۔
سارہ کی زندگی میں یہ حادثہ کوئی معمولی حادثہ نہ تھا۔ محبوب کی جدائی نے اسے دیوانہ کر دیا۔ اس کے خوبصورت ہونٹوں سے تبسم غائب ہو گیا۔ اس کی آنکھوں سے شرارت کی چمک غائب ہو گئی۔ اس نے سہیلیوں سے ملنا اور پارٹیوں میں حصہ لینا بند کر دیا۔ اسے افسوس تھا تو اس بات کا کہ جس نوجوان کو اس کی نگاہوں نے منتخب کیا ہے۔ وہ کسی اور کا فرادا کی زلف گرہ گیر کا اسیر ہے۔ روز بروز وہ محبت کے غم میں گھلتی جاتی تھی پہلے تو اس کی ماں نے اسے معمولی ناسازی طبع پر محمول کیا۔ لیکن بعد میں اسے شک ہو گیا کہ کہیں میری بیٹی کے نازک دل کو عشق کا ناگ تو نہیں ڈس گیا۔ جب اس نے اپنی بیٹی

کی مجنونانہ حرکات دیکھیں تو فوراً سب معاملہ بھانپ گئی۔ کیونکہ وہ خود بھی کبھی نوجوان تھی۔ کبھی اس کے پیچھے بھی نوجوانوں کا ایک گروہ مارا مارا پھرا کرتا تھا۔ کبھی وہ بھی نگاہوں کے تیروں سے نوجوانوں کے دل زخمی کیا کرتی تھی۔ کبھی وہ بھی نازو ادا اور غمزوں کی نمائش کر کے خوش ہوا کرتی تھی۔ کبھی اس نے بھی عشق کیا تھا۔ کبھی خود بھی وہ عشق کی مریض رہی تھی بلکہ اس کی شادی ہی عشق پر مبنی تھی۔ بھلا وہ اپنی بیٹی کی حرکات کو کیوں نہ فوراً بھانپ لیتی۔

آخر ایک دن وہ سارہ کے کمرے میں آئی۔ سارہ اپنے بستر پر لیٹی تھی۔ رو رو کر آنسوؤں سے اس نے اپنا ریشمی تکیہ بھگو لیا تھا سارہ کی ماں اسے دیکھ کر ششدر رہ گئی اور اپنی بیٹی سے اس گریہ وزاری کی وجہ پوچھی۔ سارہ نے دردِ سر کا بہانہ کر کے اسے ٹالنا چاہا۔ لیکن سارہ کی ماں ہنس کر کہنے لگی " بیٹی مجھے اپنی ماں نہیں بلکہ دوست سمجھو میں جانتی ہوں کہ تمہارے معصوم دل کو افعیٔ عشق ڈس گیا ہے۔ مجھ سے نہ شرماؤ۔ سچ سچ بتاؤ کہ کس نوجوان نے تمہارے ناقابلِ تسخیر دل کو تسخیر کر لیا ہے۔ وہ کونسا نوجوان ہے جسے تمہارے حسنِ جہاں سوز نے پھونک کر نہیں رکھ دیا اور وہ تم سے بے التفاتی کر رہا ہے۔ پیاری بیٹی کبھی میں بھی تمہاری طرح ایک [illegible] دوشیزہ تھی۔ میں نوجوانوں کے دلوں سے کھیلتی رہی ہوں اور جانتی ہوں کہ کس طرح خوبصورت نوجوان کا دل مٹھی میں کر کے اسے ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپایا جا سکتا ہے "

سارہ ماں کی باتیں سنکر زاروقطار رونے لگی۔ اس نے اپنے آپ کو ماں کی آغوش میں گرا دیا اور رو رو کر اپنی محبت کی تمام داستان جو بہت مختصر تھی سنا دی۔ ماں اس

کی داستانِ محبت سُن کر بھونچکاسی رہ گئی اور کہنے لگی "پیاری بیٹی یہ تو نے کیا غضب کر دیا ہے جس شخص کو تم نے دل دیا ہے۔ وہ بادشاہ کی محبوبہ دلنواز باربرا ڈچز آف کلولینڈ کی زلفِ شبگوں کا اسیر ہے اور باربرا بھی اسے جان و دل سے چاہتی ہے اور اسے اپنے قابو میں رکھنے کے لئے رات دن اس کی ناز برداری کرتی رہتی ہے۔"

بیٹی نے جواب دیا "کچھ بھی ہو میں تو اسے دل دے چکی ہوں اگر میں اسے حاصل نہ کر سکی تو زہر کھا کر مر جاؤں گی۔"

سارہ کی ماں اپنی بیٹی کی سنجیدہ طبیعت سے اچھی طرح واقف تھی۔ وہ جانتی تھی کہ سارہ جیسی سنجیدہ مزاج اور نیک سیرت لڑکی کا کسی نوجوان سے عشق کرنا معمولی بات نہیں اگر وہ ایک مرتبہ کسی کو دل دے چکی ہو تو عمر بھر کسی اور حسین سے حسین نوجوان کی طرف آنکھ تک اٹھا کر نہ دیکھے گی اور اگر اس کے محبوب نے اس سے التفات نہ کیا تو اس کا خوبصورت جسم عشق کی گرمی میں گھل گھل کر تباہ ہو جائے گا۔ اگرچہ سارہ کی ماں ایک جہاندیدہ اور تجربہ کار عورت تھی اور اپنی بیٹی کو ایسے طریقے بتا سکتی تھی جنہیں اختیار کر کے اس کی بیٹی اپنے محبوب کو اپنے دامِ محبت میں اسیر کر لے۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ باربرا نے جان ڈیوک آف مالبرو کو بُری طرح اپنے پنجۂ عشق میں گرفتار کر رکھا تھا اور ایک لمحے کے لئے بھی اسے اپنے سے جدا نہیں کرتی تھی۔ بہرحال سارہ کی ماں اپنی بیٹی کی داستانِ غم سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ جان ڈیوک آف مالبرو کو اپنا داماد بنا کر رہے گی۔

سارہ کی ماں ایک باتدبیر عورت تھی۔ اس نے سارہ کو جان سے وابستہ کر دینے کے

لئے ایک تدبیر سوچ ہی لی اور فیصلہ کر لیا کہ اپنی تجویز کو جامۂ عمل پہنانے سے پہلے سارہ اور باربرا کو ایک دوسرے سے متعارف کرو یا جائے اور یہ دونوں آپس میں سہیلیاں بن جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ سارہ نے اپنی تجربہ کار ماں کے بتائے ہوئے طریقوں پہ عمل کیا اور باربرا کو اپنی مخلص ترین سہیلی بنانے میں کامیاب ہو گئی۔ ان دونوں کے تعلقات اس حد تک بڑھ گئے کہ باربرا نے اپنی محبت کے تمام راز ہائے درونِ پردہ سے سارہ کو آگاہ کر دیا۔ سارہ آخر ایک عیار ماں کی بیٹی تھی، اس نے باربرا کو بہت بری طرح اپنی محبت میں اسیر کر لیا۔ باربرا کو کیا علم تھا کہ سارہ اس کی رقیب بننے والی ہے۔

جب محبت کے یہ مراحل طے ہو گئے تو سارہ کی ماں نے سارہ کو ہدایت کی کہ وہ کسی نہ کسی طرح اُس کمرے میں رسائی حاصل کرے، جہاں باربرا اپنے محبوب سے ملتی ہے اور وہاں اپنے نیم عریاں جسم کی تمام تر نزاکتوں اور دلفریبیوں کا مظاہرہ کر کے ڈیوک کو اپنی طرف ملتفت کرے اور اس موقع پر بڑی سے بڑی جسمانی قربانی کرنے سے بھی دریغ نہ کرے۔ جب ڈیوک اُسے تنہا پا کر بیباکیوں پہ اُتر آئے تو سارہ کی ماں یک بیک کمرے میں آ جائے۔ اس کے بعد وہ ڈیوک کو پھانسنے میں سو فیصدی کامیاب ہو سکتی ہے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا ایک دن سارہ نے باربرا سے معلوم کر لیا کہ ڈیوک کس وقت اور کس کمرے میں ملاقات کے لئے آنے والا ہے۔ جب سارہ کو معلوم ہوا کہ ڈیوک گیارہ بجے باربرا کے کمرے میں آئیگا تو سارہ اور اس کی ماں نے فوراً باربرا کی طرف سے ایک رقعہ ڈیوک کی طرف بھیجدیا کہ وہ گیارہ بجے کی بجائے ٹھیک ساڑھے نو بجے پہنچ جائے جس مکلف کمرے میں باربرا اپنے محبوب سے چھپ چھپ کر ملا کرتی تھی۔ وہ دوسرے مکان

سے الگ تھلگ ایک باغ سے ملحق تھا اور ہر شخص اس میں بآسانی گھس سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک اور کمرہ تھا۔ سارہ تو ملاقات کے کمرے میں بار بار اکے بستر پر جا لیٹی اور سارہ کی ماں ساتھ کے کمرے میں چھپ گئی۔ سارہ کی ماں نے آئندہ ہونے والے ڈرامے کا پلاٹ بیٹی کو سمجھا دیا تھا۔ اب دونوں جان ڈیوک آف مالبرو کا انتظار کرنے لگیں۔

سارہ آج رشکِ حور بنی ہوئی تھی۔ اس نے زنگار رنگ کا ایک بیش قیمت لباس پہن رکھا تھا۔ چست اور باریک لباس سے اس کے جسم کا نور آفریں حسن پھوٹ پھوٹ کر نکل رہا تھا۔ اس کے سینے کی حشر سامانیاں، اس کی بل کھاتی ہوئی لچکیلی کمر کی نزاکتیں، اس کے ہونٹوں کی شیریں سرخیاں اور اس کی لمبی لمبی زلفیں اور تمتماتے ہوئے رخسار ایک زاہدِ تقدس مآب کو بھی ہلاکِ آرزو کرنے کو کافی تھے۔ اس کے خوشبودار جسم پر آج ایک پھول کا گمان ہو رہا تھا۔ اس وقت خوبصورت ریشمی بستر پر ایک خوبصورت جسم بہار دکھا رہا تھا۔ اپنے کمرے میں سارہ کا اور پاس والے کمرے میں سارہ کی ماں کا دل دھڑک رہا تھا۔ آج سارہ اپنی ماں کے ایما سے ایک خوفناک ڈراما کھیلنے والی تھی۔ اس ڈرامے میں اس کی ابدی تباہی یا ابدی خوشی کا راز مضمر تھا۔ آج اُسے یا تو اپنی دوشیزگی سے ہاتھ دھو کر تباہ ہو جانا تھا، یا ایک ڈیوک کی بیوی بن کر ہمیشہ کے لئے اپنی زندگی کو رشکِ جنت بنا لینا تھا۔ دونوں میں سے ایک بات یقینی تھی۔

سارہ اپنے محبوب کے خیال میں غرق لیٹی تھی کہ اس کی ماں گھبرائی ہوئی اس کے کمرے میں داخل ہوئی اور سارہ سے کہنے لگی "سارہ! سارہ! اپنے لباس کا بالائی حصہ اُتار دو اور اپنے جسم کی دلکش عریانیوں کو لحاف میں چھپا کر لیٹ جاؤ۔" یہ کہہ کر سارہ کی ماں کمرے سے چلی

گئی اور سارہ نے اس کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اپنے آپ کو نیم عریاں کر دیا اور ایک خوبصورت انداز میں بستر پر دراز ہو گئی۔

اب ساڑھے نو بج چکے تھے یکایک مردانہ قدموں کی چاپ سنائی دی۔ سارہ کا جذبات بھرا دل دھڑکنے لگا اور اس کی چشم تصور میں وہ بیباک اور حسین منظر آ گئے جو ایک نوجوان اور ایک دوشیزہ کے یک جا ہونے سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ دروازہ کھلا اور جان ڈیوک آف مالبرو اندر داخل ہوا۔ خلاف توقع وہاں باربرا کی بجائے ایک اور حسینہ کو محو خواب دیکھ کر وہ ششدر رہ گیا۔ اس نے گھبرا کر چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ اس ماحول پر اسے خواب کا گمان ہونے لگا۔ آہستہ آہستہ وہ پلنگ کی طرف بڑھا۔ سارہ کنکھیوں سے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ لیکن اسے اپنی طرف آتے دیکھ کر اس نے جان بوجھ کر آنکھیں بند کر لیں اور انجان بن کر لیٹی رہی۔ یہ دیکھ کر ڈیوک کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ یہ وہی حسینہ ہے، جس سے رقص گاہ میں ملاقات ہوئی تھی اور جسے وہ کئی پارٹیوں میں ڈھونڈھ چکا تھا اور جس کی تلاش میں اس نے چپہ چپہ چھان مارا تھا۔ وہی ریشمی رومال اب بھی اس کے نازک ہاتھ میں تھا جو اُن کے باہمی تعارف کا موجب ہوا تھا۔

ڈیوک خود بھی سارہ کو دیکھتے ہی اس پر ہزار جان سے فریفتہ ہو گیا تھا اور وہ رقص گاہ میں اس سے باتیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن باربرا بلائے بے درماں کی طرح آ نازل ہوئی اور اسے اپنے ساتھ لے گئی اور ڈیوک ہاتھ ملتا رہ گیا۔ آج اس نے اسے باربرا کے شبستان میں پا لیا تھا اور اس قدر خوش تھا کہ خوشی کے مارے اس کے دل کی دھڑکن سہ چند ہو گئی تھی وہ حیرت سے سارہ کے خوبصورت اور حشر آفریں جسم کو دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر

بعد وہ بے اختیار ہو گیا اور اس نے سارہ کی لمبی لمبی سفید انگلیوں والا ہاتھ جس میں وہ نیلا رومال آج بھی بہار دکھا رہا تھا اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

جونہی ڈیوک نے سارہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ سارہ نے اپنی خوبصورت آنکھیں کھول دیں اور گھبرا کر اٹھ بیٹھی —— اس طرح کہ اب اس کے جسم کا حسن جہاں سوز ڈیوک کی آنکھوں پر بجلیاں برسانے لگا۔ سارہ نے اپنے شکار کو اپنے جال میں گرفتار کرنے کے لئے ایک اور حسین چال چلی۔ وہ یہ کہ ایک تو وہ اس کی طرف دیکھ کر اپنا خوبصورت جسم چھپانے لگی دوسری طرف ناراض ہونے کی بجائے اس کا شرمیلا تبسم اور اس کی جھکی جھکی نگاہیں ڈیوک کا خیر مقدم کرنے لگیں۔ اس ادائے دلبرانہ نے ڈیوک کا دل موہ لیا۔ دامنِ صبر و شکیب اس کے ہاتھوں سے چھوٹ گیا۔ اس نے محبت سے سارہ کا ہاتھ دبایا اور سارہ نیچی نگاہوں سے مسکرانے لگی۔ سارہ کی اس حوصلہ افزا روش نے ڈیوک کو حوصلہ دلا دیا۔ وہ سارہ کے قریب پلنگ پر بیٹھ گیا اور اس کے شیریں ہونٹوں کو اپنے مضطرب ہونٹوں سے چوم لیا۔
اب سارہ نے ڈیوک کی آغوش سے تڑپ کر نکلنے کی کوشش کی، لیکن بے سود! ڈیوک نے اس کے جسم کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ دو دھڑکتے ہوئے دل، دو مضطرب سینے آپس میں مل گئے ——

عین اس وقت جبکہ سارہ اپنے بستر پر بیٹھی اپنے منتشر لباس اور آپس میں الجھی ہوئی لمبی لمبی زلفوں کو درست کرتے ہوئے اپنے جسم کے حسن کو ریشمی لباس کی قید میں مستور کر رہی تھی، سارہ کی ماں جو ایک سوراخ سے یہ منظر دیکھ چکی تھی۔ اندر آداخل ہوئی۔ اس کے منہ سے ایک مصنوعی چیخ نکل گئی اور وہ گھبرا کر بولی ”سارہ یہ کیا؟ ڈیوک تم نے یہ کیا کیا؟ اف میں

لٹ گئی۔ سارہ تباہ ہو گئی۔" اس کے بعد وہ اپنی سکیم کی کامیابی پر اپنی دلی مسرت کو چھپاتے ہوئے خشمگیں انداز میں بولی۔

"ڈیوک تم نے ایک معصوم لڑکی کی زندگی تباہ کر دی ہے۔ تمہیں ہرگز ایک دوشیزہ کی خوابگاہ میں داخل نہ ہونا چاہیے تھا۔ ہائے اب کیا ہو گا، ہمارا خاندان تباہ ہو گیا۔ سارہ لوٹی گئی۔ اگر ہمارے دشمنوں کو ذرا بھی اس واقعہ کی خبر مل گئی تو سارہ اور اس کے خاندان کی تباہی میں کوئی شک نہ رہے گا۔"

نوجوان ڈیوک ساکت و صامت کھڑا تھا۔ سارہ کی نگاہیں شرم سے جھکی ہوئی تھیں اور وہ اپنے لباس کی شکنیں درست کر رہی تھی۔ ڈیوک اپنی حرکت پر نادم اور گھبرایا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

سارہ کی ماں دوبارہ بولی "میری معصوم بچی کے شاندار مستقبل پر تم نے کلنک کا ٹیکا لگا دیا ہے۔ اس کی عفت و عصمت تم نے لوٹ لی ہے۔ اب وہ اپنے شوہر کو کس طرح منہ دکھلائے گی۔"

ڈیوک کی زبان گنگ ہو گئی تھی۔ بصد مشکل وہ کہنے لگا "محترم خاتون، مجھے سارہ سے محبت ہے، اور اصل بات تو یہ ہے کہ مجھے معلوم ہی نہ تھا کہ اس کمرے میں سارہ ہے۔ میں تو باربرا سے ملنے آیا تھا۔ خلاف توقع میں نے باربرا کے بستر پر سارہ کو پایا۔ جہاں تک میرا خیال ہے سارہ کو بھی مجھ سے نفرت نہیں ورنہ......"

سارہ کی ماں ڈیوک کی بات کاٹ کر بولی "اگر تمہیں سارہ سے محبت ہے تو اس سے شادی کر لو۔

ڈیوک بولا "لیکن اس وقت ....."

سارہ کی ماں بولی "اتفاق سے پادری بھی اس وقت موجود ہے۔ اگر واقعی تمہیں سارہ سے محبت ہے تو اس محبت کا ثبوت دو۔ اگر مرد ہو تو اپنی زبان پر قائم رہو۔ اسی وقت سارہ سے شادی کر لو۔"

ڈیوک گھبرا گیا کہ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔

سارہ کی ماں بولی "جب تم نے باربرا کی بجائے ایک اور لڑکی کو اس کے بستر پر دیکھا تھا تو ایک شریف نوجوان کی طرح تمہارا فرض تھا کہ تم واپس چلے جاتے۔ لیکن تم نے ایسا نہیں کیا اور ایک نامحرم لڑکی کی عصمت لوٹ لی۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ تم اس سے شادی کر لو اور یہ شادی زبردستی کی نہیں ہو گی۔ تم خود کہہ چکے ہو کہ تمہیں سارہ سے محبت ہے۔ ٹھہرو میں ابھی آئی۔"

یہ کہہ کر سارہ کی ماں کمرے سے چلی گئی۔ پادری کا انتظام اس نے پہلے سے کر رکھا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ پادری کو لے کر آ گئی اور سارہ اور جان ڈیوک آف مالبرو کی شادی کی رسم اسی کمرے میں جہاں کبھی باربرا اور جان دادِ عیش و عشرت دیا کرتے تھے تکمیل پذیر ہو گئی۔

اس عرصے میں گیارہ بج چکے تھے۔ عین گیارہ بجے باربرا اپنے کمرے میں داخل ہوئی اور پادری، ڈیوک، سارہ اور اس کی ماں کو وہاں دیکھ کر ایک ہی نظر میں تمام معاملہ بھانپ گئی اور یہ دیکھ کر کہ اس کے اپنے ہی کمرے میں اس کے محبوب نے ایک لڑکی سے شادی کر لی ہے اس کے غصے کی انتہا نہ رہی۔ لیکن اب کفِ افسوس ملنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ

تھا۔ ڈیوک آف مالبرو، سارہ، اس کی ماں اور پادری کمرے سے رخصت ہو گئے اور باربرا اپنے بستر پر گر کر زار و قطار رونے لگی۔

باربرا کو جان سے بہت محبت تھی، اسے کسی طرح اس کی فرقت گوارا نہ تھی۔ اس لیے اس نے اب بھی اُمید کا دامن نہ چھوڑا۔ اسے ڈیوک پر جو غصہ آیا تھا وہ عارضی ثابت ہوا۔ ڈیوک کی محبت کے نقوش وہ اپنے دل سے نہ مٹا سکی۔

اب ڈیوک اپنی دلہن کے ساتھ دادِ عیش و عشرت دینے لگا اور باربرا فرقت کے دن اور اذیّت کی راتیں بسر کرنے لگی۔ کچھ عرصہ تو اس نے ڈیوک کو ملنے کے لیے نہ بلایا۔ لیکن ایک روز بیتاب ہو کر اس نے ڈیوک اور سارہ کو اپنے یہاں مدعو کر ہی لیا۔ جب سارہ اس سے ملی تو وہ رو کر اس کے قدموں پر گر گئی اور کہنے لگی "سنگ دل سہیلی! تو نے مجھ سے میرا محبوب چھین لیا ہے۔ اب میں تجھ سے استدعا کرتی ہوں کہ تو میرے حال پر رحم کر اور ڈیوک کو کبھی کبھی مجھ سے ملنے کی اجازت دے دے۔ میرے دکھ اور میرے غم کا تجھے اندازہ نہیں ہو سکتا۔ میں تجھ سے رحم کی بھیک مانگتی ہوں تو میری عزیز ترین سہیلی تھی۔ اب بھی میں تجھے اپنی سہیلی سمجھ کر تجھ سے درخواست کرتی ہوں کہ اپنے شوہر کو کبھی کبھی مجھ سے مل لینے دیا کر۔ ورنہ مجھے اپنے ہاتھوں سے زہر دے دے۔"

سارہ کو باربرا پر رحم آ گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر باربرا کو گلے سے لگا لیا اور اس کا منہ چوم کر بولی "میں اس قدر سنگ دل نہیں کہ تمہیں تکلیف دینا چاہوں، میں دل کے ہاتھوں مجبور ہو گئی تھی۔ ورنہ میں ڈیوک کو تم سے چھیننے کی کوشش نہ کرتی — خیر جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔"

یہ کہہ کر سارہ نے اپنی گرفت سے باربرا کو آزاد کر دیا اور خود دروازے میں جا کھڑی ہوئی
اس کے بعد وہ کہنے لگی۔ "پیاری باربرا میں تھوڑی دیر کے لئے باغ میں جانا چاہتی ہوں۔
جان تمہارے پاس رہے گا۔" اس کے بعد وہ باربرا کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور کمرے سے
باہر نکل گئی۔

باربرا نے کمرے کا دروازہ بند کر لیا اور آ کر ڈیوک سے لپٹ گئی۔ ڈیوک نے اسے اپنی آغوشِ
محبت میں لے لیا اور دونوں بچھڑی ہوئی ہستیاں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگیں
اور اُس وقت تک شرابِ محبت سے لذت یاب ہوتی رہیں جب تک سارہ نے
دوبارہ آ کر دروازہ نہ کھٹکھٹا دیا۔

سارہ اور باربرا دونوں سہیلیاں بن گئی تھیں۔ لیکن ڈیوک اب باربرا سے رُو گرداں
ہوتا جاتا تھا۔ اس وجہ سے باربرا ہمیشہ بے قرار رہتی تھی۔ ڈیوک یہ سوچ کر کہ کہیں تنہائی
کی ملاقاتیں کسی اخلاق سوز حرکت پر منتج نہ ہوں باربرا سے ملنے سے ہچکچاتا تھا لیکن چونکہ
باربرا اس کو دیکھے بغیر زندہ نہ رہ سکتی تھی۔ اس لئے وہ ڈیوک کو اپنے یہاں بلانے کے لئے
اُسے ہر وقت تحفے تحائف سے نوازتی رہتی تھی۔ وہ اسے ہمیشہ اپنی نظروں کے سامنے
رکھنا چاہتی تھی۔

ایک شب ڈیوک اور باربرا خواب گاہ میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ کسی نے باہر
کے دروازے پر دستک دی۔ دونوں کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ بادشاہ کے سوا
یہ اور کون ہو سکتا تھا۔ انہیں توقع ہی نہ تھی کہ آج بادشاہ شکار سے اس قدر جلد واپس
آ جائے گا۔ اگرچہ اب تو دونوں کے دل صاف تھے اور کسی کے دل میں بھی کوئی برا

خیال نہ تھا۔ پھر بھی دنیا کیسے اعتبار کر سکتی ہے کہ ایک عورت اور مرد جب کمرے کی چٹخنی لگا کر تنہا بیٹھے ہوں تو ان کی نیت صاف بھی ہو سکتی ہے۔ ڈیوک کی موجودگی اس وقت باربرا کی زندگی کو تباہ کرنے کے لئے کافی تھی۔

باربرا کی زندگی کو بچانے کی اب ایک ہی صورت تھی اور وہ یہ کہ ڈیوک کھڑکی میں سے نیچے کود جائے۔ جان نے اس تجویز پر عمل کر کے باربرا کو اپنی بے لوث اور بے پایاں محبت کا ثبوت دیا۔ جونہی دروازے پر دستک ہوئی وہ دوڑ کر دروازے کی طرف بڑھا اور کھڑکی میں سے نیچے کود گیا۔

کھڑکی دوسری منزل کے کمرے میں تھی۔ ڈیوک بری طرح مجروح ہو گیا۔ لیکن اس نے باربرا کی عزت بچالی۔ اس قربانی پر باربرا کے دل میں ڈیوک کی عزت پہلے سے بھی زیادہ ہو گئی۔ اُس نے ڈیوک کو پچیس ہزار پونڈ انعام میں دیئے اور ہر روز اُسے دیکھنے ہسپتال میں جاتی رہی۔ جہاں اُسے یہ کہہ کر داخل کیا گیا تھا کہ وہ گھوڑے پر سے گر گیا ہے۔

ڈیوک نے ہسپتال میں انتقال کیا۔ ڈیوک کی موت کے صدمے نے باربرا کو پاگل کر دیا۔ بہت مدت تک وہ اس کی یاد میں آنسو بہاتی رہی۔ سارہ نے بھی ڈیوک کو کبھی نہ بھلایا۔ ڈیوک کی موت کے تین سال بعد سمرسینڈ کے عظیم المرتبت ڈیوک نے اس سے شادی کی درخواست کی۔ لیکن سارہ نے جواب دیا کہ "اس وقت میرا حسن صدمے کی وجہ سے ڈھل چکا ہے۔ میں مشتِ استخواں بن کر رہ گئی ہوں۔ لیکن اگر میں پہلے کی طرح تندرست، خوبصورت اور کم عمر ہوتی اور تم تمام دنیا کی دولت لا کر میرے قدموں میں ڈال دیتے اور مجھ سے شادی کی درخواست کرتے تو میں تمہاری اس درخواست کو پائے استحقار

سے ٹھکرا دیتی۔ بھلا وہ ہاتھ جسے ایک مرتبہ جان اپنے ہاتھ میں لے چکا ہو کس طرح کسی دوسرے ہاتھ میں دیا جا سکتا ہے۔"

از

راجہ مہدی علی خاں

ڈنمارک کی ملکہ عشق و محبّت

کی رُومانی وادیوں میں

بادشاہ کے دل پر حکومت کرنے والی
ملکہ جو آنا
ایک چرواہے کے قدموں پر

ماضی کی حسین و جمیل وادی میں سمندر کے کنارے جہاں جنگل اور سمندر کا ملاپ ہوتا تھا ڈنمارک کی عالم و فاضل ملکہ جو آنا کا پُرشوکت محل کھڑا تھا۔

آج وہ ملکہ تھی لیکن کبھی وہ دن بھی تھے جب وہ ڈنمارک کے ایک چھوٹے سے گاؤں جوگ میں اپنے بھائی کے ساتھ بھیڑیں چرانے جایا کرتی تھی۔

آج اطلس و کمخواب اور دیبا و حریر اس کے برق پاش جسم کی بلائیں لے رہے تھے۔ آج وہ محل کی فضاؤں میں بجلی کی طرح کوندتی پھرتی تھی۔ جب کسی کے سامنے سے گذرتی تو اُسے یوں معلوم ہوتا جیسے ایک متحرک شعلہ گذر گیا ہے وہ شوخی اور رعنائی کی مکمل تصویر تھی۔ اُس کی پُرغرور نگاہوں کے تیر دلوں میں پیوست ہو کر رہ جاتے تھے اور اس کی شوخ اور حسین ادائیں نگاہوں پر حیا افروز پھول برساتی تھیں۔ جب وہ اپنی بید کی سی نازک کمر

لچکاتی ہوئی اپنے خوبصورت کولھوں کو ہلکی ہلکی شوخ جنبش دیتی ہوئی فضاؤں کو خوشبو سے معطر کرتی بجلی کی چمک کی طرح گذر جاتی تو بادشاہ پر تھوڑی دیر کے لئے سرور کی سی کیفیت طاری ہو جاتی —— اسے ایسا معلوم ہوتا جیسے موسم بہار کی کوئی حسین تتلی اڑتی ہوئی اس طرف سے اُس طرف نکل گئی ہے یا پرستان کی ملکہ ایک لمحے کے لئے اپنی جھلک دکھا گئی ہے یا بجلی بادل سے نکل کر عورت کے روپ میں گذر گئی ہے۔

باوشاہ نام کا بادشاہ تھا۔ حکومت تو جوآنا کرتی تھی —— ڈنمارک پر بھی اور بادشاہ کے دل پر بھی! محل میں کئی عورتیں تھیں جن کے پاس حساس دل بھی تھے جنھوں نے سانولی سانولی خوشبودار زلفوں کے ناگ بھی پال رکھے تھے اور ان ناگوں کے ڈسے ہوؤں کی جان بچانے کے لئے اُن کے رس بھرے شیریں ہونٹ آبِ حیات کا کام دے سکتے تھے طوق در گلو ہونے کے لئے گدرائے ہوئے عریاں بازو بھی، شوخ ادائیں بھی، ستاروں کی طرح چمکتی ہوئی آنکھیں بھی۔ لیکن اس بات کا کیا علاج کہ جوآنا بادشاہ کو ایک خوبصورت ناگن، ایک حسین ساحرہ، ایک دلکش پری بلکہ ایک بہشتی حور کی طرح خوبصورت معلوم ہوتی تھی؛ وہ بیوی یا ملکہ سمجھ کر اس سے محبت نہیں کرتا تھا بلکہ یونانی دیوی وینس سمجھ کر اُس کی پرستش کرتا تھا۔

ملکہ جب عطر میں مہکا ہوا سیمیں و زریں چست اور باریک لباس پہن کر ہونٹوں کو یاقوت کے شیریں ٹکڑوں کی طرح حسین بنا کر مژگاں کو زہر میں بجھی ہوئی کالی سوئیوں کی طرح تیز کر کے سینے پر محبت طلب جذبات کا ہیجان آفریں تموج لئے ہوئے خواب گاہ میں آتی تو بادشاہ نہر اجاتا اور جب وہ مخملیں بستر پر بیٹھ جاتی اور کافوری قندیلوں کی جگمگاتی ہوئی کرنیں

اس کے تو میں ڈھلے ہوئے شریہ بازوؤں اور قیامت آفریں سینے سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگتیں تو بادشاہ اس طرح کانپتا ڈرتا ہوا اُس کی طرف بڑھتا جیسے کوئی پھٹے پرانے لباس والا ادنیٰ بھکاری کسی لعبتِ فرنگ کی آنکھوں سے آنکھیں ملانے یا اس سے ہمکنار ہونے کے لئے بڑھے یا جیسے کوئی گناہگار دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کسی کی بیوی کے ہونٹوں سے اپنے کانپتے ہوئے ہونٹ ملانے کے لئے اُس پر جھکے اور اُسے ہر آن اُس کے شوہر کی آمد کا کھٹکا لگا ہو۔

وہ بھی بادشاہ کے دل کے راز کو اچھی طرح سمجھتی تھی۔ اُسے اپنے حسن پر ناز تھا، اور جب وہ اپنے شریکِ حیات کو لرزہ براندام دیکھتی تو اُس کے لبوں پر ایک لطیف مسکراہٹ کھیلنے لگتی۔ بادشاہ اس کی مہکی ہوئی آغوش میں بے اختیار اس طرح گر جاتا جیسے شمع کی آغوش میں پروانہ گرتا ہے اور ملکہ کے شیریں ہونٹ بادشاہ کے لرزتے ہوئے ہونٹوں سے مل جاتے تو بادشاہ کو یوں محسوس ہوتا۔ جیسے کسی زہریلی اور خوبصورت ناگن کی زبان اس کے ہونٹوں کو چاٹ رہی ہے۔ اس پر ایک نشے کی سی کیفیت طاری ہو جاتی اور وہ اپنے جسم کی تمام تر کرختگی کو حسین ملکہ کے سینے کی نرمیوں میں جذب کر دینے کے لئے بے قرار ہو جاتا۔

اس وقت اس کی حالت ایک بچے کی سی ہو جاتی اور ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ بادشاہ بالکل نوخیز تھا اور اس کی بیوی یعنی ملکہ جوآنا اس سے چار سال بڑی تھی ——— بادشاہ پر ملکہ کے رعب کی ایک وجہ شاید یہ بھی تھی اور اگر ملکہ کی شوخ ادائیں اور بازوؤں کی شرارت بادشاہ کو زبردستی محبت کی رات بسر کرنے پر نہ اُکساتیں تو شاید حسن سے خوف کھانے والے بادشاہ کو کبھی اپنی بیوی کے حسنِ نازنیں سے بہرہ یاب ہونے کا موقع نہ ملتا۔

جوآنا حسن و جوانی کی ایک زندہ تصویر تھی۔ اس کے حسن نے دیہات میں پرورش پائی تھی اور محل میں آکر اس کی شوکت میں صد چند اضافہ ہو گیا تھا۔

(۲)

یہ دیہاتی حسینہ کس طرح بادشاہ کے محل میں آئی؟ یہ داستان بھی بہت طویل ہے۔ ایک دفعہ شکار کا رسیا نوخیز بادشاہ جوگ سے کے جنگلوں میں سؤروں کا شکار کھیل رہا تھا کہ شکار کھیلتے کھیلتے رات نے آ ڈیرے ڈالے۔ مصاحبوں نے رائے دی کہ آج کی رات جنگل ہی میں بسر کی جائے چنانچہ وہیں ایک مختصر سا خیمہ گاڑ دیا گیا۔ شکاریوں کے پاس نمک نہیں تھا۔ بادشاہ کہنے لگا میں خود گاؤں سے نمک لاؤں گا۔ چنانچہ وہ اپنے ایک مصاحب کے ہمراہ گاؤں کی طرف چل دیا۔ اتفاق کی بات ہے کہ وہ پہلے جوآنا ہی کے گھر پہنچا۔ اُس وقت جوآنا کی عمر کوئی اکیس برس کے قریب تھی۔ گاؤں والوں کو کیا خبر تھی کہ آج بادشاہ جنگلوں میں بھٹک رہا ہے ورنہ وہ منوں نمک خود جنگل میں اٹھا لاتے۔ بادشاہ جب جوآنا کے گھر پہنچا تو وہ اپنے بھائی کے ساتھ چولھے کے قریب بیٹھی تھی۔ بادشاہ نے نمک کی فرمائش کی تو اس نے چٹکی بھر لیا ہؤا نمک بادشاہ کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ بادشاہ نے کہا اور چاہیئے میرے ساتھ بہت سے آدمی ہیں۔ جوآنا نے شرارت سے مسکرا کر چٹکی بھر نمک اور اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ بادشاہ نے کہا۔ مجھے تو اور چاہیئے۔ جوآنا بولی تو دونوں ہاتھ آگے بڑھاؤ۔ بادشاہ نے دونوں ہاتھ ملا کر اس کے آگے بڑھا دیئے۔ جوآنا نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ساری کی ساری نمک دانی اس کے ہاتھوں پر اُلٹ دی۔ بادشاہ نے جھکی ہوئی نگاہوں کو اُٹھایا تو دیکھا جوآنا کے ہونٹوں پر ایک شرارت آمیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی اور شمع کی دھندلی دھندلی روشنی میں اس

کی ستاروں کی سی آنکھیں جگمگا رہی تھیں۔ بادشاہ کو جوآنا کی یہ ادا ایسی بھائی کہ غریب مٹھی بھر نمک کے بدلے اپنا دل اُس حسینہ کی سانولی زلفوں میں پھنسا آیا۔

صبح جب یہ لوگ کوچ کی تیاری کر رہے تھے تو بادشاہ شکریہ ادا کرنے کے لئے پھر جوآنا کے گھر گیا۔ جوآنا ایک لگاوٹ آمیز غرور کے ساتھ اس سے پیش آئی۔ اب کی بادشاہ وہاں سے واپس آیا تو ہوش و خرد بھی وہیں بھول آیا۔ جب یہ سب لوگ چلے گئے تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ ڈنمارک کا بادشاہ کل رات گاؤں میں نمک کی بھیک مانگتا رہا۔ گاؤں بھر میں سنسنی سی پھیل گئی۔ لیکن جوآنا پھر بھی ویسی کی ویسی ہی پُر غرور تھی، وہ بڑے فخر کے ساتھ لوگوں کو بتاتی کہ میں نے بادشاہ کے ساتھ کیا شرارت کی۔

جوگ کے جنگلوں میں بھٹکنا اب شاہ ڈنمارک کا معمول ہو گیا اب وہ جوآنا کے بھائی کو بھی اپنے کیمپ میں بلا لیتا اور کبھی کبھی جوآنا بھی وہاں آجاتی۔ اب جوآنا کے گھر والوں کی قسمت کا پانسہ پلٹ گیا۔ اس گھر کے ہر فرد پہ بادشاہ کی نگاہ لطف پڑنے لگی۔ بادشاہ کی طرف سے اب ان لوگوں کو مالی امداد ملنے لگی اور ان غریب لوگوں کے گھر میں جنہیں مشکل دو وقت کھانا ملتا تھا گھی کے چراغ جلنے لگے روز بروز ان لوگوں کو اب شاہی قرب میسر ہونے لگا۔

جوآنا کو وہم و گمان بھی نہ تھا کہ بادشاہ اسے دل دے بیٹھا ہے۔ لیکن نوخیز بادشاہ سے روز بروز اس کی دلچسپی بڑھتی جاتی تھی اور ایک عجیب بات یہ تھی کہ جوآنا نے کبھی بادشاہ کو بادشاہ سمجھ کر اس کی عزت نہ کی۔ وہ اُس سے اِس طرح پیش آتی جیسے ہم رتبہ دوست ایک دوسرے سے پیش آتے ہیں۔ وہ ایک ایسی آزاد چڑیا تھی جسے پنجرے میں بند نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چونکہ اب اُن لوگوں کو ذریعہ معاش کی کوئی فکر نہ تھی اس لئے انہوں نے

بھیڑیں چرانے کے لئے دو نوکر رکھ لئے اور خود ان لوگوں کا وقت زیادہ تر بادشاہ کی معیت میں بسر ہونے لگا۔

اب جوآنا پھٹا پرانا لباس نہیں پہنتی تھی۔ اس کا لباس گاؤں بلکہ شہر کی امیر سے امیر عورتوں سے بہتر ہوتا تھا۔ امارت نے اس کے حسن اور غرور کو چار چاند لگا دیئے اور اب وہ پُر غرور حسن کی جیتی جاگتی تصویر بن گئی۔

جب بادشاہ جنگل میں شکار کھیلنے آتا تو جوآنا اور اس کا بھائی بھی کیمپ میں ہوتے۔ بادشاہ سے جوآنا کی بے تکلفی کا اب یہ عالم تھا کہ وہ بات بات پر بادشاہ سے رُوٹھ جاتی اور بادشاہ اُسے اپنی ایک ہم رتبہ عورت سمجھ کر گھنٹوں مناتا رہتا۔ وہ شاہی رعب اور دبدبے سے بالکل مرعوب نہیں ہوتی تھی اور اس کی پُر غرور ادائیں بادشاہ کو دل سے پسند تھیں۔ اپنے حسن اور آنسوؤں کی مدد سے عورت دنیا میں کیا کچھ نہیں کر سکتی۔ جوآنا کے پاس یہ دونوں چیزیں تھیں حسن بھی اور آنسو بھی۔ جب نوخیز بادشاہ سے کسی بات پر اس کا جھگڑا ہو جاتا تو ایک ادائے دلفریب کے ساتھ وہ روٹھ جاتی اور اپنا خوبصورت چہرہ اپنے پھول سے پیارے ہاتھوں میں چھپا کر رونے لگتی۔ بادشاہ اسے آزردہ دیکھ کر ماہئی بے آب کی طرح تڑپنے لگتا۔

رفتہ رفتہ جوآنا نے اپنے حسن اور آنسوؤں کی مدد سے بادشاہ کے دل و دماغ اور ہوش و حواس کو بُری طرح جکڑ لیا۔ بادشاہ کی اب یہ حالت ہوئی کہ وہ ایک لمحہ بھی جوآنا کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

جوآنا نے گاؤں میں نیک نام ہونے کے خیال سے اور یہ سوچ کر کہ بادشاہ سے دوستانہ

تعلقات رکھنے کی وجہ سے گاؤں کے لوگ اُس کے چال چلن پر طعنہ زنی نہ کریں۔ بادشاہ سے کہہ کر گاؤں کا مالیہ معاف کرا دیا اور گاؤں والوں کو اور بھی کئی مراعات لے دیں۔ دنیا دولت اور مرتبے سے بہت جلد مرعوب ہو جاتی ہے۔ جب گاؤں والوں نے دیکھا کہ جوآنا بادشاہ کی منظورِ نظر ہے تو وہ بھی اس سے مرعوب ہو کر اس کی خوشامدیں کرنے لگے۔

اب جوآنا بادشاہ کے دل و دماغ اور روح کی مالکہ تھی ——————

(۳۱)

جوگ کے جنگلوں میں اب بادشاہ نے ایک چھوٹی سی عمارت بنوالی تھی۔ عمارت کیا تھی ایک چھوٹا سا محل تھا۔ نصف شب گذر چکی تھی۔ جوآنا اور نوخیز بادشاہ کے سوا محل کے تمام لوگ سو چکے تھے۔ یہ دونوں اُس وقت خوابگاہ میں تھے۔ اُس وقت بادشاہ کا عشق اور جوآنا کا حسن اور غرور انتہائی عروج پر تھا۔

جوآنا ایک مکمل عورت تھی یعنی وہ عورت کی فطرت کا ایک مکمل نمونہ تھی۔ مرد سے اپنی خوشامدیں کرانا، اپنے حسن کی تعریفیں سننا اور مرد کو آتشِ رقابت میں جلتا دیکھنا اُس کی روح کی غذا تھی۔ جب اُس نے دیکھا کہ بادشاہ کے عشقیہ جذبات پورے جوش کے ساتھ بھڑک رہے ہیں تو اس نے آتشِ عشق کے اِن شعلوں کو رشک اور رقابت کی ہوا دینی شروع کی۔

اس نے بادشاہ کو گاؤں کے اُس نوجوان کا قصہ سنایا جس کے ساتھ اُس نے بچپن کا زمانہ گذارا تھا۔ جس کے ساتھ مل کر وہ سیریں کرتی رہی تھی اور جو ایک مرتبہ روتے روتے اس کے قدموں پر گر گیا تھا۔ اس نے بادشاہ کو یہ بھی بتایا کہ وہ اُس کی دردانگیز التجاؤں سے

بہت متاثر ہوئی اور اب تک اُس کے دل میں اُس نوجوان کے خلوص آمیز جذبات کی قدر رہے۔ اِس کے بعد جوآنا نے اُس نوجوان کی تعریفیں کرنی شروع کیں۔ بادشاہ کا چہرہ متغیر ہونے لگا اور جوں جوں جوآنا اپنے محبوب کا چہرہ متغیر دیکھتی وہ اُس نوجوان کی زیادہ سے زیادہ تعریفیں کرتی جاتی۔

اب جوآنا نے نظر اٹھائی تو اُس نے دیکھا کہ بادشاہ اپنی محبوبہ کی زبانی اپنے "رقیب" کی تعریفیں سننے کی تاب نہ لاتے ہوئے روٹھ کر وہاں سے اُٹھ کھڑا ہوا ہے اور کھڑکی کھول کر باہر جھانک رہا ہے۔

جوآنا نے ایک نقرئی قہقہہ لگایا اور کہنے لگی "ادہو، ہمارے بادشاہ سلامت ناراض ہو گئے ہیں" اس کے بعد اس نے اس کے شانے پر اپنا عطر میں بسا ہوا نازک ہاتھ رکھ دیا۔ اور اُسے پکڑ کر واپس اُس کے بستر پر لے آئی۔

جب جوآنا نے پہلی مرتبہ بادشاہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور مسکرا کر اپنی خوبصورت اور شریر نگاہیں بادشاہ کی نگاہوں میں ڈالیں تو نوخیز بادشاہ کا غصہ کافور ہو گیا۔

آج پہلی مرتبہ بادشاہ نے جوآنا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اُسے اپنے ہونٹوں سے لگانا چاہا۔ جوآنا کا دل دھڑکنے لگا اور اس نے جلدی سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ نوخیز بادشاہ کے دل میں رشک اور محبت کے جذبات نے ایک طوفان اٹھا رکھا تھا۔ اس نے اپنے بازو آگے بڑھائے اور پوری قوت کے ساتھ بجلی کی طرح اس حسینہ کو اٹھا کر اپنی آغوش میں بٹھا لیا۔ جوآنا تڑپ کر اس کی آغوش سے علیحدہ ہو گئی۔ نوخیز بادشاہ نے ہاتھا پائی کر کے اُس کا منہ چومنا چاہا۔ لیکن جوآنا نے ہر مرتبہ اپنا منہ اپنے دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا۔

تھوڑی سی کشمکش کے بعد بادشاہ نے تھک ہار کر کہا "اگر تم مجھے آج رات اپنا منہ چوم لینے دو گی تو میں اپنی آدھی سلطنت تمہیں دے دونگا" یہ کہہ کر بادشاہ نے پھر اپنے کانپتے ہوئے لب جوآنا کے خوبصورت لبوں سے ملانے چاہے۔ لیکن جوآنا اپنی ضد پر قائم رہی۔ وہ آدھی سلطنت کو کیا کرتی۔ وہ جانتی تھی کہ آدھی کیا پوری سلطنت بادشاہ اس کے قدموں پر نثار کرنے والا ہے۔ اگر وہ آج رات اپنے لبوں سے بادشاہ کو آبِ حیات پلا دیتی یا آج رات نوخیز بادشاہ کو وصل کی شیریں شراب پلا دیتی تو بہت ممکن تھا کہ نوخیز بادشاہ کی آتشِ عشق یا تو بالکل بجھ جاتی یا سرد پڑ جاتی۔ وہ خود بادشاہ کی آغوش میں پناہ لینے کے لئے بیقرار تھی۔ لیکن ساتھ ہی وہ جانتی تھی کہ آج کی رات کا "انکار" اس کی آئندہ راتوں کو وصل کی لذتوں سے سیمیں و زریں بنا دے گا۔ چنانچہ وہ اپنے ارادوں پر استقلال سے قائم رہی۔ اس نے اپنے محبوب سے صاف صاف کہہ دیا کہ جب ہم ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے وابستہ ہو جائینگے تو تم پھر میرے جسم کے مالک بن سکتے ہو۔ ابھی میرے لئے تمہاری حیثیت ایک اجنبی اور غیر مرد کی سی ہے۔

(۴)

آج جوآنا ملکہ بن چکی تھی۔ تمام سلطنت میں خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔ اسی خوشی میں ڈنمارک کے تمام بازار آراستہ کر دیئے گئے تھے۔ امراء و وزراء اور اربابِ حکومت شادی کے جشن میں خوشیاں منا رہے تھے۔

شاہی محل کی خوابگاہ پر آج ایک تجلی زار کا گمان ہوتا تھا۔ رات روزِ روشن معلوم ہو رہی تھی۔ جوآنا عطر اور تجلی کے دریا سے نہا کر آئی ہوئی ایک گلفام پری معلوم ہوتی

تھی۔ اُس نے آج ایک ایسی پوشاک پہن رکھی تھی جس نے اس کے جسم کے صرف نصف حصے کو ڈھانپ رکھا تھا اور اس کا گورا گورا جسم اس کے چُست باریک اور رنگین لباس میں چمک رہا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ستاروں کی شعاعوں کو گوندھ کر اس کے جسم میں جذب کر دیا گیا ہے اُس کی آنکھیں ستاروں کی طرح چمک رہی تھیں اور لانبی لانبی زلفیں اُس کے گورے گورے عریاں شانوں کی بلائیں لے رہی تھیں۔ سینے کے دلکش اُبھار قیامت ڈھا رہے تھے۔ غرضیکہ وہ حسن اور عظمت کی ایک ایسی تصویر معلوم ہو رہی تھی جس سے فرشتوں کو بھی ہم آغوش ہونے کی جرأت نہ ہو سکے۔

نوخیز بادشاہ نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور کہنے لگا یہ تمہیں یاد ہے وہ رات جبکہ جوگ کے جنگل کے محل میں میرے بازوؤں اور ہونٹوں نے تم سے شرارت کرنی چاہی تھی۔ اُس وقت تم ایک غیر عورت تھیں۔ اب تم میری ملکہ ہو لیکن نہ معلوم کیوں اب میں تم سے ہم آغوش ہونے سے ڈرتا ہوں۔ میں سوچتا ہوں اگر میرے لب تمہارے لبوں سے مل گئے تو تمہارے ہونٹوں کا بجلی کا سا مس مجھے فنا کر دیگا۔ تمہارے خوشبودار گالوں کا مہکا ہوا بوسہ مجھ پر ایک مرگ آفریں نشہ طاری کر دے گا۔ تمہاری خوشبودار سانس میرے مشام جاں پر ایک تجلی اور لذت آفریں مدہوشی طاری کر دے گی اور اگر میں تم سے ہم آغوش ہو گیا تو میری روح تمہارے گورے گورے چمکیلے جسم میں ہمیشہ کے لئے جذب ہو کر رہ جائے گی۔

ملکہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور اس نے اپنی نگاہیں حیا سے نیچی کر کے اپنے دونوں بازو بادشاہ کی طرف پھیلا دیئے۔ نوخیز بادشاہ کو ملکہ کے گدرائے ہوئے پُرشباب جسم

نے مقناطیس کی طرح اپنی طرف کھینچ لیا۔ دو دھڑکتے ہوئے دل اور کانپتے ہوئے جسم ایک لمحے میں ایک دوسرے سے مل گئے۔ ملکہ لڑکھڑائی، دو قدم پیچھے ہٹی اور اپنے بستر پر جس پر پھول ہی پھول بچھے تھے ایک نازک کلی کی طرح گر گئی۔

بادشاہ کے جسم کے ساتھ دو عریاں بازو لپٹے تھے اس طرح جیسے کسی حسین ناگن نے کسی کو جکڑ رکھا ہو۔ سفید ریشمی تکیے پر خوشبودار زلفیں بکھر کر کالی گھٹاؤں کا سماں پیش کر رہی تھیں بادشاہ اور ملکہ دونوں کے سینوں کو ایک دوسرے کے دل کی دھڑکن محسوس ہو رہی تھی اور دونوں ایک دوسرے کی خوشبودار سانس کی آواز سن رہے تھے بادشاہ کے لب جوآنا کے شیریں لبوں سے مل گئے اور نہ معلوم کتنی دیر تک ملے رہے۔ جوآنا نے پہلی مرتبہ ایک مرد کا اور بادشاہ نے ایک عورت کا اس قدر طویل بوسہ لیا۔ جوآنا کے ہیجان آفریں جسم اور سینے کے لمس سے بادشاہ کے دل و دماغ پر ایک مدہوشی سی طاری ہو گئی اور وہ جوآنا کے آتشیں بوسوں کے نشیلے زہر سے بے خود و سرشار ہو کر اپنے آپ کو بالکل بھول گیا ——————

صبح جب ان دونوں کی آنکھ کھلی تو ملکہ نے شرما کر اپنے جسم کو ایک ریشمی چادر میں چھپا لیا اور بستر کی شکنوں اور باسی پھولوں کو شرمائی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگی ——————

(۵)

پہاڑ سی کالی رات سر پہ کھڑی تھی۔ ہوا سیٹیاں بجا رہی تھی۔ آندھی نے کئی درخت اکھاڑ پھینکے تھے لیکن ابھی اس کا زور ختم نہیں ہوا تھا۔

ملکہ ایک ویران سڑک پر تیزی سے قدم اٹھاتی گھبرائی ہوئی جا رہی تھی۔ کبھی کبھی وہ دوڑنے بھی لگتی۔ چاروں طرف جنگل پھیلا تھا اور سڑک پر سوائے اس کے اور کسی انسان کا نام و

نشان تک دکھائی نہیں دیتا تھا۔

بادشاہ چند دن کے لئے باہر چلا گیا تھا اور وہ اکیلی تھی۔ اس کی منزل مقصود بہت دور تھی۔ لیکن اسے اس جنگل کی ایک ایک راہ سے واقفیت تھی۔ اس تاریکی اور آندھی کے اس خوفناک طوفان میں بھی وہ راستہ نہ بھول سکتی تھی۔

اس وقت اپنے پرانے محبوب فرلون کا تصور اس کی آنکھوں میں تھا جس کی زندگی اُس نے تباہ کر دی تھی۔ وہ جوآنا کے گاؤں کے نمبردار کا بیٹا تھا۔ اس کے ساتھ وہ بکریاں چرانے جایا کرتی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کے انتائی دوست تھے اور دونوں میں شادی کے وعدے ہو چکے تھے۔ فرلون، جوآنا پر دل و جان سے فدا تھا۔ وہ جوآنا کے والدین کو وقتاً فوقتاً مالی امداد بھی دیا کرتا تھا۔ اور کئی مصیبتوں میں جوآنا کے کام آچکا تھا جوگ کے جنگل کے محل میں جوآنا نے بادشاہ سے اس کی تعریفیں کی تھیں جس پر بادشاہ آتش زیر پا ہو گیا تھا۔

جوآنا، فرلون کے احسانات کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی تھی۔ بادشاہ سے ملاقات کرنے سے پہلے وہ دونوں عاشق اور محبوبہ کی سی زندگی بسر کرتے رہے تھے۔ لیکن جب جوآنا کے حسن کی وادی میں خود ڈنمارک کے بادشاہ نے قدم رکھا تو ایک غریب بھکاری یعنی فرلون کو وہاں سے نکلنا پڑا۔ جوآنا سے اس کی تمام التجائیں اور منتیں بیکار گئیں۔ پہلے تو جوآنا اُسے تسلیاں دیتی رہی کہ میں بادشاہ سے یونہی ملتی ہوں، مجھے اس سے محبت نہیں اور واقعی پہلے پہل جوآنا بادشاہ سے کسی خاص روحانی جذبے کے ماتحت نہیں ملا کرتی تھی لیکن بعد میں رفتہ رفتہ بادشاہ پر اس کا دل مائل ہونے لگا۔ فرلون غریب تھا اور بادشاہ تو بہرحال بادشاہ تھا۔

جب اس نے جوآنا کے گھر والوں کو مالی امداد دینی شروع کی تو ان لوگوں کا معیارِ زندگی بلند ہو گیا اور شاہی خاندان کے قرب کی وجہ سے وہی فرلون جو کبھی جوآنا کے دل کا قرار تھا اس کے راستے کا کانٹا معلوم ہونے لگا۔

اب بادشاہ کی طرف اس کا دل مائل ہونے لگا۔ وہ پرشکوہ محلات کے خواب دیکھنے لگی۔ اُسے اپنے محبوب پر ترس بھی آتا۔ لیکن عورت اپنی فطرت کو کس طرح بدل سکتی ہے۔ وہ امارت کے سنہری جال میں بری طرح اسیر ہو گئی۔

جب فرلون آ آکر روتے ہوئے اُس کے قدموں پر گرتا تو جوآنا کو اس کے احسانات اور ہمدردیاں یاد آجاتیں۔ وہ سوچتی کہ کس طرح بیماری کے دنوں میں فرلون نے اس کی خدمت اور تیمارداری میں دن رات ایک کر دیئے تھے۔ فرلون کی حالت دیکھ کر اسے گذرا ہوا زمانہ یاد آجاتا اور اس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے لیکن وہ مجبور تھی۔ وہی دل جو فرلون کے لئے وقف تھا ایک دوسرے ڈاکو نے آکر چھین لیا۔

اب وہ محل میں تھی، ملکہ بن چکی تھی۔ لیکن اپنے سابق محبوب کی مہربانیاں اور دردانگیز محبت اُسے نہیں بھولی تھی۔ اب اسے اُس کی سہیلیوں نے بتایا تھا کہ فرلون اس کی شادی کے غم اور فراق میں دیوانہ سا ہو گیا ہے۔ وہ اُن رہگذاروں کو دیوانہ وار چومتا ہے، جہاں سے وہ اکثر گذرا کرتی تھی اور رات رات بھر گاؤں کے باغ میں اور ندی کے کنارے جہاں ان کی ملاقاتیں ہوتی تھیں بھٹکتا رہتا ہے۔ اس کے دل سے صبر و قرار رخصت ہو گیا ہے اور چہرے پر ہوائیاں اڑتی نظر آتی ہیں۔

جوآنا کو اپنے محبوب کی بے قراریوں پر صدمہ ہوتا تھا۔ اس نے اس سے شادی کا وعدہ

کر رکھا تھا۔ اس وعدہ خلافی پر ہر وقت اس کا ضمیر اُسے ملامت کرتا رہتا تھا۔

آخر ایک دن اُس نے بادشاہ سے چوری چھپے اُسے اپنے محل میں بلایا۔ اپنے محبوب کی بُری حالت دیکھ کر اس کا دل پسیج گیا، وہ زار و قطار رونے لگی۔

فرلوآن نے اپنے زبردست دلائل سے ثابت کر دیا کہ اس نے اس کے ساتھ غداری کی ہے، جوآنا اُس کی ہے صرف اُس کی ——— رات بھر کی بحث و تکرار کے بعد جوآنا اس بات پر رضامند ہو گئی کہ وہ کسی خاص موقعہ پر اپنے سابق محبوب کے ساتھ اس کی شکستہ جھونپڑی میں ایک رات گذشتہ دنوں کی یاد میں بسر کرنے کے لئے تیار ہے جوآنا نے اس سے کہہ دیا کہ ملکہ بننے کے نشہ میں انسانیت کو اس نے خیرباد نہیں کہی۔ چونکہ اس کا ضمیر فرلوآن سے غداری کرنے پر اسے ملامت کرتا تھا اس لئے وہ اپنے سابق محبوب کی پہلی اور آخری خواہش پوری کرنے پر رضامند ہو گئی۔ حالانکہ اِس معاملے میں تھوڑی سی بے احتیاطی یا غفلت اس کا مستقبل تاریک کرنے کے لئے کافی تھی۔

آج آندھی کے اس خوفناک طوفان میں اور پہاڑ سی کالی رات میں وہ اپنا وعدہ پورا کرنے کے لئے آندھی کی سی تیزی کے ساتھ اپنے محبوب کی اُس جھونپڑی کی طرف جا رہی تھی، جو جنگل میں تھی۔ ایک معتبر سہیلی کے ذریعے اس خطرناک ملاقات کا انتظام ہو چکا تھا۔

اس وقت اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ سانس پھولی ہوئی تھی اور اس کا ریشمی لباس خاردار جھاڑیوں میں الجھنے کی وجہ سے جگہ جگہ سے تار تار ہو گیا تھا۔ لیکن اُسے آج اپنے مجنوں کی آتش عشق کو فرد کرنا تھا۔ وہ دل میں ہیجان خیز جذبات کا ایک طوفان لئے بجلی کی طرح جنگل میں اُس تنہا جھونپڑی کی طرف کھنچی چلی جا رہی تھی۔ اس کے دل میں طرح طرح

کے وہم اٹھ رہے تھے۔ کبھی اسے خیال آتا کہ کہیں میری سہیلی نے مجھ سے غداری نہ کی ہو اور تمام حالات سے بادشاہ کو خبردار نہ کر دیا ہو، کبھی خیال آتا کہ کہیں بادشاہ کی سواری آتے راستے میں نہ آملے۔ کبھی اسے اس بات کا کھٹکا ہوتا کہ کہیں بادشاہ محل میں نہ آگیا ہو اور اسے ڈھونڈ نہ رہا ہو۔

آخر دیارِ محبوب آپہنچا۔ جھونپڑی میں ایک دھندلی شمع جلتی ہوئی اسے دور ہی سے نظر آگئی۔ وہ ڈگمگاتے ہوئے قدموں کے ساتھ جھونپڑی کے قریب پہنچی۔ یکایک اسے ایک متحرک سایہ نظر آیا جس نے جھونپڑی میں جلتی ہوئی شمع گل کر دی۔

جب اس نے جھونپڑی میں قدم رکھا تو اس کے محبوب نے زبردستی اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔

وہ کہنے لگی کہ "تم نے شمع کیوں بجھائی ہے شمع تو روشن کر دو" مگر اس کے محبوب کی مہر سکوت نہ ٹوٹی۔

وہ بولی "خاموش کیوں ہو بولتے کیوں نہیں"۔ اب بھی اس کے محبوب نے کوئی جواب نہ دیا۔ آخر وہ کہنے لگی "اب تو خوش ہو میں نے جان پر کھیل کر تمہاری خواہش پوری کر دی"۔

یکایک جوآنا نے محسوس کیا کہ اس کے محبوب کے حیوانی جذبات بیدار ہو گئے ہیں۔

کچھ دیر کی کشمکش کے بعد جوآنا اپنا نیم عریاں جسم اپنے محبوب کے سپرد کرنے پر مجبور ہو گئی اور آخر اس جھونپڑی میں بھی وہ بات ہو کے رہی جو محل میں شادی کی پہلی رات ہو چکی تھی۔

ابھی جوآنا کے ہوش و حواس بجا نہیں ہوئے تھے کہ اس کا محبوب تڑپ کر اٹھ کھڑا ہوا،

اور اُسے کھینچ کر جھونپڑی سے باہر لے گیا۔

اُس وقت بادل گرج رہا تھا اور بجلی چمک رہی تھی۔ اب دونوں ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو کھڑے تھے۔ تاریکی اس قدر تھی کہ ان دونوں کو ایک دوسرے کا چہرہ تک نظر نہ آتا تھا۔

یکایک بجلی زور سے چمکی۔ جوآنا کے منہ سے ایک دردناک چیخ نکل گئی۔ کیونکہ اس نے دیکھا کہ اس کے سامنے فرلون کی بجائے بادشاہ کھڑا غصے سے کانپ رہا ہے۔

دفعتاً ایک تلوار بجلی کی طرح چمکی اور ملکہ کے سینے میں پیوست ہو گئی۔ ملکہ ایک چیخ مار کر تڑپتی ہوئی زمین پر آ گری اور اس کے منہ سے بے اختیار "اُف پیارے فرلون" کے لفظ نکل گئے۔

بادشاہ جسے جوآنا کی غدار کنیز نے تمام حالات سے آگاہ کر دیا تھا۔ وقتِ مقررہ پر جھونپڑی میں آ گیا تھا۔ غدار سہیلی فرلون کی بجائے بادشاہ کو جھونپڑی میں لے آئی تھی۔

یکایک بادشاہ شمع جلا کر جھونپڑی سے باہر لے آیا۔ اب آندھی رک گئی تھی اور بارش ہونے والی تھی۔ اس نے جب شمع کی روشنی ملکہ کے چہرے پہ ڈالی تو وہ کانپ گیا، اس سے یہ فعل اضطراراً اور دیوانگی میں سرزد ہو گیا تھا۔ اس کے دل میں جوآنا کے لئے محبت کا ایک زبردست سمندر اُمنڈ آیا۔

یکایک تلوار پھر اندھیرے میں چمکی۔ بادشاہ نے اُسے اپنے سینے میں پیوست کر لیا اور تڑپ کر ملکہ کی لاش پر آ گرا۔

صبح لوگوں نے دیکھا کہ ڈنمارک کے بادشاہ لوئیس کی لاش ملکہ کی لاش سے لپٹی ہوئی تھی۔

مصری شہزادہ اور فرنگی حسینہ

ایک دردانگیز رومان

ڈیوک آف واٹسن کی زندگی میں فلورا فرگسن کو کبھی حقیقی مسرت حاصل نہیں ہوئی تھی۔ وہ "تھیٹر بجلی دنیا" کی ایک حسین پری تھی جسے ڈیوک آف واٹسن نے شیشے میں اُتار لیا تھا۔ شروع شروع میں تو دونوں میں خوب نباہ ہوتا رہا۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد ڈیوک کی طبیعت اُس سے اُکتا گئی اور اس کا میلان طبیعت اپنی بیوی کی بجائے شراب اور اوباش عورتوں کی طرف ہوتا گیا۔

فلورا فرگسن انگلستان کے تھیٹر کی سب سے زیادہ قیامت خیز حسینہ تھی۔ اس کے چاہنے والوں کی تعداد کا اندازہ ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ ہر روز اسے اس قدر عشقیہ خطوط موصول ہوتے کہ ان کا پڑھنا اس کے لئے دشوار ہو جاتا۔ بھلا وہ کیسے گوارا کر سکتی تھی کہ اس کا شوہر غیر عورتوں کے منہ چومتا پھرے اور اس سے چوری چھپے باغوں میں ڈالی کی سی لچکیلی کمر والی عورتوں کی کمر میں بازو ڈال کر چلے۔ وہ حسینہ جس کا گورا گورا خوبصورت پاؤں چومنے کے لئے ایک ڈیوک تماشائی نے ایک مرتبہ ایک ہزار پونڈ کی رقم پیش کر دی تھی، کس طرح گوارا کر سکتی تھی۔ کہ اس کا محبوب دوسری عورتوں کا منہ چومنے کے بعد جھوٹے لبوں سے

اس کے منہ پر ہوس کار بوسوں کی مہریں ثبت کرے۔ پہلے تو اس نے معمولی فہمائش سے کام لیا۔ لیکن جب وہ قطعاً نا امید ہو گئی تو جی ہی جی میں کڑھنے لگی۔

اب تک ڈیوک آف والٹن ریاکاری سے کام لے رہا تھا۔ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے کے لئے اس نے ایک محل نما مکان لے رکھا تھا جس میں شام کو "کلب کے ممبروں" کی میٹنگ ہوا کرتی تھی۔ لیکن یہ کلب تو محض ڈھونگ تھا۔ درپردہ ڈیوک نے اس کلب کو قصرِ عیش و عشرت بنا رکھا تھا۔ شراب کے دَور چلتے۔ لیکن ڈیوک اپنی بیوی فلورا فرگسن پر یہ ظاہر کرتا تھا کہ وہ بہت پارسا ہے اور غیر عورت کے سائے سے بھی دور بھاگتا ہے

لیکن فلورا بھی کوئی بھولی بھالی عورت نہ تھی۔ اس نے ہزاروں مردوں کے دلوں کو اپنے غمزوں اور ناز و ادا سے مجروح کیا تھا۔ کئی ڈیوک اس کے سامنے گھٹنے ٹیک چکے تھے۔ بیشمار نوجوانوں کو وہ اپنی محبت کی تلوار سے قتل کر چکی تھی۔ وہ ان فریبوں میں کس طرح آتی۔ چنانچہ اس نے ڈیوک کی ہوس کاری ثابت کرنے کے لئے ایک بہت دلچسپ چال چلی۔

روزی پارکنسن اس کی البیلی اور شوخ سہیلی تھی۔ اپنی حسین شوخیوں سے وہ نوجوانوں کے دل موہ لیتی۔ وہ اس کی ہر شوخ ادا پر جان نچھاور کرتے۔ سو فلورا فرگسن نے اپنے شوہر کو سازش کے جال میں اسیر کرنے کے لئے اس البیلی حسینہ کو منتخب کیا۔ روزی کو بھی مذاق، چھیڑ چھاڑ اور دل لگی سے عشق تھا۔ فوراً تیار ہو گئی۔

فیصلہ یہ ہوا کہ یہ شوخ ادا چڑیا اپنے غمزوں سے ڈیوک کو دامِ محبت میں اسیر کر لے اور جب یہ البیلی پری ڈیوک کی ہوس کاری کا مرکز بننے والی ہو اور اس کے لب روزی

کی دوشیزگی کو ہوس آلود کرنے کے لئے روزی کے لبوں سے ملنے والے ہوں تو اُسے عین موقع پر پکڑ لیا جائے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ دو ہی دن کی ناز آفرینیوں اور شوخ اداؤں کے بعد ڈیوک اپنی بیوی کی سہیلی کے لئے بیتاب ہو گیا۔ ایک شام ڈیوک نے روزی کو اپنے کلب میں آنے کی دعوت دی جسے روزی نے فوراً منظور کر لیا۔ اُسے کیا معلوم تھا کہ وہ کنوئیں میں چھلانگ لگا رہی ہے اور ڈیوک کی دعوت منظور کر کے اس نے اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی ماری ہے وہ اپنی چھیڑ چھاڑ اور شوخیاں دکھلانے کی فطرتی عادت سے مجبور تھی۔ دوسرے وہ اپنی عزیز سہیلی کی مدد بھی کرنا چاہتی تھی۔ وہ اپنی دوشیزگی کی ناؤ کو ہوس کے سمندر میں چھوڑنے کے لئے بالکل تیار ہو گئی۔

جس شام کو وہ ڈیوک سے ملنے والی تھی، اس نے بہترین چست اور باریک لباس زیب تن کیا اور اس کا نور کے سانچے میں ڈھلا ہوا نوجوان جسم رنگین لباس میں اس طرح جھلملانے لگا جیسے بلور کی نازک سی بوتل میں شرابِ ارغواں جھلکتی ہے۔ آج حسین لباس میں اس کا جوبن یوں پھٹا پڑتا تھا۔ جیسے بدلی میں سے چاند۔ بہترین قسم کے عطر کی خوشبو سے اس نے اپنے لباس کو پھول کی پتیوں سے بھی زیادہ مہکا لیا تھا۔ اس طرح کہ وہ ایک مہکتا ہوا پھول معلوم ہو رہی تھی —— ایسا پھول جو گلشن کے پھولوں سے کہیں زیادہ حسین اور باعثِ کشش ہو۔

وقتِ مقررہ پر شوخ ادا روزی اپنی سہیلی کے مکان سے اِٹھلاتی ہوئی نکلی اور قدم قدم پر پھول بکھیرتی، شوخیاں دکھاتی، کمر لچکاتی، فضاؤں میں اپنے ریشمیں لباس کی

خوشبو لبساتی نوجوانوں کو اپنی عریاں پنڈلیوں اور اپنے ابھرے ہوئے سینے کی چھب دکھلاتی کلب کی طرف روانہ ہوئی۔ مسز راجرسن نے کلب کے ایک نوکر کو اپنی ہیرے کی انگوٹھی انعام میں دے کر پہلے سے اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ اور روزانہ سے پہلے کلب میں پہنچ چکی تھی اور ڈیوک کی خواب گاہ کے ساتھ والے کمرے میں جہاں شراب کی بوتلیں رکھی جاتی تھیں چھپ گئی تھی۔ اپنے شوہر کو عین موقع پر جا پکڑنے کے لئے اس سے بہتر اور کوئی جگہ نہ تھی۔

تھوڑی ہی دیر بعد خواب گاہ میں قدموں کی چاپ سنائی دی۔ ڈیوک کا معتبر نوکر خواب گاہ میں سے ہوتا ہوا ساتھ والے کمرہ میں جہاں فلورا فرگسن چھپی ہوئی تھی آ داخل ہوا۔ اور گھبرا کر فلورا سے کہنے لگا۔ "آقا آ یا ہی چاہتے ہیں۔ میں آپ کی آمد اُن سے چھپانا نہیں چاہتا کہیں ایسا نہ ہو کہ ...."

فلورا کے دل میں رشک، حسد اور انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ ڈیوک اب خواب گاہ میں آیا ہی چاہتا تھا اور نوکر کی ضد سے تمام بنا بنایا کھیل بگڑ جانے کا اندیشہ تھا۔ چنانچہ فلورا نے اسے دوسری انگوٹھی بھی اتار کر دے دی۔ دوسری انگوٹھی لے کر بھی وہ شش و پنج میں تھا۔ کہ فلورا نے دیوانہ وار اُسے اپنے مخملیں سینے کے ساتھ بھینچ لیا اور اپنے نرم نرم خوشبودار ہونٹوں سے نوکر کے لبوں پر ایک مہر ثبت کر کے اس کے ہونٹ ہمیشہ کے لئے بند کر دیئے نوکر نے شرمندگی سے گردن جھکالی اور "آپ کے حکم کی تعمیل ہو گی" کہہ کر کمرے سے چلا گیا یہ سب واقعہ ایک اضطراری حالت میں ہوا۔ شوہر کی اوباشیوں نے فلورا کو دیوانہ بنا دیا تھا اور یہ حرکت اپنے شوہر سے انتقام لینے کے لئے بے اختیار سرزد ہو گئی۔

شام کا اندھیرا ہر طرف پھیل چکا تھا۔ یکایک ڈیوک نے آ کر خواب گاہ کی دیوار کا

بٹن دبایا۔ ایک دم بیشمار شمعیں روشن ہو گئیں اور کمرہ جگمگانے لگا۔ ڈیوک ہاتھ میں سگار لئے خیالوں میں غرق صوفے پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد باہر برآمدے میں کسی کے خوبصورت قدموں کی شوخ آہٹ سنائی دی۔ ڈیوک کا خواب گاہ میں اور ڈیوک کی بیوی کا اپنے کمرے میں دل دھڑکنے لگا۔ وہ اپنے کمرے میں دروازے کی ایک درز میں سے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

یکایک شوخ ادا روزی مسکراتی ہوئی خواب گاہ میں آ داخل ہوئی۔ ڈیوک خوشی سے اچھل کر اپنی جگہ پر سے اٹھ کھڑا ہوا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں زور سے دبا کر اسے صوفے کے پاس لے گیا اور اپنے پاس بٹھا لیا۔ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد ڈیوک کے انداز گفتگو میں کچھ گھبراہٹ سی پیدا ہونے لگی اور آخر میں اس نے کہا۔ "روزی تم کس قدر خوبصورت ہو۔ اس وقت تم میری محبت کے آسمان پر خوبصورت ستارہ بن کر چمک رہی ہو۔"

روزی مصنوعی گھبراہٹ کے مانند صوفے پر ڈیوک سے ذرا دور ہو کر بیٹھ گئی اور کہنے لگی "ڈیوک! مجھے تمہاری باتوں میں محبت کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے"۔

ڈیوک نے کہا "بیشک تم میرے گلشن آرزو کی بہار ہو۔ تم میرے باغ دل کی چہکتی ہوئی سنہری چڑیا ہو۔ تم میری جنت کی حور ہو۔ تم میری مینائے شباب کی چھلکتی ہوئی شراب ہو۔ تم میری لذت و مسرت کا مرکز ہو۔"

روزی اپنی چمکتی ہوئی خوبصورت آنکھیں ڈیوک کی گناہگار آنکھوں سے ملا کر بولی "لیکن میں تو تمہاری حسین بیوی کی سہیلی ہوں"

ڈیوک بے قرار ہو کر بولا " ہاں تم میری بیوی کی سہیلی اور میری شوخ ادا محبوبہ ہو! میں تمہارے قدموں پر اپنی تمام دولت نثار کر دوں گا "

روزی منہ بنا کر بولی " جس طرح اپنی بیوی کے قدموں پر نثار کی! "

ڈیوک اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولا " لیکن حسن اور خوبصورتی میں تو وہ تمہاری لونڈی معلوم ہوتی ہے "۔

روزی ناز و ادا کے ساتھ بولی " وہ میری لونڈی نہیں بلکہ میں اس کی ادنے لونڈی معلوم ہوتی ہوں "۔

جواب میں ڈیوک نے اسے صوفے پر سے زبردستی اٹھا کر اپنے آبنوسی پلنگ پر لا بٹھایا اور اس کے بعد ڈیوک کے بازو روزی کی صراحی دار گردن میں حمائل ہو گئے۔ روزی نے ایک ناگن کی طرح تڑپ کر اپنی بلوریں گردن کو ڈیوک کے بازوؤں کی گرفت سے چھڑا لیا۔

اب ڈیوک نے روزی کی لچکیلی کمر کے گرد اپنا بازو حمائل کر دیا۔

روزی چیخ کر بولی " چھوڑو یہ بازو جھوٹا ہے۔ یہ کتنی عورتوں کی کمر کے گرد لپٹ چکا ہے "۔

ڈیوک نے روزی کو اپنی آغوش میں کھینچ لیا۔ تھوڑی دیر کے لئے اس نے اپنا جسم یہ سوچ کر کہ اب میری سہیلی ساتھ کے کمرے سے نکل ہی آئے گی۔ ڈیوک کی آغوش کے سپرد کر دیا۔

ڈیوک نے شوخ ادا پری کو زور سے بھینچ لیا اور پھر روزی کے بازوؤں کی کشمکش پر غالب آ کر اس کے مقدس لبوں سے اپنے لب ملا دیئے۔ روزی کے منہ سے چیخیں

نکل گئیں۔ وہ اپنا منہ اپنے گریبان میں چھپاتی رہ گئی۔ لیکن شکار صیاد کے چنگل میں تھا۔ آہ، روزی نے اپنی سہیلی کی خاطر اپنا لعل عصمت گنوا لیا تھا۔

روزی کی چیخیں سن کر فلورا دروازے کے پٹ زور سے کھول کر خواب گاہ میں آ داخل ہوئی۔ اور گرج کر کہنے لگی "یہ کیا شیطنت ہے! کیا یہی تمہاری پارسائی ہے؟ آج تم مجرم ثابت ہو چکے ہو"۔

(۲)

ڈیوک کا انتقال ہوئے ایک سال کا عرصہ ہو چکا تھا۔ اسے ایک مشہور تاجر نے جس کی بیوی کے ساتھ ڈیوک نے زبردستی محبت کی ایک رات بسر کی تھی مار ڈالا تھا۔ اب فلورا ظالم شوہر کے پنجے سے ہمیشہ کے لئے رہائی پا چکی تھی۔ اُسے اب مردوں سے نفرت ہو چکی تھی۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ مردوں سے سخت انتقام لے گی۔ جس طرح اس کے شوہر نے بیشمار عورتوں کی زندگیاں تباہ کی تھیں۔ اسی طرح وہ بھی بے شمار مردوں کو تباہ کر کے رہے گی۔

چنانچہ شوہر کی وفات کے بعد وہ طرح طرح کی بھڑکیلی پوشاکوں کے ساتھ سوسائٹی کے بہترین جلسوں میں داد ناز و ادا دینے لگی۔ اس نے نوجوانوں پر محبت کے ڈورے ڈالنے شروع کئے۔

وہ ہر نوجوان کے ساتھ چند دن تک بے پناہ محبت کرتی لیکن اس کے بعد جب اس کی محبت کا ناگ کسی خوبرو نوجوان کے دل کو پوری طرح ڈس لیتا اور وہ بے قرار اور دیوانہ ہو جاتا تو وہ اُسے تڑپتا چھوڑ کر اپنی باہیں کسی دوسرے عاشق کے گلے کے لئے اور

اپنے ہونٹ کسی تیسرے عاشق کے بیتاب ہونٹوں کے لئے وقف کر دیتی۔

سینکڑوں نوجوانوں کے دلوں کو یہ بے رحم ناگن ڈس چکی تھی۔ بیسیوں خودکشی کر چکے تھے اور متعدد اب بھی اس سے رشتۂ محبت استوار کرنے کی فکر میں تھے۔

اب ایک مصری شہزادے کی باری آئی۔ شہزادہ صبحی سے مراسم بڑھانے کی خاطر فلورا کی سہیلی روزی نے ایک شاندار ڈنر دیا اور اس میں فلورا کا تعارف شہزادہ صبحی سے کرایا گیا۔ اس ڈنر میں بہت سے بڑے بڑے ڈیوک اور شہر کے امراء اور رؤسا شریک ہوئے، لیکن ان سب میں ممتاز ترین شخصیت نوجوان شہزادے کی تھی۔

نوجوان شہزادے کے چہرے سے شجاعت ٹپکتی تھی اور آنکھیں اس قدر خوبصورت تھیں کہ شعر کہتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ جونہی اس کی آنکھیں فلورا کی خوبصورت آنکھوں سے دوچار ہوئیں۔ اس کے دل میں شمع الفت نور پاشیاں کرنے لگی اور اس کے ناتجربہ کار دل کی ناؤ جذبات کے وسیع سمندر میں ہچکولے کھانے لگی۔

فلورا بہت جلد شہزادے سے گھل مل گئی۔ بڑی بے تکلفی اور دلچسپی کے ساتھ اس سے باتیں کرنے لگی اور نگاہوں ہی نگاہوں میں اس کی ہمت بڑھاتی رہی۔

رخصت کے وقت فلورا نے شہزادہ صبحی سے نہایت تپاک کے ساتھ ہاتھ ملایا اور کہا۔ "مجھے امید ہے کہ آپ ہمیشہ مجھ سے ملتے رہیں گے اور مجھے کبھی نہیں بھولیں گے۔ آپ نے آج اپنی زندگی اور اپنے خوبصورت ملک کے حالات سنا کر مجھے اپنا اور اپنے ملک کا گرویدہ بنا لیا ہے۔ تصور ہی تصور میں میں آپ کے ساتھ آپ کے ملک میں جا پہنچی ہوں اور مجھے یوں معلوم ہوتا ہے جیسے مصر کے کسی خوبصورت مرغزار میں ہم

دونوں ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے ہیں!"

شاعرانہ مزاج رکھنے والے شہزادے نے بڑی گرمجوشی کے ساتھ اپنی محبوبہ کے ساتھ مصافحہ کیا اور وہ وہاں سے چلی گئی۔

(۳)

شہزادہ صبحی جب اپنے ہوٹل کے شاندار کمرے میں پہنچا تو اس کا دل اپنی محبوبہ کی یاد میں ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ وہ رات بھر قدیم مصر کے عشقیہ گیت الاپتا رہا۔

اب شہزادہ صبحی نے موقع بے موقع فلورا سے ملنا شروع کیا۔ محبت کی پینگیں روز بروز بڑھنے لگیں۔ ایک دن ایک عظیم الشان محفلِ رقص منعقد کی گئی۔ اِس محفلِ رقص کے منتظمین نے "ناچ ہال" کے گرد چھوٹے چھوٹے علیحدہ گوشے بھی مہیا کر رکھے تھے تاکہ مہمان ناچ سے تھکنے کے بعد وہاں بیٹھ کر سستا سکیں۔ شہزادہ صبحی اس ناچ میں مدعو تھا اور فلورا بھی!

ناچ شروع ہوا۔ رنگ برنگی پریوں کی بے حجابانہ حرکات اور نیم برہنہ جسموں کی محبت طلب چمک اور سینوں کی اُٹھان نے ناتجربہ کار صبحی کے جذبات کو بُری طرح برانگیختہ کر دیا اور جب دورانِ رقص میں فلورا کی چمکیلی آنکھوں نے شہزادے کو دعوتِ محبت دی تو وہ اُسے ایک گوشے میں لے گیا۔

فلورا کے رقص کے چست اور خوبصورت لباس نے اس کے جسم کے حُسن کو چار چاند لگا رکھے تھے۔ اس نے اپنے مصری عاشق کو بے قرار کرنے کے لئے ایک عجیب قسم کی خوشبو اپنے لباس میں لگا رکھی تھی جس کی لپٹیں سے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھیں۔

نکھرے ہوئے رخسار محبت طلب جذبات کی فراوانی سے تمتما رہے تھے۔ عریاں پنڈلیاں نور خورشید و ماہ کو شرما رہی تھیں اور شیطنت کے خاص جذبات اس کی ہنستی ہوئی آنکھوں میں رقص کر رہے تھے۔ صبحی نے فلورا کی کمر میں ہاتھ اور اس کی خوبصورت آنکھوں میں نگاہیں ڈال کر کہا "تمہارا سُرخ و سپید رنگ گلاب کے پھولوں کو مات کر رہا ہے۔ تم ایک آسمانی حور ہو۔ میں تمہیں نہیں بتا سکتا کہ مجھے تم سے کس قدر محبت ہے! —— میں تمہیں اپنی شریک حیات بنانا چاہتا ہوں اور تمہاری خاطر ہر چیز پر لات مارنے کے لئے تیار ہوں۔ تم میری ملکہ ہو اور میں تمہیں اپنے ہمراہ مصر لے جاؤں گا"

صبحی کا خیال تھا کہ محبت کا جواب اُسے محبت سے دیا جائے گا اور آج اس کی محبوبہ اس سے شادی کرنے کا قطعی فیصلہ کر لے گی۔ لیکن فلورا دل میں سوچ رہی تھی کہ میں آگ کے شعلوں سے کھیل رہی ہوں۔ کہیں یہ آگ مجھے اور میرے منصوبے کو راکھ نہ بنا دے۔ چنانچہ اس نے فوراً اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ اب اس کھیل کو ختم ہو جانا چاہئے۔

وہ اپنی آنکھوں سے غصے کے شعلے برسا کر کہنے لگی "کیا تم ایک لمحے کے لئے خیال کر سکتے ہو کہ میں ایک کالے آدمی سے شادی کر سکتی ہوں؟"

صبحی کی مضبوط گرفت فوراً ڈھیلی ہو گئی۔ اس کے دل کی عمیق ترین گہرائیوں سے ایک آہ نکلی اور ہونٹوں پر آ کر واپس چلی گئی۔ اس نے اپنے بازو فلورا کی کمر میں سے ہٹا لئے اور بے حس و حرکت کھڑا ہو کر کہنے لگا "تو کیا واقعی تم مجھ سے شادی نہیں کر سکتیں۔ فلورا میں نے اپنی عزت تمہارے قدموں پہ نثار کر دی ہے۔ تم مجھ سے شادی کر کے صرف میری ملکہ ہی نہیں بلکہ ایک وسیع ریاست کی مالک بن جاؤ گی۔ میں تمہیں ایسے ایسے بے شمار

نادر و نایاب جواہرات دے سکتا ہوں جو کسی انگریز عورت نے خواب میں بھی نہ پہنے ہوں میرے باپ کے پوشیدہ خزانوں میں جواہرات کے سینکڑوں صندوق رکھے ہیں۔ وہ سب تمہارے ہونگے"

فلورا اپنی کامرانی پر مسکرا کر بولی " اگر دنیا کے تمام مرد نیست و نابود ہو جائیں اور صرف تمہیں باقی رہ جاؤ۔ تب بھی میں تم سے شادی نہ کروں۔ گوروں کو کالوں سے کیا واسطہ"۔

صبحی ایک خاص جذبے سے بیکل ہو کر بولا " کیا تم اتنی مدت تک مجھے محض بیوقوف بناتی رہیں؟ کیا یہ سب مذاق تھا؟ کیا یورپین لڑکیاں اس قدر بے وفا اور فریبی ہوتی ہیں"؟

فلورا بڑی ڈھٹائی سے بولی " ہاں یہ سب مذاق تھا۔ سب دل لگی تھی۔ شہزادہ صاحب ہوش کے ناخن لیجئے۔ آخر آپ کی عقل کہاں گئی۔ ہم گوری قوم کی لڑکیاں کالا لوگ سے شادی نہیں کر سکتیں۔ یہ ہماری بے عزتی کے مترادف ہے"

وہ اپنے منہ سے کچھ اور "پھول" بھی برساتی لیکن صبحی کمرے سے باہر نکل گیا اور فلورا وہیں بیٹھی رہی۔

آخر ایک اور شریکِ رقص وہاں آ پہنچا اور فلورا اس کے ساتھ ناچنے لگی۔

اِدھر فلورا نے دورانِ رقص میں محبت کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ اُدھر صبحی اپنے ہوٹل کا کمرہ بند کئے فلورا کے نام ایک خط لکھ رہا تھا۔ اس خط میں اس نے اپنی ناکام محبت کا اس قدر درد انگیز نقشہ کھینچا تھا کہ جب اسے فلورا نے پڑھا تو اس کی بے وفا آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔

دوسرا خط اس نے اپنے باپ کے نام لکھا جس میں اپنی محبت اور نامرادی کی داستان

صاف صاف لکھ دی۔ ان دونوں خطوں کو اس نے خود ڈاک میں ڈالا۔ اس کے بعد اپنے کمرے میں آیا اور پستول کی گولی اپنی کنپٹی سے پار کر کے ہمیشہ کی نیند سو گیا۔

(۴)

شہزادہ صبحی کی خودکشی کے واقعہ کو ڈیڑھ سال گذر چکا تھا۔ سوسائٹی کے لوگ صبحی کے غمناک انجام کی یاد دلوں سے فراموش کر چکے تھے۔ فلورا کے دل میں کبھی درد کی ٹیسیں نہ اٹھی تھیں۔ صبحی کی یاد نے کبھی اس کے دل کو مجروح نہیں کیا تھا۔ آخر فلورا کے آسمانِ محبت پر ایک اور ستارہ طلوع ہوا۔ یعنی پارکنسن نامی ایک شخص سے اُسے محبت ہو گئی۔

پارکنسن ایک نہایت نیک اور امیر کبیر آدمی تھا۔ عورتوں کے غمزے اسے متاثر نہ کر سکتے تھے۔ وہ ایک با اصول اور خود دار آدمی تھا۔ اس سے پہلی ملاقات کے بعد جب فلورا گھر پہنچی تو اس کے مقابلے میں اپنی خامیوں کو محسوس کر کے زار زار رونے لگی۔ وہ حیران ہو رہی تھی کہ دنیا میں ایک ایسا آدمی بھی ہے جو اس کی اداؤں پر دیوانہ وار جان نہیں دیتا۔

فلورا کی بعض خوبیوں کی وجہ سے پارکنسن جیسا خود دار اور با اصول آدمی بھی متاثر ہوتا گیا۔ بہرحال جب فلورا اس کے سامنے آتی تو اپنے آپ کو اس طرح پگھلتا ہوا محسوس کرتی جیسے آگ کی گرمی سے موم پگھل جاتا ہے۔ وہ بارہا یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتی کہ اس نے اپنی زندگی کے کئی سال ضائع کر دیئے ہیں۔ وہ سوچتی کہ کاش اس کی زندگی کے گزرے ہوئے سال بھی پارکنسن ہی کی پرستش میں بسر ہوتے، وہ اپنی زندگی کے ضائع شدہ

حصے پر بار ہا کفِ افسوس مل مل کر پشیمان ہو جاتی۔

ایک دفعہ محبت کی بے قراری سے مجبور ہو کر فلورا نے پارکنسن سے اپنا حالِ دل کہدیا اور اسے بتا دیا کہ ایک حسین عورت کو تنہائی کی زندگی میں کیسی کیسی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پارکنسن نے جب اس کی محبت کی بیقراری دیکھی تو اس نے مسکرا کر اس سے شادی کی درخواست کر دی۔ فلورا کو یکایک محسوس ہوا کہ وہ خطۂ ارض سے باغِ جنت میں جا پہنچی ہے۔ آج اس کی مسرت کی کوئی انتہا نہ تھی۔

پارکنسن نے دوبارہ کہا "فلورا مجھے دنیا میں بہت سے اہم کام کرنے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ کوئی مجھ میں زندگی کی روح پھونک دے۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے تم مجھ میں عمل کی روح پھونکنے کی طاقت رکھتی ہو۔"

پارکنسن نے یہ الفاظ نہایت خلوص اور محبت کے ساتھ کہے اور فلورا نے بھی محبت میں ڈوبی ہوئی آواز سے جواب دیا کہ "جان و دل سے زیادہ پیارے محبوب! اگر میرا کوئی فعل تم میں زندگی اور عمل کی روح پھونک سکتا ہے تو میں اپنی جان اور دل دونوں تم پر نثار کرنے کے لئے تیار ہوں۔ میری روح، میرا دل اور میرا جسم تمہارا ہے۔ کاش یہ تمہارے کام آسکے۔"

جب فلورا نے یہ فقرات کہے تو اس کے چہرے پر ایک ایسا آسمانی نور برس رہا تھا کہ پارکنسن جیسے سنجیدہ اور مغرور آدمی کا دل بھی لطیف عنایات سے لبریز ہو گیا۔ آج تک اس نے کسی عورت سے اظہارِ محبت کرنا کسرِ شان سمجھا تھا۔ مگر اب وہ فلورا سے کہنے لگا۔ "فلورا تم میرے گلشنِ ہستی کی زندہ بہار ہو تم نے مجھ جیسے سنگدل انسان کے دل میں

عشق کی روح پھونک دی ہے۔ میں نے اپنے مستقبل کو درخشاں بنانے کے متعلق بہت سے منصوبے باندھ رکھے ہیں۔ اگر تم میرا ساتھ دو تو کچھ عجب نہیں کہ میں اپنے آپ کو تمہارے لائق ثابت کر سکوں۔ لیکن اگر تم نے مجھ سے بے وفائی کی تو میرا نہالِ آرزو ہمیشہ کے لئے مرجھا جائے گا"

فلورا نے جواب دیا "پیارے پارکنسن میں نے اپنا دل تمہارے مقدس قدموں پر رکھ دیا ہے۔ میں تمہاری بیوی بن کر نہیں بلکہ کنیز بن کر رہوں گی"

اس وقت فلورا کے تاریک دل کا گوشہ گوشہ سچے اور پاکیزہ عشق کے نور سے فروزاں ہو گیا۔ متلون مزاجی، تصنع بناوٹ اور ہوس کے جذبات سے اس وقت اس کا دل خالی تھا۔ اس وقت محبت کے نور کی بارش سے اس کا گناہ آلود جسم دھل کر پاک ہو گیا تھا۔ اب وہ صحیح معنوں میں عورت بن گئی تھی۔ اس کے گال دوشیزہ لڑکیوں کے گالوں کی طرح شرم سے سرخ ہو رہے تھے اور اس کی آنکھیں اپنے پچھلے گناہوں کے احساس سے نم آلود ہو رہی تھیں۔

(۵)

قاہرہ کی ایک صحرائی آبادی کے ایک سہانے مرغزار میں پارکنسن اپنی بیوی کے ساتھ خوشگوار موسم اور کھلے ہوئے پھولوں کے نظارے سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ سرسبز وادی جنت کا سماں پیش کر رہی تھی۔ فلورا کی گود میں ایک خوبصورت بچہ بھی تھا جو ستارۂ صبح کی طرح حسین و جمیل تھا۔ فلورا اپنی عمر کے کسی حصے میں اتنی خوش نہ ہوئی تھی جتنی آجکل تھی۔

پارکنسن نے فلورا سے کہا کہ "برطانیہ کے سیاسی وفد کی طرف سے میری طلبی کا پروانہ

موصول ہوا ہے۔ میں اور دوسرے ارکانِ وفد ایک ایسی جگہ جا رہے ہیں جہاں ابھی تہذیبِ جدید نے قدم نہیں رکھا"

فلورا بولی "میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی"

پارکنسن نے کہا "پیاری فلورا یہ سفر بہت خطرناک ہے۔ میں تمہیں اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا"

فلورا نے جواب دیا "اگر تم مجھے ساتھ نہ لے گئے تو میں زہر کھا لوں گی"

پارکنسن نے مسکرا کر جواب دیا "لیکن بچہ کس کے پاس رہے گا؟"

فلورا نے جواب دیا "اپنی جاں نثار آیا کے پاس۔ وہ خود مر جائے گی مگر بچے کو کوئی گزند نہ پہنچنے دے گی"

پارکنسن کچھ سوچ کر بولا "اچھا میں تمہیں ساتھ تو لے چلتا ہوں۔ لیکن مجھ سے وعدہ کرو کہ خواہ تمہیں کتنی مصیبتیں اٹھانی پڑیں تم میری محبت میں ثابت قدم رہو گی"

فلورا اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دی۔

دونوں سفر پر روانہ ہو گئے۔ دو ماہ تک مصر کے ریگستانوں اور جنگلوں میں گھومتے رہے۔ اس کے شوہر کا سفر نہایت شان و شوکت سے طے ہوتا تھا۔ آگے آگے اس کی سواری ہوتی تھی اور پیچھے پیچھے مسلح دستہ اور دوسرے نوکر۔ اور یہ سب اس لئے تھا کہ وحشی اقوام پر انگریزی حکومت کا رعب اور دبدبہ طاری ہو جائے۔

فلورا بھی سفر میں نہایت پر شکوہ لباس زیب تن کرتی تھی۔ جب بڑے بڑے سردار وہ رئیس اسے دیکھتے تو حیرت و استعجاب سے اُن کے منہ کھلے کے کھلے رہ جاتے۔

ایک دن میاں بیوی شام کے وقت اپنے درباری خیمے سے باہر کرسیوں پر بیٹھے تھے کہ پارکنسن نے فلورا سے کہا: "تمہاری شان و شوکت مجھ سے زیادہ ہے۔ کیونکہ ان قبیلوں کے لوگ باتیں تو مجھ سے کرتے ہیں لیکن دیکھتے تمہاری طرف رہتے ہیں۔ ان کے کان اس قدر متوجہ نہیں ہوتے جتنی ان کی آنکھیں ہوتی ہیں۔ میری حکمتِ عملی یقیناً ان لوگوں پر غالب آجائے گی۔ میں کم سے کم نائٹ بنا دیا جاؤں گا یا کوئی اور بڑا اعزاز حاصل کروں گا"

یہ سن کر فلورا کے جسم میں مستی دوڑ گئی اور اس نے اپنی نگاہیں آسمان پر بکھرے ہوئے ستاروں پر جما دیں۔ یکایک پارکنسن چونک کر کہنے لگا: "اوہو مجھے تھوڑی دیر تک یہاں سے چل دینا ہے۔ ایک خطرناک راجدھانی میں جانے والا ہوں۔ اس راجدھانی کا حکمران حکومت سے باغی ہو گیا ہے۔ اس کا سر کچلنا بہت ضروری ہے، افسوس ہے کہ مجھے دو تین دن تم سے جدا رہنا پڑے گا"

فلورا نے بھی جانے کے لئے اصرار کیا۔ لیکن پارکنسن نے اُسے سمجھا دیا کہ "پیاری باغیوں کے علاقے میں جانا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ میں تمہیں ہرگز ہرگز وہاں نہیں لے جاسکتا۔ وہاں تمہاری عزت خطرے میں پڑ جائے گی"

اس کے بعد پارکنسن نے اپنی محبوبہ کے ہونٹوں پر الوداعی بوسہ ثبت کیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر رات کی تاریکی میں غائب ہو گیا۔

رات گذر گئی اور دوسرا دن بھی۔ رات کے قریب پارکنسن کا وفادار نوکر عیسیٰ فلورا کے پاس آیا۔ اس وقت وہ پسینے میں شرابور تھا اور سخت گھبرایا ہوا تھا۔ آتے ہی اس نے کہا: "صاحب گھوڑے سے گر پڑے ہیں اور ران کا دایاں ہاتھ زخمی ہو گیا ہے۔ وہ قلم پکڑ

نہیں سکتے تھے۔ زبانی پیغام بھیجا ہے کہ آپ فوراً چلی آئیں۔ میں حضور کے لئے ایک بند گاڑی بھی لے آیا ہوں۔ تاکہ حضور جلد سے جلد پہنچ سکیں"۔

فلورا گھبرا کر جلدی سے خیمے کے اندر گئی اور لباس پہن کر گاڑی میں جا بیٹھی۔ گھوڑے پوری رفتار سے بھاگنے لگے۔ کوئی آدھ گھنٹے کے سفر کے بعد گاڑی رک گئی، ملازم اپنے ہاتھ میں شراب کا ایک گلاس لایا اور کہنے لگا "میم صاحبہ سخت سردی پڑ رہی ہے آپ تھوڑی سی شراب پی لیجئے۔ تاکہ سردی کوئی اثر نہ کرے"۔

فلورا نے ملازم کے ہاتھ سے گلاس لے کر برانڈی پی لی۔ تھوڑی دیر بعد اس پر نیند طاری ہونے لگی۔ زیادہ دیر نہیں گذری تھی کہ وہ غافل سو گئی۔

(۹)

جب فلورا بیدار ہوئی تو اس نے محسوس کیا کہ گاڑی کے پہیوں کی کھڑکھڑاہٹ اور گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز نہیں سنائی دے رہی۔ بلکہ ہر طرف خاموشی چھا رہی ہے اُس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ وہ کہاں ہے۔ اسے اپنے چاروں طرف پردے لٹکے ہوئے نظر آئے۔ جن سے دھندلی دھندلی روشنی کی شعاعیں اندر آ رہی تھیں۔ اس کے کمرے کے ایک کونے میں سبز روشنی والا ایک لیمپ جل رہا تھا۔

سامنے کے دروازے میں ایک سفید اور لمبی داڑھی والا مصری بوڑھا کھڑا تھا۔ اس کے چہرے سے شاہانہ رعب ٹپکتا تھا۔ فلورا اس کا رعب اور دبدبہ دیکھ کر ڈر گئی۔ اس کی زبان صرف یہ کہہ سکی کہ "میرا شوہر کہاں ہے"؟

بوڑھے نے جواب میں صرف یہ کہا کہ "مجھے تمہارے شوہر کے متعلق کچھ علم نہیں"

فلورا کا سر چکرا گیا اور وہ صوفے پر گر گئی۔

تھوڑی دیر بعد فلورا کچھ سنبھل کر بولی "تم کون ہو؟"

یہ سوال سن کر بڈھے نے ایک قہقہہ لگایا اور نہایت سنجیدگی سے بولا "میں یہاں کا حکمران ہوں"۔

یہ معمہ فلورا کی سمجھ میں نہ آیا۔

بڈھا کہنے لگا "گوری عورت! میں اُس نوجوان کا باپ ہوں جسے تیرے غمزوں اور اداؤں نے موت کے گھاٹ اتار دیا جس کے ساتھ تو نے محبت میں غداری کی۔ میں اب تک انتقام کے موقع کی تاک میں تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ مجھے میری زندگی ہی میں اپنے لختِ جگر کی قاتلہ سے بدلہ لینے کا موقع مل گیا"۔

فلورا کئی سال سے شہزادہ صبحی کی خودکشی کے واقعہ کو فراموش کر چکی تھی جب اسے معلوم ہوا کہ وہ اس کے باپ کے چنگل میں ہے تو اس کی روح فنا ہو گئی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ لیکن اس کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔ اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "تمہارا کیا مطلب ہے، تم مجھ سے مذاق کر رہے ہو کیا تم نہیں جانتے کہ میرا شوہر مسٹر پارکنسن گورنمنٹ کا......"

بڈھا حکمران اسے خاموش کر کے بولا "تو اچھی طرح جانتی ہے کہ میرا بیٹا بہادر، نیک اور عقلمند تھا۔ لیکن اے ظالم عورت تُو نے اُسے بزدل اور بے وقوف بنا دیا۔ اسے ذلت کی موت مار ڈالا"۔

فلورا نے لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے جواب دیا "مگر میں نے تو اُسے نہیں مارا۔ اس

نے خودکشی کر لی"۔

بڈھے حکمران نے اس کی کلائی کو مضبوطی سے پکڑ کر اسے صوفے پر سے اٹھا لیا اور کہنے لگا۔" تو جھوٹ کہہ رہی ہے۔ میرے پاس اس کا لکھا ہوا آخری خط موجود ہے، میں اس کی بات پر یقین کرتا ہوں کیونکہ اس نے عمر بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا۔ اس نے اپنا دل تیرے قدموں پر رکھ دیا۔ اس نے اپنی عزت تیرے ناپاک قدموں پر نثار کر دی۔ لیکن تو نے اسے کالا آدمی کہہ کر ٹھکرا دیا۔ ہم کالے آدمی بھی دل و دماغ رکھتے ہیں۔ جب تو ولایت میں تھی تو میری طرف سے تیری ہر حرکت کی نگرانی ہوتی تھی۔ ایک دن مجھے اطلاع موصول ہوئی کہ تو نے لندن میں ایک شریف انگریز کو اپنے پھندے میں پھنسایا ہے۔ میں نے اس انگریز کا حال دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ عنقریب قاہرہ آنے والا ہے۔ میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اب میرے انتقام لینے کا وقت آگیا ہے۔ چنانچہ جب وہ یہاں پہنچا تو اس کے نوکر کو رشوت دی گئی اور وہ تجھے بند گاڑی میں بٹھا کر یہاں لے آیا۔ اب میرا کام تکمیل کو پہنچنے والا ہے"۔

فلورا نے خوفزدہ ہو کر پوچھا۔" اب تم مجھ سے کیا سلوک کرو گے؟"

بڈھا حکمران بولا۔" جیسا سلوک چاہوں گا کروں گا۔ اے رنگین پھول تو میرے ہاتھوں میں ہے۔ چاہے تجھے زندگی کے شجر کی ٹہنی پر رہنے دوں چاہے مسل کر پھینک دوں۔ اے سنگ دل عورت سن! مجھے اپنے بیٹے سے اس قدر محبت تھی کہ تجھے دنیا میں کسی ہستی سے اتنی محبت نہ ہوئی ہو گی۔ آہ میرا پیارا بیٹا!"

بڈھے حکمران کی آواز میں انتہائی سوز اور غم تھا۔ وہ ادھر ادھر بیتابی سے ٹہلنے لگا۔

کچھ دیر توقف کے بعد وہ بولا "او تباہ کار عورت سُن! اسی محل کے ایک دوسرے کمرے میں تیرا شوہر موجود ہے۔ وہ بہت نیک اور شریف معلوم ہوتا ہے۔ وہ نہ جانے کیونکر میرے پنجے میں پھنس گیا"

فلورا شوہر کا نام سُن کر بیتاب ہو گئی اور کہنے لگی "خدا کے لئے مجھے اس کے پاس لے چلو"۔

بوڑھا حکمران کڑک کر بولا "اے عورت ان دیواروں میں میرا حکم چلتا ہے۔ تیرا شوہر اسی محل میں ہے، اُسے ابھی موت کی نیند سلا دیا جائے گا۔ میرے بچے کی طرح اُسے بھی دوسرے جہان کا سفر کرنا پڑے گا"

فلورا بولی "لیکن میرا شوہر تو گورنمنٹ کا بہت بڑا ......"

بڈھے حکمران نے جواب دیا "یہاں کسی کی نہیں سنی جائے گی۔ میں چاہتا ہوں تیری جان نہایت عذاب ناک طریقے سے آہستہ آہستہ لوں۔ میرے مضبوط اور زبردست ہاتھ تیرے مرمریں گلے کو گھونٹنا شروع کر دینگے۔ تیری آنکھیں باہر نکل آئیں گی۔ تیرا چہرہ خوفناک ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ تو مر جائے گی۔ میں تیری جان لینے کا یہ خوفناک منظر اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں۔ لیکن ممکن ہے کہ تجھ کو بھی کسی سے سچی محبت ہو۔ اس لئے سن کہ تیرا شوہر قتل تو ضرور کیا جائے گا۔ لیکن اگر تو اپنی جان اُس پر قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائے تو وہ بچ سکتا ہے۔ تو بہت خوبصورت ہے۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ تیری شکل صورت کو اس قدر بگاڑ دوں اور اس قدر خوفناک بنا دوں کہ دنیا تیری طرف دیکھ کر ڈر جائے اور کوئی تیری طرف نگاہ اُٹھانا بھی پسند نہ کرے" "ادھر آ!" کہہ کر بڈھے حکمران نے فلورا کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے گھسیٹ کر پردوں کے اندر لے گیا۔ کمرے کے

ایک کونے میں ایک بڑی سی انگیٹھی رکھی تھی جس میں کوئلے دہک رہے تھے۔ دو خوفناک سیاہ فام حبشی لوہے کی دو بڑی سلاخیں انگیٹھی میں تپا کر سرخ کر رہے تھے۔ بڈھے حکمران نے ان حبشیوں سے کڑک کر کہا: "اپنا کام شروع کرو!"

ایک حبشی نے فلورا کو بالوں سے پکڑ کر اس کے سر کو زور سے پیچھے کی طرف کھینچا۔ دوسرے نے انگیٹھی میں سے لوہے کی دو دہکتی ہوئی سرخ سلاخیں نکالیں اور انہیں فلورا کے پھول سے نازک گالوں کے قریب لے آیا۔ فلورا کو جب ان سلاخوں کی گرمی محسوس ہوئی تو وہ چلا چلا کر کہنے لگی: "خدا کے لئے مجھے چھوڑ دو! خدا کے لئے چھوڑ دو!"

بڈھے حکمران نے کڑک کر جواب دیا: "کیا اس وقت خدا یاد نہ تھا جب تو نے میرے اکلوتے بیٹے کو ذبح کیا تھا۔ ملعون عورت کیا تو ایثار نہیں کر سکتی۔ یاد رکھ اگر تو یہاں سے بچکر چلی بھی گئی تو تیرا شوہر زندہ نہ رہے گا۔"

اس کے بعد جب دوبارہ لوہے کی گرم سلاخیں اس کے قریب لائی گئیں تو اس نے کہا: "میری جان جس خوفناک طریقے سے لینا چاہتے ہو لے لو لیکن میرے شوہر کو چھوڑ دو۔"

بڈھے حکمران نے دوبارہ کہا: "نادان عورت! سوچ لے سمجھ لے! جلدی میں کوئی فیصلہ کرنا ٹھیک نہیں"۔ چار مرتبہ لوہے کی سلاخیں اس کے رخساروں کے پاس لائی گئیں، لیکن ہر مرتبہ اس نے یہی کہا کہ "میرے رخساروں کو ان سلاخوں سے داغ دو میری جان لے لو۔ لیکن میرے شوہر کو چھوڑ دو۔"

جب چوتھی مرتبہ فلورا نے یہی فقرہ دہرایا تو بڈھے حکمران نے کہا: "فلورا اب تیرا دل اور تیری روح پاک ہو چکی ہے۔ میں تیرا قصور معاف کرتا ہوں اور تجھے آزاد کرتا

ہوں۔"

فلورا نے جواب دیا۔"لیکن میں اپنے شوہر کی جان کے عوض اپنے لئے آزادی نہیں خریدنا چاہتی۔"

بڈھے حکمران نے جواب دیا۔"تیرا شوہر آزاد ہو چکا ہے۔ اُسے نہایت حفاظت کے ساتھ اس کے کیمپ میں پہنچا دیا گیا ہے۔ تُو اب فوراً یہاں سے چلی جا اور اس کے تڑپتے ہوئے دل کو تسکین دے لیکن یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ جذباتِ انتقام رکھنے کے باوجود ایک "کالا آدمی" بھی کسی کا قصور معاف کر سکتا ہے۔" فلورا بڈھے حکمران کے قدموں پر گر پڑی اور رو رو کر اس سے اپنے ناقابل معافی جرم کی معافی مانگنے لگی۔ بڈھے حکمران نے اُسے اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا اور کہا۔"جو ہونا تھا ہو گیا۔ تُو اب میری بیٹی ہے۔"

ملکہ مارگریٹ کا عشق

ایک درد و غم میں ڈوبا ہوا افسانہ

ملکہ کیتھرائن کا شباب اب ڈھل چکا تھا۔ اس کی ہوس رانیوں کا افسانہ اب ختم ہو چکا تھا۔ اس کا دل جو ہر وقت محبت کرنے کی خواہش سے مضطرب رہتا تھا، اب کسی قدر سکون حاصل کر چکا تھا۔ اب اُس کے حلقۂ محبت میں صرف گنتی کے چند چاہنے والے باقی تھے یہ بلبل جو پہلے پھول پھول پر منڈلاتی رہتی تھی اب محبت کرتے کرتے تھک چکی تھی۔ اس کی بجائے اب اس کی حسین و جمیل بیٹی جو شہزادۂ فرانس ہنری نیوآر کی بیوی تھی کیوپڈ کی آغوش میں تھی۔

جس لڑکی کی ماں نے ملکہ ہوتے کے باوجود نہایت آزادانہ اور بے باکانہ زندگی بسر کی ہو، اس کی بیٹی اس کی جگہ کیوں نہ سنبھالتی۔ وہ اپنی ماں سے بھی چار قدم آگے بڑھ گئی اور اس نے اپنے مختصر لیکن حسین عہدِ محبت میں کچھ اس انداز سے دادِ عشق دی کہ تمام فرانس دنگ رہ گیا۔ اس کی مثال ایک ایسی تتلی کی سی تھی۔ جو بہار کے مختصر سے موسم میں پھول پھول کو چومتی پھرے اور لتنے پھولوں کو چومے، اتنے پھولوں سے محبت کرے کہ بالآخر تھک کر زمین پر گر جائے اور پھر ابدی نیند اسے اپنی آغوش میں لے لے۔

ملکہ مارگریٹ نے وادئ شباب میں قدم رکھتے ہی اپنی ماں کے نقش قدم پر چلنا شروع کر دیا اور چونکہ وہ اپنی ماں سے زیادہ حسین تھی۔ اس لئے دُنیائے محبت میں جتنی تباہی اُس نے پھیلائی شاید ہی دُنیا کی تاریخ میں کسی اور عورت نے پھیلائی ہو گی۔

شہزادہ ہنری نیوار نے جب مارگریٹ سے شادی کی، مارگریٹ کی عمر اکیس سال کے قریب تھی۔ شہزادے کی بے التفاتی سے تنگ آکر وہ دوسرے امراء سے دلچسپی لینے لگی اور اس طرح اپنے شریک حیات کی بے رُخی کی وجہ سے تباہی کے غار میں ایسی گری کہ پھر نہ نکل سکی۔

ملکہ مارگریٹ کا محبت کرنے کا انداز بہت عجیب و غریب اور حیرت انگیز تھا۔ وہ محبت کی تلاش میں اپنے محل سے اس طرح باہر نکلا کرتی جیسے عقاب یا شکرہ اپنے شکار کے لئے باہر نکلتا ہے، وہ اپنے جاہ و مرتبہ کا لحاظ کئے بغیر بلا تکلف پیرس کے بازاروں میں گھوما کرتی ایک ملکہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک عورت کی حیثیت سے۔

اُن دنوں شہزادیاں اور ملکائیں پبلک میں نہیں آیا کرتی تھیں۔ لوگ ان کی شکلوں سے ناآشنا ہوتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ پیرس کی گلیوں، بازاروں اور پارکوں میں کوئی اس شوخ ادا بلبل کو نہیں پہچانتا تھا۔

کہتے ہیں کہ وہ اکثر شام کو باہر نکل جاتی اور گذرتے ہوئے نوجوانوں کو اپنی خوبصورت آنکھوں سے گھورنے لگتی۔ جب کوئی نوجوان اکیلا دکیلا اسے ملتا تو وہ دوڑ کر اس کی راہ میں جا کھڑی ہوتی۔ پہلے مسکرا کر اُس کی طرف دیکھتی اور پھر چند لمحے اپنی خوبصورت نگاہیں اس کی گھبرائی ہوئی نگاہوں سے ملائے رکھنے کے بعد اپنے مرمریں بازو اس کی گردن میں حمائل کر دیتی اور پھر بے اختیار اسے چوم لیتی۔ نوجوان بے خود اور حیران

رہ جاتا۔ اس کے بعد وہ اسے اپنی ایک سہیلی کے مکان میں لے جاتی اور رات بھر اس کے ساتھ دادِ عیش دینے کے بعد ہمیشہ کے لئے اسے الوداع کہہ دیتی۔ اس کی محبت صرف ایک رات کی ہوتی تھی ——— ایک "پھول" کا رس چوسنے کے بعد یہ بلبل خوشنوا کبھی دوبارہ اس پھول کی طرف رجوع نہ کرتی تھی، ——— کبھی کبھی وہ اپنے مسلے ہوئے پھول ——— اپنے شریکِ گناہ کو اپنی سہیلی کے حوالے کر دیتی اور اس کے بعد اس غریب کو ہمیشہ کیلئے آشنائے درد و غم کر کے وہاں سے چلے جانے کا حکم مل جاتا ——— کوئی نوجوان نہیں جانتا تھا کہ اس نے ملکہ اور اس کی سہیلی کے حسن کی گلچینی کی ہے۔

شہزادہ ہنری نیوآر خود ایک اوباش صفت انسان تھا۔ وہ ہر وقت پریوں کے جھمگٹوں میں گھرا رہتا۔ اس کی ہر رات لہو و لعب میں گذرتی۔ شراب کے نشے اور تتلیوں کے ہجوم میں اسے کچھ خبر نہ ہوتی کہ اس کی ملکہ بھی رات کو اپنا خوبصورت جسم دوسرے نوخیز نوجوانوں کی آہنی آغوش کے حوالے کر دیتی ہے اور ہر رات ایک گلچیں اس کے گلستانِ شباب کو لوٹنے کھسوٹنے میں مشغول رہتا ہے ——— اور ملکہ کے سڈول اور خوبصورت جسم کا مالک ایک رات کے لئے ایک معمولی اجنبی بن جاتا ہے۔

(۲)

شام کا سورج شفق کی زرفشاں جھیل میں ڈوب رہا تھا۔ ہلکی ہلکی خوشبودار ہوا کے جھونکے محل کے پُر فضا باغ میں سے ہوتے ہوئے محل سرا کی اس کھڑکی میں سے گذر رہے تھے۔ جو باغ کی طرف کھلتی تھی۔ باغ میں بہار کے سُرخ سُرخ پھولوں پہ روشن چراغوں کا گمان ہو رہا تھا اور پرندوں کی شیریں چہکار نے اس وسیع و عریض باغ کو شاہی جنت بنا رکھا تھا۔

شہزادے کی چہیتی محبوبہ صوفیا غسل کے بعد محل کی خواب گاہ میں ایک قدم آدم آئینے کے سامنے کھڑی اپنے گورے گورے شانوں پر بکھرے ہوئے لمبے لمبے بالوں کو بار بار اپنے کنول کے سے ہاتھوں سے پرے ہٹاتی تھی اور اپنے گالوں کو سُرخی سے اور ہونٹوں کو کسی شہد کی سی میٹھی شئے سے مزین کر رہی تھی۔

شہزادہ ہنری نیوآر دبے پاؤں شبستاں میں داخل ہوا صوفیا کے بھار آفریں عریاں سینے کی چمکتی ہوئی جھلک نے اس کے جذبات میں محبت کا مدوجزر پیدا کر دیا۔ وہ جھپٹ کر اس کی طرف بڑھا صوفیا شرما کر پیچھے ہٹ گئی وہ اور آگے بڑھا تو صوفیا اپنا بدن چرا کر اور پرے جا کھڑی ہوئی کیونکہ وہ اپنی ان شرمیلی اداؤں ہی سے نوجوان شہزادے کو قابو میں کئے ہوئے تھی اور چاہتی تھی کہ کبھی اپنا جسم بغیر ایک حسین کشمکش کے اپنے محبوب کے سپرد نہ کرے جب اسے شہزادے نے کلائی سے جا پکڑا تو وہ کلائی چھڑا کر شبستاں کی کھڑکی کے قریب جا کھڑی ہوئی۔ شہزادہ دوبارہ اپنے شکار کی طرف جھپٹا اور کھڑکی کے پاس آکر اسے اپنی آہنی گرفت میں لینے ہی والا تھا کہ اس کی نظر باغ کے ایک کنج پر جا پڑی ——

شہزادے نے باغ کے اس کنج میں ایک ایسا منظر دیکھا کہ اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اُف کیا یہ ملکہ تھی ؟ وہ درختوں کے اس گھنے جھنڈ میں اس نوجوان کے ہمراہ تنہا کیوں گئی ؟ اس کی چیخ کیوں سنائی دی اور نوجوان مجھے دیکھتے ہی کیوں باغ سے بھاگ نکلا ؟ — شہزادے کے دل میں ملکہ مارگریٹ کی طرف سے شکوک و شبہات پیدا ہو گئے لیکن اس وقت اس نے ملکہ کے خلاف کوئی کارروائی کرنی مناسب نہ سمجھی کیونکہ اس پر اپنی محبوبہ صوفیا کو شکارِ ہوس بنانے کا بھوت سوار تھا ——!

اُس نے صوفیا کو کلائی سے پکڑا اور ایک صوفے پر بٹھا کر اپنی آغوش میں کھینچ لیا۔ تند اور گرم ہونٹ، سرد اور شیریں ہونٹوں سے مل گئے ——— اور ایک آہنی سینہ ایک مخملیں سینے میں نرم و نازک دل کی لطیف دھڑکن محسوس کرنے لگا لطف و سرور کی لہریں ایک جسم سے نکل کر دوسرے جسم میں جذب ہونے لگیں۔ ہوس کے دیوتا نے ان کے جسم پر شفقت سے اپنا ہاتھ پھیرا اور دونوں روحیں لطف و سرور کے سمندر میں ڈوب کر رہ گئیں۔

شہزادے کے محل میں رات بھر یہ خوبصورت شمع شبستاں کی زینت بنی رہی حسن کے گلشن میں عشق شب بھر مصروف گل چینی رہا اور صبح جب آفتاب کی پہلی کرن نے پھولوں کا منہ چوما تو وہ تھکی ہوئی روحیں مخملیں بستر سے انگڑائیاں لیتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

صوفیا نے ایک خوبصورت انگڑائی لے کر شہزادے کی طرف دیکھا اور مسکرا کر کہنے لگی "کیا اب بھی تم مجھ سے زیادہ ملکہ مارگریٹ سے محبت کرو گے؟ ——— اپنی بے وفا ملکہ سے جسے تم نے کل شام درختوں کے جھنڈ سے نکلتے دیکھا تھا!"

یہ طعنہ شہزادے کے دل پر نشتر بن کر لگا۔ صوفیا نے شہزادے کے دل میں ملکہ کے خلاف غصے اور انتقام کی آگ بھڑکا دی اور خود تصور میں ملکہ بننے کے خواب دیکھنے لگی۔

(۴)

مارگریٹ کی سہیلی کے شبستان میں لاتعداد کافوری شمعیں روشن تھیں۔ ایک نقرئی پلنگ پر سنجاب و سمور کا بستر بچھا تھا۔ طرح طرح کی خوشبوؤں نے اس کمرے کو رشک جنت بنا رکھا تھا۔ اس کمرے کی خوبصورت دیواروں پر یونانِ قدیم کے مصوروں کی تصویریں آویزاں تھیں۔ تصویریں کیا تھیں انسان کے پوشیدہ جذبات کو موقلم سے زندۂ جاوید بنا دیا گیا تھا کسی تصویر

بیچ دکھایا گیا تھا کہ کچھ حسین و جمیل عورتیں ایک تالاب میں نہا رہی ہیں اور ایک آنکھ جھاڑیوں میں سے انہیں جھانک رہی ہے۔ کسی تصویر میں ایک عورت کو ایک مرد کی تنگ آغوش میں دکھایا گیا تھا کسی تصویر میں کسی دوشیزہ کو مرد کی التجائے بوسہ کے جواب میں شرماتے اور اپنا بازو چھڑاتے دکھایا گیا تھا۔ غرضیکہ دیواروں پر اس قسم کی بیسیوں تصویریں موجود تھیں جو انسان کے جذبات میں آگ لگا دیں ———

ملکہ اپنے ساتھ ایک نوجوان کو لئے ہوئے داخل ہوئی۔ آج اس کی سہیلی گھر سے غائب تھی۔ گھر سے غائب کیا تھی، وہ اپنے شبستاں میں اپنے ایک نئے چاہنے والے سے دادِ محبت لے رہی تھی۔ آج سہیلی کی مسرت کا کوئی ٹھکانا نہ تھا، کیونکہ فرانس کے سب سے بڑے آدمی نے آج اسے اپنی شریکِ حیات بنانے کا وعدہ کر رکھا تھا۔ وہ خود اس وقت اپنے شبستاں میں اپنے بستر پر لیٹی تھی۔ اس نے اپنے محبوب کے گلے میں بازو ڈال رکھے تھے اور اب نشۂ محبت میں سرشار ہو کر بستر پر گر جانے والی تھی ———

محبوبہ کہنے لگی: "ہاں اب شاید تم وہ منظر دیکھ سکو گے۔ شبستاں میں ایک پوشیدہ سوراخ ہے اس میں سے سب کچھ نظر آتا ہے۔ لیکن مجھ سے ایک بار پھر وعدہ کرو کہ اپنی شریکِ حیات کی جگہ اب مجھے دے دو گے۔"

عاشق کہنے لگا: "ہاں میں وعدہ کر چکا ہوں اور اپنے وعدے پر قائم رہوں گا۔"

اس نے جا کر دیوار سے آنکھ لگا دی۔ سنجاب و سمور کے بستر پر ایک بجلی کی طرح چمکتا ہوا عریاں خوبصورت اور جوان جسم جذبات کے نشے میں سرشار پڑا تھا۔ ایک پری نے اپنے خوبصورت جسم کو خوبصورت لباس کی قید سے آزاد کر دیا تھا۔ بھونرا کلی کا شیریں رس چوس

رہا تھا، یہ نظارہ دیکھ کر اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔

اس نے پاؤں کی ٹھوکر سے اور ہاتھوں کے ایک دھکے سے دروازہ توڑ ڈالا اور اندر جا داخل ہوا۔ ملکہ مارگریٹ اپنے بادشاہ کے سامنے اپنے آپ کو ایک غیر مرد کے قرب میں عریاں دیکھ کر سکتہ زدہ ہو گئی۔ اس نے اپنے جسم کو بکھرے ہوئے کپڑوں میں چھپانا چاہا لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنی سہیلی کی حاسدانہ نگاہوں اور بادشاہ کی غضب آلود نگاہوں سے اپنے عریاں جسم کو چھپائے ایک چمکتی ہوئی عریاں کٹار اس کے مخملیں سینے میں پیوست ہو گئی۔ خون کا ایک زبردست دھارا بہ نکلا جس نے اس کے چاندی سے چمکتے ہوئے جسم اور دودھ کی طرح سفید بستر کو رنگین بنا دیا۔ اس کے بعد ایک اور لاش ——— اس کے چاہنے والے کی آہنی لاش بادشاہ کی تلوار کا زخم کھا کر اس پر آگری۔

مارگریٹ کی سہیلی کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ وہ وہاں سے بھاگ نکلی۔

اب شہزادے نے اپنے رقیب کی لاش کو ملکہ کے جسم پر سے اُٹھا کر پرے پھینک دیا اور ملکہ کے خون آلود ہونٹوں سے اپنے ہونٹ ملا دیئے۔

شہزادے کی آنکھوں میں آنسو تھے ——— وہ ملکہ سے بے التفاتی کرنے پر اب پشیمان ہو رہا تھا ——— لیکن ؎

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

مصر کے شاہی خاندان کی سیاہ کاریاں

ملکۂ مصر اور شہنشاہ مصر
کی
ہوس پرستیوں کی داستان

مصر پر باجبروت اور تُند خو بادشاہ طوفوطراس حکومت کرتا تھا۔ وہ انسان کے پردے میں حیوان اور بادشاہ کے پردے میں فرشتۂ اجل تھا۔ اُمرا و وزرا اس کے رعب اور دبدبے سے تھر تھر کانپتے تھے۔ کسی بڑے سے بڑے آدمی کی ادنیٰ سی خطا پر اس کا سر قلم کرا دینا طوفوطراس کے بائیں ہاتھ کا کرتب تھا۔ رعایا اس کا نام سن کر لرزتی تھی اور مصر کے چھوٹے چھوٹے خراج گذار حکمران اس کی بد دماغی، اس کے اکھڑ پن اور اس کی خوفناک عظمت سے لرزہ بر اندام تھے۔ وہ مردوں ہی کا نہیں بلکہ بے شمار عورتوں کا بھی قاتل تھا۔ وہ ناکردہ گناہ مجرموں کو ایسی ایسی سزائیں دیتا تھا، جن کا ذکر ہی سننے سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

مصر پر اس کے ظلم ہی کی نہیں بلکہ اس کی رنگین مزاجی کی بھی حکومت تھی۔ ایک عظیم الشان سلطنت کے انتظام کا بار اس کے کندھوں پر تھا اور دن بھر کی جسمانی اور دماغی تھکاوٹ کا علاج وہ کافر ادا عورتوں کے جھرمٹ میں ڈھونڈتا۔ عورتوں کی محبت اس کی تھکن کا واحد

علاج تھا۔اس کا قول تھا کہ "قدرت نے ملک کی حسین ترین عورتیں مصر کے حکمران کی رُوحانی تسکین کے لئے پیدا کی ہیں"۔امرا و وزرا کی بیویاں بھی اس کی عریانیت پرست نگاہوں سے نہ بچ سکی تھیں۔

طوفوطراس کے وسیع و عریض حرم میں بے شمار عورتیں موجود تھیں۔جس عورت یا لڑکی پر ایک مرتبہ طوفوطراس کی نگاہ پڑ جاتی، وہ محبت کی ایک رات بسر کرنے کے بعد حرم کے زنداں میں داخل کر دی جاتی۔تاکہ جس عورت کو ایک مرتبہ بادشاہ چھو چکا ہے کوئی ادنےٰ آدمی اسے ہاتھ نہ لگائے۔جو عورتیں ایک مرتبہ حرم میں داخل ہو جاتیں۔عمر بھر اُنہیں کوئی اور مرد تو کجا بادشاہ تک کا قرب دوبارہ حاصل نہ ہو سکتا۔وہ اپنی باقی عمر سسک سسک کر گذار دیتیں۔کیونکہ بادشاہ کو دوسری مرتبہ ان کی طرف التفات کرنے کا موقع نہ ملتا تھا۔

(۲)

ایک چھوٹی سی باجگذار سلطنت کی دو شہزادیاں جو آپس میں بہنیں تھیں۔دربار میں طوفوطراس کے سامنے گردن جھکائے کھڑی تھیں۔شہزادیاں کیا تھیں دو مجسمۂ حسن و شباب حوریں تھیں جو جنت کا راستہ بھول کر دنیا میں آگئی تھیں۔ان کے لمبے لمبے گھنے اور سیاہ بال ان کی نازک کمروں پر سے ہوتے ہوئے ان کی دودھ ایسی گوری اور بلور ایسی شفاف پنڈلیوں کو چھو رہے تھے اور ان کالی کالی زلفوں میں ان کے مستور چہرے چاند کی طرح چمک رہے تھے۔ان کی قاتل نگاہیں اس وقت جھکی ہوئی تھیں۔گویا تلواریں ابھی میان میں تھیں اور ان دو سینوں کی پاکیزگی پکار پکار کر کہہ رہی تھی کہ کسی اجنبی کی ہوس آلود نگاہ ان پر نہیں پڑی۔

طلوفوطراس اُن کے حسن سے مسحور ہو کر رہ گیا اور کہنے لگا "آسمان پہ تو ایک چاند ہے لیکن اس وقت زمین پر میں دو چاند دیکھ رہا ہوں، جن کے حسن آفریں نور نے میری آنکھوں میں چکا چوند پیدا کر دی ہے۔ اے پریو! کس نور بھرے دریا میں غسل کر کے آئی ہو؟ تمہارے نیم عریاں جسم سے حسن کی شعاعیں نکل رہی ہیں۔ میں حیران ہوں کہ تم میں سے کس کے حسن کی زیادہ تعریف کروں۔ اور خوبصورت حورو! اپنی جھکی ہوئی نگاہیں اُٹھاؤ اور میری طرف دیکھو۔ اپنی معجز نما نگاہوں کی تلواریں تم نے میان میں کیوں رکھ چھوڑی ہیں۔ اٹھاؤ اپنی محبت بھری تلواریں اٹھاؤ اور میرا سر کاٹ لو۔"

طلوفوطراس نے آج تک کسی نسوانی ہیکیہ کی اس قدر تعریف نہیں کی تھی۔ اُن دونوں بہنوں نے اُسے بہت بری طرح سے متاثر کر لیا تھا اور آج پہلی مرتبہ درباریوں نے عورت کے سامنے طلوفوطراس کو اس قدر متاثر اور بے قابو دیکھا تھا جب درباریوں نے دیکھا کہ شہنشاہ کی نگاہیں ان لڑکیوں کو پیار کر رہی ہیں تو وہ آہستہ آہستہ وہاں سے کھسکنے لگے۔ یہاں تک کہ طلوفوطراس اور دونوں شہزادیاں تنہا رہ گئیں۔

اتنے میں حبشی غلام بلّور کے پیالے میں طلوفوطراس کے لئے شرابِ ارغواں لے آیا۔ بادشاہ نے پیالہ اپنے تخت کے قریب رکھ دیا اور غلام کو حکم دیا کہ دو اور پیالے لائے۔ شہزادیاں بادشاہ کا یہ فرمان سن کر چونک اٹھیں۔

"دونوں میرے قریب آ کر بیٹھ جاؤ۔ ایک میرے تخت کی دائیں جانب اور ایک بائیں جانب" بادشاہ نے کرخت لیکن محبت آمیز لہجے میں کہا۔

دونوں شہزادیوں نے سہمی ہوئی فاختاؤں کی طرح ایک دوسری کی طرف دیکھا پہلے

کچھ ہچکچائیں اور پھر خراماں خراماں ایک دھیمی مگر حشر انگیز رفتار کے ساتھ بادِ صبا کے دو جھونکوں کی طرح اپنے نازک نازک قدم اُٹھاتی ہوئی بادشاہ کی طرف آئیں۔ ایک تخت کی دائیں جانب اور دوسری بائیں جانب بیٹھ گئی۔

بادشاہ نے کہا "خوبصورت قمر پو! تم کس مقصد سے میرے دربار میں حاضر ہوئی ہو؟ کہو تو ساری سلطنت تمہارے قدموں پر جھکا دوں"

بڑی بہن بولی۔ آقا! ہماری خالہ زاد بہن پر ایک مرتبہ تمہاری نگاہِ التفات پڑ گئی تھی تو تم نے اسے محبت کا جام پلا کر اپنے حرم میں داخل کر لیا۔ ہم اُس سے ملنے کے لئے بے قرار ہیں۔ اگر اجازت ہو تو ہم حرم میں داخل ہو کر اپنی بچھڑی ہوئی بہن کے دیدار سے اپنی ترسی ہوئی آنکھوں کی پیاس بجھائیں۔"

طوفو طراس بولا "حرم میں داخل ہونا تو ایک طرف رہا، میری مملکت کی حسین ترین پریو! تم شہنشاہ کے دل کے حرم میں داخل ہو چکی ہو"

شہزادیاں یہ سن کر کانپ گئیں اور طوفو طراس نے اُن کے خوبصورت جسموں کو اس طرح سہمتے ہوئے دیکھا، جیسے صیاد کی مٹھی میں زخمی چڑیا سہم جاتی ہے۔

حبشی غلام اب تک شراب لے کر نہ آیا تھا۔ بادشاہ غیظ و غضب میں اٹھ کر اندر چلا گیا، تاکہ اپنی نئی خوبصورت فاختاؤں کو شرابِ ارغواں پلا کر شاد کام کرے۔

شہزادیاں تھوڑی دیر کے لئے تنہا رہ گئیں۔ بڑی بہن بولی "ہم دونوں تباہ ہو گئیں"

چھوٹی بولی "دونوں تباہ نہیں ہوئیں۔ البتہ ہم میں سے ایک کی تباہی یقینی ہے۔

شہنشاہ دونوں بہنوں سے تو........"

بڑی بہن بات کاٹ کر بولی "میں تمہیں بچاؤنگی۔ میں اپنا جسم تمہاری محبت پر اور شہنشاہ کی ہوس پر قربان کر دونگی۔"

چھوٹی کہنے لگی "میں یہ کیونکر برداشت کر سکتی ہوں کہ میری بڑی بہن جو مجھے جان سے زیادہ عزیز ہے، میری خاطر ہمیشہ کے لئے حرم میں داخل ہو کہ تباہ ہو جائے۔ شہنشاہ ایک عورت سے دو دن سے زیادہ محبت نہیں کرتا۔ میں سمجھتی تھی کہ اس کے متعلق تمام افواہیں غلط ہیں۔ لیکن اب معلوم ہوا کہ وہ ایک خوفناک عاشق ہے۔"

بڑی کہنے لگی "لیکن اگر تم شہنشاہ کی نذر ہو گئیں تو تمہارا محبوب تمہاری فرقت کی تاب نہ لا کر خودکشی کر لیگا۔ تمہاری تباہی دو انسانوں کی تباہی ہے۔ کاش ہم نے ماں کی نصیحت پر کان دھرے ہوتے۔ کاش اپنی خالہ زاد بہن کی محبت ہمیں اندھا اور نادان نہ بنا دیتی۔"

چھوٹی بہن کوئی جواب دینے ہی والی تھی کہ شہنشاہ اپنے ایک ہاتھ میں غلام کا سر لیے ہوئے داخل ہوا۔ اس نے ایک قہقہہ لگا کر اس سر کو اپنے تخت کے سامنے پٹخ دیا اور بولا "یہ اس خادم کا سر ہے جس نے میری دونوں پریوں کے لئے شراب لانے میں دیر کی تھی۔"

حبشی کے سر کو دیکھ کر شہزادیوں کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی اور طوفوطر اس وحشیانہ ہنسی ہنسنے لگا۔

اتنے میں ایک اور غلام شراب کے بہت سے پیالے ایک طشت میں رکھ کر حاضر ہوا اور اسے تخت کے سامنے رکھ دیا۔

طوفوطراس بولا "اب مصر کے بہترین میوے ان دو خوبصورت خاتونوں کے لیے حاضر کرو۔"

شراب کے پیالے اور مصر کے بیش قیمت میوے سونے اور چاندی کی رکابیوں میں شہزادیوں کے سامنے رکھ دیئے گئے۔

طوفوطراس بولا "شاہی شراب کو اپنے ہونٹوں سے لگا لینے کا شرف بخشو۔ تمہارے نازک ہونٹوں کے لمس کی شیرینی یا تو شاہی شراب کے پیالے چکھ سکتے ہیں یا طوفوطراس کے لب۔ دنیا میں اور کسی کی طاقت نہیں کہ تمہارے گلابی ہونٹوں سے ہونٹ ملائے۔"

شہزادیاں ڈرتی ہوئی بولیں "جہاں پناہ ہم نے شراب کبھی نہیں پی۔"

"آج تو پینی ہی پڑے گی" طوفوطراس نے تحکمانہ لہجے میں کہا اور شہزادیوں کو تیز و تند شراب کے پیالے زندگی میں پہلی مرتبہ چڑھانے پڑے۔ شراب نے شہزادیوں کے نازک اور احساس جسموں پر فوراً غلبہ پالیا اور ان کے سارے جسم میں ایک سنسنی سی پیدا ہو گئی۔

طوفوطراس شراب کا دوسرا پیالہ چڑھا کر بولا "اس وقت میں نے تمہیں انگوروں کی شراب پلائی ہے۔ آج رات اپنے سنگم گاتے ہوئے شبستاں میں تم دونوں کو محبت کی شراب پلا کر اپنی ملکہ بنا لونگا۔ ایک میری بڑی ملکہ ہو گی اور ایک چھوٹی۔"

بڑی شہزادی بولی "لیکن ہم دونوں تو سگی بہنیں ہیں مصری دیوتاؤں کے قانون کے مطابق شہنشاہِ ذوالاصفات ہم میں سے صرف ایک ہی کو اپنی محبت سے نواز سکتے ہیں۔"

طوفوطراس بولا "اخلاقی اور مذہبی قوانین عوام کے لئے ہیں۔ طوفوطراس پر دنیا کا کوئی قانون عائد نہیں ہو سکتا۔ قسم ہے مجھے حبشی غلام کے اس سر کی جو میں نے ابھی ابھی

اُتارا ہے کہ اگر کوئی مصری دیوی بھی طوفوطراس کے دربار میں آئے اور طوفوطراس کو اس کی شکل پسند آجائے تو طوفوطراس اس دیوی کے ساتھ بھی محبت کی چند راتیں گزارنے سے نہ ہچکچائے گا۔ اس وقت مصر پر طوفوطراس کی تلوار کی حکومت ہے۔ مذہبی قوانین کی حکومت نہیں۔"

شہزادیوں کو لرز کر خاموش ہو جانا پڑا۔

طوفوطراس شراب کے نشے میں چور ہو رہا تھا۔ وہ تخت سے اُٹھ بیٹھا۔ شہزادیوں کو بھی اُس نے اٹھنے کا اشارہ کیا۔ اُن کے پاؤں شراب کے نشہ کی وجہ سے ڈگمگا رہے تھے طوفوطراس نے اپنا ایک بازو ایک شہزادی کے لڑکھڑاتے ہوئے جسم کے گرد حمائل کیا اور دوسرا دوسری شہزادی کی پتلی کمر کے گرد اور دونوں کو دو قیدیوں کی طرح اپنے شبستاں میں لے گیا۔

طوفوطراس کا شبستاں کیا تھا سنگِ مرمر کا ایک وسیع و عریض کمرہ تھا۔ جو اس قدر آراستہ اور ایسی خوبصورتی سے سجا ہوا تھا کہ نگاہ اس کی خوبصورتیوں میں کھو کر رہ جاتی تھی۔ ہر طرف نیم عریاں عورتوں کے مجسّمے قرینے سے رکھے ہوئے تھے۔ دیواروں پر جا بجا دلکش مناظر کی تصویریں لٹکی ہوئی تھیں۔ چھت میں ایک بہت بڑی ہیروں کی شمع آویزاں تھی اُس سے ٹھنڈی رنگین روشنی نکل رہی تھی۔ دیواروں میں —— چاندی کی سینکڑوں شمعوں کی قطاریں اوپر تلے بہار دکھا رہی تھیں۔ فرش پر سنبل کی روئی جیسی کوئی نرم نرم چیز بچھی تھی۔ دیواروں کے بے شمار طاقوں میں رنگ برنگ کی شراب کی بوتلیں اور میوے رکھے تھے سب سے زیادہ جاذبِ توجہ چیز پھولوں کی سیج تھی۔ جس پر موروں کے نرم نرم پروں

کے تین تکئے رکھے تھے۔ چاندی کی سیج پر مصر کے باغات کے حسین ترین نرم و نازک پھول بچھے تھے۔ جن کی نرمی پر حور کے رخسار کا گمان ہوتا تھا۔ ان پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو میں ایک خاصیت یہ بھی تھی کہ وہ نوجوان جسموں میں ایک محبت طلب حرارت پیدا کر دیتی تھی۔

طوفوطراس نے دونوں شہزادیوں کو سیج پر بٹھا دیا۔ پھولوں کی سحر آفریں خوشبو شراب کے نشے کے ساتھ مل کر شہزادیوں کے جسموں میں ایک عجیب کیفیت پیدا کرنے لگی۔ انہوں نے ایک دوسری کی طرف شرمیلی نگاہوں سے دیکھا ——— ان کی نگاہیں کہہ رہی تھیں "آہ آج رات پھولوں کی اس سیج پر ہماری عصمت و پاکیزگی ایک وحشی کی نذر ہو جائے گی اور اس کے بعد ہمارے خوبصورت جسم ہمیشہ کے لئے محروم محبت ہو جائیں گے۔ ہوس کا آفتاب ابھی ابھی طلوع ہو گا اور حسن کا آفتاب ہمیشہ کے لئے حرم میں غروب ہو جائے گا۔"

طوفوطراس بار بار شہزادیوں کے نوخیز جسموں پر للچائی ہوئی نظریں ڈال رہا تھا۔ یکایک ایک نوخیز خادمہ دوڑتی ہوئی آئی اور کہنے لگی "جہاں پناہ ملکہ ساجرہ نے پیغام بھیجا ہے کہ شاہِ زیورفت آج رات سیر کے لئے چلے گئے ہیں اگر آپ کو ملنا ہے تو فوراً اطلاع دیجیے، ورنہ پھر ملاقات نہ ہو سکے گی۔ پرسوں ہمیں اپنے دارالسلطنت چلے جانا ہے۔"

ملکہ ساجرہ ایک رنگین مزاج عورت تھی اور شہنشاہ طوفوطراس کے دوست شاہِ زیورفت کی بیوی تھی۔ کئی حکمران اس پہ جان دیتے تھے۔ اگرچہ اس کی عمر تیس برس کے

قریب تھی۔ لیکن اس میں کوئی ایسی بات تھی جو مرد کو ہمیشہ کے لئے مسخر کر لیتی تھی۔ ملکہ ساجدہ ایک ایسی تتلی تھی جسے پھول پھول کا رس چوسنے میں مزہ آتا تھا۔ وہ اپنے دارالسلطنت سے محض اس لئے یہاں آئی تھی کہ طوفوطراس کے شبستان میں جس کی شہرت دور دراز تک پھیلی تھی شہنشاہِ مصر کے ساتھ محبت کی ایک رات بسر کر سکے۔

طوفوطراس کو جب معلوم ہوا کہ آج رات اُسے رنگین مزاج ملکہ کا قرب حاصل ہو سکتا ہے تو وہ خوشی سے دیوانہ ہو گیا۔ اس نے سوچا کہ شہزادیاں تو بہر حال میرے پاس ہی ہیں آج کی رات ساجدہ کے ساتھ بسر کرنی چاہئے۔ جسے اپنے دارالحکومت میں بلانے کی خاطر اس نے اس قدر چالوں سے کام لیا ہے اور محض اسے چند دن کے لئے یہاں ٹھہرانے کی خاطر اس نے مختلف تدبیریں اختیار کرنے میں اس قدر دولت صرف کر دی ہے۔

اب طوفوطراس نے دونوں شہزادیوں کو اس خادمہ کے سپرد کر دیا۔ اور اس سے کہہ دیا کہ انہیں دوسرے شبستاں میں پہنچا دیا جائے اور ان کی خوب خاطر مدارات کی جائے۔

شہزادیاں ایک دوسرے کمرے میں پہنچا دی گئیں ملکہ کو لانے کے لئے ایک قاصد عورت بھیج دی گئی اور طوفوطراس لباس تبدیل کرنے کے لئے بالاخانے کی طرف بڑھا شہزادیوں نے اپنی کھڑکی میں سے دیکھا کہ جونہی طوفوطراس نے بالاخانے کا رخ کیا۔ درجنوں نیم عریاں خوبصورت عورتیں اس کے آگے آگے زینے پر چڑھ گئیں۔ بڑی شہزادی نے حیران ہو کر خادمہ سے پوچھا "یہ کیا بات ہے؟"

خادمہ کہنے لگی "شہنشاہ عالی مرتبت بالاخانے پر جا رہے ہیں۔ محل کی کشادہ سیڑھیوں

میں دونوں طرف ان نیم عریاں عطر سے مہکی ہوئی عورتوں کی قطاریں نیچے سے لے کر اوپر تک کھڑی ہو جائیں گی۔ شہنشاہ سلامت انہیں شانوں سے پکڑ پکڑ کر اوپر چڑھیں گے۔ پھر یہ سب انہیں لباس پہنائیں گی۔"

اس گناہ آلود ماحول میں گھر کر دونوں شہزادیوں کے معصوم دل کانپ گئے۔

تھوڑی دیر میں رنگین مزاج ساحرہ جھلمل جھلمل کرتا ہوا زرتار لباس زیب تن کیئے ہوئے آنکلی۔ اُس نے شراب پی رکھی تھی۔ طوفوطراس نے آگے بڑھ کر لڑکھڑاتی ہوئی ملکہ کا خیر مقدم کیا۔ اور اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اُسے شبستاں میں لے گیا۔ سیج پر بچھے ہوئے پھولوں کی محبت آفریں اور ولولہ انگیز خوشبو کی لپٹیں دونوں کے دلوں میں آرزوؤں کے پھول کھلانے لگیں۔ ملکہ لڑکھڑا کر سیج پر گر گئی۔ اور طوفوطراس سے بولی یہ میری چاہت کا دم بھرنے والے! میں سیلاب محبت میں تنکے کی طرح بہی جا رہی ہوں۔ آ اور میرے سرخ ہونٹوں کی پیاس بجھا۔" طوفوطراس اس کی طرف بڑھا۔ اس طرح کہ اس کے دل کے سمندر میں گناہ کی رنگین موجیں آپس میں چہلیں کر رہی تھیں۔

(۴۳)

رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ اس وقت طوفوطراس اپنے دوست کی بیوی کے ساتھ اپنے شبستانِ خاص میں دادِ نشاط دے رہا تھا۔ اِدھر دونوں شہزادیاں طوفوطراس کے قفس سے نکل بھاگنے کی تدابیر سوچ رہی تھیں۔ وہ کھانا کھا چکی تھیں اور اپنے بھاگنے کا پروگرام بھی مرتب کر چکی تھیں۔ ایک خوبصورت غلام ان کی خدمت میں متعین تھا۔ اس کے ساتھ مل کر بھاگنے کی کوئی سبیل نکل سکتی تھی۔

شہزادیاں کھانا کھانے سے فارغ ہو چکیں تو غلام نے پوچھا "میرے لائق کوئی اور خدمت"
بڑی شہزادی کہنے لگی "تم ہمیں کہانیاں سنا کر ہمارا دل بہلاؤ"

غلام فرش پر ایک جگہ بیٹھ کر شہزادیوں کو کہانی سنانے لگا۔ دونوں شہزادیاں اس وقت اپنے اپنے بستر پر لیٹ چکی تھیں۔ بڑی شہزادی غلام سے کہنے لگی "میرے پاؤں دکھ رہے ہیں، ذرا انہیں دبا دو" غلام ہچکچایا تو شہزادی بولی "دیکھو تمہیں معلوم ہے کہ شہنشاہ سلامت ہم سے محبت کرتے ہیں۔ اگر تم نے ہمارے کسی حکم کی تعمیل نہ کی تو ہم شہنشاہ سے کہہ دینگے کہ تم نے ہمیں بری نظر سے دیکھا ہے اور گستاخی کی ہے اور تم فوراً قتل کر دیئے جاؤ گے"

یہ سن کر غلام فوراً شہزادی کے پاؤں دابنے لگا۔ ایک حسین عورت کا پاؤں ہاتھ میں آنے سے ایک نوجوان کی جو حالت ہوتی ہے، وہی اس غلام کی ہوئی۔ جب شہزادی نے غلام کی حالت متغیر ہوتے دیکھی تو کہنے لگی "تم شاید مجھ سے محبت کرنا چاہتے ہو۔ تمہیں اس کی اجازت دی جا سکتی ہے، بشرطیکہ تم میری ہمجولی کے لئے کسی چاہنے والے کا بندوبست کرو۔ تم ابھی کہہ رہے تھے کہ محل کا بڑا پہرے دار تمہارا دوست ہے۔ میری سہیلی اس کا مضبوط جسم اور حسین چہرہ دیکھ کر اس پر عاشق ہو گئی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ تم اسے کمرے میں لے آؤ۔ تاکہ صرف میں ہی نہیں بلکہ میری سہیلی بھی عشق کی رات گذار سکے۔ اگر تم نے انکار کیا تو ہم ابھی شہنشاہ کو بلا کر تم دونوں کو قتل کرا دینگے"۔

غلام جس کے سر پر ہوس کا بھوت سوار ہو رہا تھا، فوراً محل کے بڑے پہرہ دار

کو جس نے ان دونوں بہنوں کو بہت گھور گھور کر دیکھا تھا بلا لایا اور دونوں شہزادیاں اپنے اپنے فرضی محبوب کو شراب پلانے لگیں۔ جب وہ شراب کے نشے میں بدمست ہو گئے اور دونوں نے اپنی اپنی محبوبہ کے لئے اپنی آغوش کھولی تو چھوٹی شہزادی بولی "قریب کے کمرے میں شہنشاہ اپنی محبوبہ کے ساتھ دادِ عیش دے رہے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ہمیں دیکھ لیں۔ چلو باغ میں چل کر بارہ دری میں محبت کی رات بسر کریں"۔

شراب کے نشے میں بہکے ہوئے غلام اس بات پر راضی ہو گئے پہرہ دار نے عشق کے جوش میں اپنے فرض کی کوئی پرواہ نہ کی دونوں غلام شہزادیوں کے ساتھ پائیں باغ کی بارہ دری میں پہنچ گئے بڑی شہزادی اپنے غلام سے کہنے لگی "اوہو شراب تو تم لائے ہی نہیں۔ میں نے تو ایک گھونٹ بھی نہیں پی، تم دونوں کو پلاتی رہی ہوں۔ جاؤ جا کر شراب لے آؤ"۔ غلام فوراً شراب لینے چل دیا جب وہ چلا گیا تو چھوٹی شہزادی پہرہ دار غلام سے بولی "پیارے محبوب! دوڑ کر محل میں جاؤ اور اپنے ساتھی سے کہو کہ شراب کے ساتھ کچھ میوہ بھی لے آئے۔ جلدی کرو۔ میں تمہاری محبت میں دیوانی ہو رہی ہوں۔ دیکھو جلدی آنا دیر نہ لگانا"۔

جب دونوں غلام جا چکے تو شہزادیاں رات کی تاریکی میں کہیں بھاگ گئیں، جب غلام واپس آئے اور انہوں نے شہزادیوں کو بارہ دری میں نہ پایا تو ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ لیکن چونکہ دونوں قصوروار تھے اس لئے ان دونوں میں سے کسی کو بھی جرأت نہ ہوئی کہ بادشاہ کو جا کر ان دونوں کے فرار کی خبر دے۔

صبح اٹھ کر جب طوفوطراس کو معلوم ہوا کہ دونوں چڑیاں قفس سے اڑ گئیں ہیں

تو اس نے فرط غیظ و غضب میں ایک طوفان برپا کر دیا۔ بہرہ دار کا سر قلم کرا دیا گیا اور جو غلام اُن دونوں کی خدمت پر مامور تھا اُن کی آنکھیں نکلوا دی گئیں۔ اس کے بعد ان دونوں شہزادیوں کو پھانسنے کے لئے شہنشاہ نے جو خوفناک چالیں چلیں وہ ایک علیحدہ داستان ہے البتہ اتنا بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ طوفوطراس نے شہزادیوں کی حرکت کا انتقام ان کی خالہ زاد بہن سے لیا اور وہ اس طرح کہ اس کی "شادی" زبردستی اصطبل کے دس غلاموں سے کر دی۔

(۴)

ایک طرف تو طوفوطراس شاہانہ عیش و عشرت میں زندگی گذار رہا تھا۔ دوسری طرف خود اس کی ملکہ اس کی حرکتوں سے بیزار ہو کر اپنے سکونِ قلب کا سامان تلاش کر رہی تھی۔ ملکہ وفا کی دیوی تھی۔ وہ طوفوطراس پر جان چھڑکتی تھی۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ طوفوطراس کسی طرح اس کی طرف ملتفت نہیں ہوتا تو وہ اس سے قطعاً مایوس ہو گئی اکثر وہ حرم کی اُن بے شمار عورتوں سے اظہار ہمدردی کرتی جو ہمیشہ کے لئے قید کر دی گئی تھیں اور حرم کی عورتیں بھی اس سے کہتیں کہ "ہم تو قیدی ہیں۔ تم ملکہ ہو کر اپنی جوانی برباد کر رہی ہو۔ ایسے شوہر سے غداری کرو، غداری!"

ملکہ بہت دیر تک پارسائی اور شرافت کی راہ پر چلتی رہی۔ لیکن تا بکے محل کی تمام فضا گناہ آلود اور تاریک تھی۔ آئے دن اس کی آنکھوں کے سامنے شہنشاہ دوسری عورتوں کے ساتھ داد عیش و عشرت دیتا اور وہ اپنی اجنکوں بھری راتیں تارے گن گن کر گذار دیتی۔ رفتہ رفتہ وہ نیکی کی راہ سے بھٹکنے لگی۔ شہنشاہ کی ہوس پرستی اور دھوکہ بازی

فاحشہ عورتوں کی غمزہ فروشی اس پر بھی اثر انداز ہونے لگی۔ اگرچہ اس کی عمر پچیس برس کی ہو چکی تھی۔ لیکن اس کا چہرہ ابھی تک موسمِ بہار کا ایک نو دمیدہ پھول تھا۔ اس کا بدن اب بھی گدرایا ہوا، اس کا سینہ اب بھی حشر خیز اور اس کے ہونٹ اب بھی دوشیزاؤں کے ہونٹوں کی طرح رسیلے شیریں اور رنگین تھے۔ اب بھی اس کی مستانہ چال دیکھ کر یوں معلوم ہوتا جیسے کوئی ناگن لہرا رہی ہے۔

جب ملکہ کو معلوم ہوا کہ طوفوطراس کا ملکہ ساجرہ سے ملاپ ہو گیا ہے تو اس کے دل میں آتشِ رقابت بھڑک اٹھی۔ ساجرہ وہ عورت تھی، جس نے بارہا ملکہ کو طوفوطراس کی نظروں سے گرا کر اسے اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی تھی۔ جب ملکہ کو معلوم ہوا کہ ساجرہ طوفوطراس کے ساتھ ملاپ کرنے میں کامیاب ہو گئی ہے تو اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ بھی اپنی تسکین کے لئے کوئی اور ذریعہ ڈھونڈے گی اور اس طرح شہنشاہ سے انتقام لے گی۔

ملکہ مصر اب شہنشاہ طوفوطراس کی طرف سے بالکل غافل ہو گئی تھی۔ اب اس نے سپہ سالار کیمرن سے محبت کی پینگیں بڑھانی شروع کر دی تھیں۔ ملکہ کی ایک لڑکی بھی تھی جس کی عمر سترہ سال سے زیادہ نہ تھی شہزادی کا نام زینی تھا۔ زینی کی طبیعت اپنے ماں باپ سے بالکل مختلف تھی۔ وہ اپنے باپ کے رویہ سے تنگ آ چکی تھی۔ لیکن اب یک نہ شد دو شد والا معاملہ تھا۔ اس کی ماں نے بھی اپنی زندگی کی کشتی گناہ کے سمندر میں ڈال دی تھی۔ زینی کے لئے مصیبت بر مصیبت یہ تھی کہ اپنی ماں اور اپنی ماں کے محبوب سپہ سالار کے درمیان قاصد و پیغام بر کے فرائض اسے انجام دینے پڑتے تھے۔ ملکہ اپنے نوبہار

جسم کی طلعتیں لے کر بارہ دری کے ایک پوشیدہ گوشے میں اپنے محبوب کے ساتھ غائب ہو جاتی۔ عاشق اور محبوبہ دونوں کئی کئی گھنٹے تخلئے میں گذار دیتے اور بے چاری زینی کو بارہ دری کے دروازے پر کھڑے ہو کر پہرہ داری کے فرائض انجام دینے پڑتے۔

زینی اپنی ماں کے دکھ کا حال اچھی طرح جانتی تھی۔ لیکن اسے یہ بھی گوارا نہ تھا کہ اس کی ماں اپنے شاہانہ وقار کو خاک میں ملا کر ادنیٰ لوگوں سے دوستی کرتی پھرے۔ لیکن عورت جب ایک مرتبہ لعل عصمت کھو دیتی ہے تو اُسے دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی گناہ کی دلدل سے نہیں نکال سکتی۔ ملکہ کے محبوب سپہ سالار کو اکثر لڑائی کی مہمات پر کافی مدت تک باہر رہنا پڑتا تھا۔ اپنے دل کو مستقل طور پر تسکین دینے کے لئے ملکہ ہرجائی بن گئی۔

زینی اپنی ماں کو غیروں کی آغوش میں دیکھ دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھا کرتی۔ لیکن وہ اس کا کوئی تدارک نہ کر سکتی تھی۔ اکثر جب ملکہ محل میں کسی نوجوان کے ساتھ ہم آغوشیوں کے لطف اٹھا رہی ہوتی زینی دوڑ کر اس کے کمرے میں آجاتی۔ ملکہ اور نوجوان ایک دوسرے کی آغوش سے علیحدہ ہو جاتے اور زینی کو انہیں خبردار کرنا پڑتا کہ شہنشاہ سلامت آرہے ہیں۔

اسی طرح کافی مدت گذر گئی۔ ایک دن یکایک ملکہ پر انکشاف ہوا کہ وہ ایک بچے کی ماں بننے والی ہے۔ عجیب بات یہ تھی کہ ملکہ کو خود بھی معلوم نہ تھا کہ اس بچے کا باپ کون ہے۔ جب ملکہ پر اس خوفناک راز کا انکشاف ہوا تو اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ اب اس نے شہنشاہ کو اپنی طرف ملتفت کرنے کی کوششیں شروع کر دیں تاکہ

شہنشاہ اور ملکہ کا ایک رات کا ملاپ بھی نیپ کی پیدائش کے خوفناک راز کا پردہ پوش ہو سکے لیکن شہنشاہ دوسری عورتوں سے محبت کرنے میں اس قدر مصروف رہتا تھا کہ وہ ملکہ کے لئے فرصت کی ایک رات بھی نہ نکال سکا۔

کچھ عرصے کے بعد محل بھر کی کنیزوں میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ ملکہ ایک بچے کی ماں بننے والی ہے۔ اب ملکہ کے لئے زندہ رہنا دشوار ہو گیا۔ بدنامی کی زندگی سے موت بہتر تھی۔ وہ جانتی تھی کہ شہنشاہ کو اس کا قرب حاصل کئے کئی سال گذر چکے ہیں اور اتنی مدت تک شوہر سے جدا رہنے پر ایک بچے کی ماں بننا کس قدر خوفناک بات ہے۔ اس کے بعد وہ خوفناک سزائیں اس کے سامنے آگئیں جو ظالم شہنشاہ بچے کا راز منکشف ہونے پر اسے دے سکتا تھا۔

ایک رات ملکہ نے زینی کو اپنے پاس بلایا اور اس کے سامنے اس کے باپ کی تمام کارستانیوں کی داستان دہرائی۔ اس کے بعد اس نے رو رو کر اپنی داستانِ غم بیٹی کو سنائی۔ ماں بیٹی بہت عرصہ تک بیٹھی آنسو بہاتی رہیں پھر ماں نے اپنی بیٹی کو نیکی کی زندگی بسر کرنے کی تلقین کی اور اُسے بتایا کہ وہ آج رات ابدی نیند سو رہی ہے۔

زینی نے رو کر کہا "پیاری امی تمہارے بعد میں تنہا رہ جاؤں گی۔ آؤ دونوں بھاگ چلیں"۔

ماں نے کہا "نہیں بیٹی میرے گناہوں کا ازالہ یوں ہی ہو سکتا ہے کہ میں اپنے آپ کو کوئی خوفناک سزا دوں"۔

یہ کہہ کر ملکہ نے زہر کی ایک شیشی نکالی اور اُسے غٹاغٹ چڑھا گئی۔ اس کے بعد

اس نے اپنی بیٹی کو کئی مرتبہ چوما اور بستر پر لیٹ گئی۔ رفتہ رفتہ خوبصورت جسم کملانے لگا، آنکھیں پتھرا گئیں اور آخر روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

اپنی ماں کی موت پر زینی نے اپنے بال نوچ ڈالے اور ماتھا پیٹ پیٹ کر اس کا ماتم کرنے لگی۔

(۵)

زینی اپنی ماں کی موت کے بعد بالکل تنہا اور بے یارو مددگار رہ گئی۔ اس کے باپ کو اس کی مطلق پروا نہ تھی۔ وہ اب تک رنگ رلیوں میں مصروف تھا۔ آخر زینی کا دل کیسے بہلتا۔ وہ بھی اس خاندان کی دوسری عورتوں اور لڑکیوں کی طرح بلکہ خود اپنی ماں کی طرح کسی سے دل لگا کر عیش و عشرت کی زندگی بسر کر سکتی تھی۔ لیکن اس نے گناہ اور ہوس پرستیوں کا عبرت ناک انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔ شاہی محل کی زندگی سے اسے نفرت ہونے لگی۔

ایک دن طوفوطراس کے پاس شاہ ہسپانیہ کا ایک ایلچی آیا جس نے شہنشاہ سے درخواست کی کہ وہ اپنی حسین و جمیل بیٹی کا رشتہ شہزادہ ہسپانیہ کے لئے منظور کرلے طوفوطراس فوراً رضامند ہو گیا اور اس نے یہ خوشخبری اپنی بیٹی کو بھی سنائی۔ طوفوطراس کا خیال تھا کہ اس کی بیٹی شہزادہ ہسپانیہ جیسے خوبصورت نوجوان سے شادی کر کے بہت خوش ہو گی۔ لیکن خلافِ امید شہزادی نے شادی سے انکار کر دیا۔

شہنشاہ نے بیٹی کو لاکھ سمجھایا کہ اُسے اس سے بہتر داماد نہیں مل سکے گا، لیکن زینی برابر انکار کرتی گئی۔ آخر شہنشاہ یہ کہہ کر چلا گیا کہ دو تمہیں اس سے شادی کرنی ہی ہو گی۔

میں منظوری دے چکا ہوں۔ اگر تم اس سے شادی نہ کرو گی تو میں تمہیں محل سے نکال دوں گا۔"

شہزادی پہلے ہی محلات کی زندگی سے متنفر ہو چکی تھی۔ اس نے شہنشاہ کے فیصلے کو کوئی اہمیت نہ دی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کسی شہزادے سے اس کی شادی ہو۔ وہ تو خود چاہتی تھی کہ اسے محل سے نکال دیا جائے۔ اس گناہ آلود ماحول میں رہ کر بھی نیکی کی شمع اس کے دل میں روشن تھی۔

نصف شب کا وقت تھا۔ چاند پوری تابانی سے چمک رہا تھا۔ زینی اپنے اطلس و کمخواب کے بستر سے اٹھی۔ اپنی مرحومہ ماں کے صندوق سے اس نے کچھ سکے اور سونے کی چند ڈلیاں زادِ راہ کے لئے نکالیں اور پہرہ داروں کی آنکھ بچا کر محل سے باہر نکل آئی۔ محل سے باہر چاروں طرف دو دو میل تک شاہی باغات پھیلے تھے۔ زینی تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی شاہی باغات کو جلد از جلد طے کر لینے کی کوشش کرنے لگی۔ چلتے چلتے وہ بہت دور نکل گئی۔ آج اسے اپنے جسم میں ایک غیر معمولی طاقت محسوس ہو رہی تھی۔ صبح کے قریب وہ شہر سے کافی دور نکل گئی۔ آخر ایک گاڑی بان کو سونے کی دو ڈلیاں بطور کرایہ دیں اور کہنے لگی "ان دو ڈلیوں کے عوض مجھے تم یہاں سے جتنی دور لے جا سکتے ہو لے جاؤ۔ مجھے اس ملک کی حد سے پرے جانا ہے۔" گاڑی بان نے سونے کی دو ڈلیوں کو بہت غنیمت جانا، اسے اپنی گاڑی میں بٹھا لیا اور گاڑی جنگل کی طرف روانہ ہو گئی۔

گاڑی کئی گھنٹے چلتی رہی۔ یہاں تک کہ رات ہو گئی۔ زینی نے رات بسر کرنے کے لئے ایک سرائے میں ایک کمرہ لے لیا۔ گاڑی بان اور زینی دونوں ایک ہی کمرے میں ٹھہرے۔ بھوک کے مارے شہزادی کا برا حال ہو رہا تھا۔ جو کچھ سرائے سے ملا۔ اس سے پیٹ بھر

کر کھا لیا۔ حالانکہ اُسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اس نے کیا کھایا ہے۔ ناز و نعم میں پلی ہوئی شہزادی نے تو کبھی خواب میں بھی ایسی بدمزہ چیزیں نہ دیکھی تھیں جو اُسے سرائے میں ملیں تکان کے مارے زینی کا بدن چُور چُور ہو رہا تھا۔ وہ پلنگ پر گرتے ہی سو گئی اور سرائے کے کمرہ میں جلتا ہوا دھیمی دھیمی روشنی والا چراغ اس کے حسن کی حفاظت کرنے لگا۔ بھولی بھالی شہزادی کو کیا معلوم تھا کہ کسی تنہا مقام میں ایک ہی کمرے میں ایک مرد اور عورت کا سونا کس قدر خطرناک ہوتا ہے۔

نصف شب کے قریب شہزادی کے جسم نے کسی کرخت ہاتھ کی گرفت محسوس کی۔ وہ چونک کر اٹھ کھڑی ہوئی کسی نے چراغ بجھا دیا تھا۔ شہزادی نے کرخت آواز میں پوچھا "تم کون ہو؟"

آواز آئی "وہی جو تمہیں اپنی گاڑی میں بٹھا کر یہاں لایا ہے۔"

شہزادی نے کہا "پرے ہٹ جاؤ" گاڑیبان نے اس پر دست درازی کرنی چاہی زینی نے گاڑیبان کو ایک چپت لگا کر کہا "میں تم سے شیطان کے ساتھ سفر نہیں کر سکتی۔ میں ابھی آگے پیدل روانہ ہوتی ہوں۔ مجھے تمہاری گاڑی کی ضرورت نہیں" جب گاڑیبان نے اُسے آغوش میں لے کر بھینچنے کی کوشش کی تو اس نے شور مچانے کی دھمکی دے کر خود کو اُسکے پنجے سے آزاد کر لیا اور باہر نکل آئی۔

اب گاڑیبان تو اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ زینی باہر نکل آئی جب وہ باہر آئی تو چاند پوری تابانی سے چمک رہا تھا۔ سرائے کے باہر ایک مفلوک الحال نوجوان گڈریا جو کئی دن سے بھوکا تھا اور جس کے پاس سونے کے لئے بھی جگہ نہ تھی بیٹھا آگ تاپ رہا تھا۔

شہزادی اس سے آکر کہنے لگی "تم اس وقت یہاں کیا کر رہے ہو؟"

گڈریئے نے جواب دیا "تین دن سے بھوکا ہوں، جنگلی پھل کھا کر گذارہ کرتا ہوں رہنے کے لیئے مکان نہیں۔ آج بہت سردی تھی جنگل سے لکڑیاں اکٹھی کر کے آگ تاپ رہا ہوں تاکہ رات آسانی سے گذر جائے۔"

شہزادی نے کہا "مجھے تم سے بڑی ہمدردی ہے۔ میں تمہاری مدد کروں گی۔ لیکن پہلے تم میری مدد کرو۔ مجھے ایک جگہ بہت جلد پہنچنا ہے۔ میرا ساتھی جو بیل گاڑی چلا رہا تھا۔ بیمار ہو گیا ہے۔ وہ سرائے میں رہے گا۔ مجھے بیل گاڑی چلانی نہیں آتی۔ تم اس میں بیل جوت لو اور مجھے لے چلو۔ میں تمہیں خوش کرونگی۔"

گڈریا فوراً تیار ہو گیا پل بھر میں انہوں نے مل کر بیلوں کو گاڑی میں جوتا اور گاڑیبان کو سرائے میں غافل سوتا چھوڑ کر آگے روانہ ہو گئے۔ صبح تک ان کی گاڑی سرائے سے بیسیوں میل دور نکل چکی تھی۔ اب آفتاب نکل آیا تھا اور جنگل میں پرندے چہچہا رہے تھے۔ گڈریا تو پہلے ہی کئی دن کا بھوکا تھا۔ زینی بھی بھوک سے بیتاب ہو رہی تھی۔ زینی نے چند سکے نکال کر گڈریئے کو دیئے اور گڈریا ایک نواحی آبادی سے ایک بکری اور کھانے پینے کی بہت سی چیزیں لے آیا۔ جو کئی دن تک کے لیئے کافی تھیں۔ شہزادی بکری کو دیکھ کر کہنے لگی "یہ کہاں سے لے آئے ہو؟ اور کیوں لے آئے ہو؟"

گڈریا کہنے لگا "تم نے مجھے اتنے زیادہ سکے دیئے تھے۔ میں ان کا کیا کرتا سوچا بکری خرید لوں۔ اس کا دودھ پئیں گے۔"

زینی گڈریے کی بھولی بھالی باتیں سنکر کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ پہلے دونوں نے بیلوں

کو چارہ کھلایا اور پھر خود کھانا کھایا۔ پھر دونوں سفر کی تکان مٹانے کے لئے سو گئے۔ سہ پہر کے قریب شہزادی اٹھ بیٹھی اور اس نے گڈریے کو بھی اٹھایا اور اس سے کہا کہ وہ گاڑی میں بیل جوت دے۔ وہ اب آگے جائے گی۔ چرواہے نے فوراً اس کے حکم کی تعمیل کی۔

شہزادی نے سونے کی چند ڈلیاں نکال کر گڈریے کو دے دیں اور کہا "لو ان ڈلیوں کو بیچ کر اپنے لئے ایک جھونپڑی بنوا لینا اور اس بکری کا دودھ پیا کرنا۔ میں اب جاتی ہوں"

گڈریا شہزادی کے منہ سے یہ بات سن کر اداس ہو گیا۔ اس نے سونے کی ڈلیاں لینے سے انکار کر دیا اور بکری کو بھی اٹھا کر بیل گاڑی میں رکھ دیا اور کہا "راستے میں تمہیں بھوک لگے گی۔ بکری کا دودھ پی لینا۔ میرا جی نہیں چاہتا کہ اپنے کام کا تم سے کوئی معاوضہ لوں"

شہزادی کے اصرار کے باوجود گڈریے نے سونے کی ڈلیاں نہ لیں۔ شہزادی دیکھ رہی تھی کہ گڈریے کے چہرے پر غم برس رہا ہے۔ بہرحال اس نے گڈریے کو الوداع کہی اور آگے روانہ ہو گئی۔ تھوڑی دور گئی تھی کہ گڈریا دوڑتا ہوا اس کے پاس آیا اور کہنے لگا "اے نیک لڑکی! مجھے بھی اپنے ساتھ لے چل۔ میں تیری گاڑی چلاؤں گا اور تجھے جنگل سے پھل توڑ توڑ کر کھلاؤں گا"

شہزادی کو بھی اپنے بھولے بھالے ساتھی سے کافی دلچسپی ہو چکی تھی۔ اس نے ہنس کر اسے اپنے ساتھ لے لیا اور کہنے لگی "میں بھی یہی سوچ رہی تھی کہ واپس آ کر تمہیں اپنے ساتھ لے لوں"

اب گڈریے نے بیل گاڑی میں نرم نرم گھاس بچھا دی۔ اور شہزادی کو اس پر بٹھا کر خود گاڑی چلانے لگا۔ راستے میں اس نے شہزادی کو اپنے کارنامے سنانے

شروع کئے کہ اس نے کس طرح تن تنہا کئی بھیڑیوں کا مقابلہ کر کے انہیں مغلوب کیا ہے۔ کتنے ہی خوفناک سانپوں اور جنگلی جانوروں کو مارا ہے۔ اس کے بعد اس نے شہزادی کو جنگلی گیت سنائے اور اپنی بانسری سے اس کا دل لبھاتا رہا۔ شہزادی بھی اسے باتیں سناتی رہی۔ اس نے اسے بتایا کہ وہ ایک تاجر کی لڑکی ہے اور سوتیلی ماں کے سلوک سے تنگ آ کر گھر سے نکل آئی ہے۔ گڈریا اس کی باتیں سن کر کہنے لگا "ہو تو تم تاجر کی لڑکی لیکن ایک شہزادی معلوم ہوتی ہو۔"

شہزادی نے جواب دیا "ہو تو تم گڈریے لیکن تم بادشاہوں اور شہزادوں سے زیادہ نیک دل معلوم ہوتے ہو۔"

آٹھ دن کی مسافت کے بعد ایک جگہ ان دونوں مسافروں کی منزل ختم ہو گئی۔ جب وہ دونوں ایک شہر کے نواحی جنگل میں پہنچے تو شہزادی نے کہا۔

"اب تم جنگل کی ندی کے کنارے ایک جھونپڑی بناؤ ہم دونوں ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ رہیں گے۔ مجھے امارت سے نفرت اور غربت سے محبت ہے۔"

چند دن کی لگاتار محنت کے بعد انہوں نے مل کر جھونپڑی تیار کر لی۔ باقی سونا بیچ کر گڈریا شہر سے کچھ مویشی خرید لایا۔ شہزادی مویشی چراتی اور گڈریا شہر میں مزدوری کرتا۔ جب ان کے پاس کچھ روپیہ جمع ہو گیا تو انہوں نے اور مویشی بھی خرید لئے اور وہیں جنگل میں رہنے سہنے لگے۔

کچھ عرصہ بعد گڈریے اور شہزادی کی شادی ہو گئی۔ شہزادی اپنے ہاتھ سے کھانا پکاتی تھی، خود مویشی چراتی تھی اور گھر میں جھاڑو دیتی تھی۔ اب اُسے ایسا اطمینان

قلب میسّر تھا جو اس کی ماں کو شاہی محلات میں اور اس کے باپ کو ہیرے اور جواہرات سے بھرپور خزانوں سے بھی حاصل نہ ہوا تھا۔ اس کی زندگی نیکی اور پاکیزگی کی زندگی تھی۔ وہ اور اس کا شوہر دوسرے بھولے بھٹکے مسافروں کو کھانا کھلاتے، غریبوں کی مدد اور محتاجوں کی دیکھ بھال کرتے۔

جب خدا نے انہیں ایک ننھا منا چاند سا بچہ دیا تو شہزادی نے اس موقع پر خوشی میں اپنے شوہر کو اپنی گذشتہ زندگی کا تمام افسانہ کہہ سنایا اور بتا دیا کہ دراصل وہ ایک شہزادی ہے۔

گڈریا اس کی باتیں سن رہا تھا اس پر ایک سکتہ طاری تھا۔ وہ کانپ رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔

زینی کے باپ کی سلطنت تھوڑی ہی مدت میں اجڑ گئی۔ جب زینی کا بیٹا جوان ہوا تو اس نے از سرِ نو بزورِ شمشیر مصر کا تخت حاصل کیا۔ لیکن وہ اپنے نانا کی طرح عیش پرست اور ظالم نہ تھا بلکہ اس کے عہد میں مصر پر خوشحالی اور رحمت کی حکومت تھی +

ہسپانوی شہزادے کا

ایک وحشی عورت سے عشق

محبت اور قربانی کی ایک درد انگیز داستان

ہسپانیہ کا ہونہار شہزادہ سوفی سیر و سیاحت کا صرف دلدادہ ہی نہیں بلکہ دیوانہ تھا بچپن ہی سے اسے سیر و سیاحت کا بہت شوق تھا۔ وہ کئی ملکوں کی سیر کر چکا تھا لیکن سمندری سفر کا اسے کبھی اتفاق نہ ہوا تھا۔ اس زمانے میں سمندری سفر بھی کوئی معمولی بات نہ تھی۔ بادبانی جہازوں پر سفر کیا جاتا تھا اور سمندری سفر کرنے والوں میں سے بہت کم لوگ واپس آتے تھے تاہم شہزادے کا جنونِ سفر کسی طرح کم نہ ہوتا تھا۔

آج سوفی اپنے محل کے ایک نواحی باغ میں کھڑا تھا۔ اس کی محبوبہ شہزادی نرودیا اس کے پاس ہی سر جھکائے غم کی تصویر بنی کھڑی تھی۔ وہ شہزادے کو بحری سفر پر روانہ ہونے کی اجازت نہ دیتی تھی۔ اس نے رو رو کر اپنا برا حال کر لیا تھا۔ لیکن شہزادے پر سیر کا جنون کچھ اس طرح سے مسلط ہو چکا تھا کہ وہ اس سلسلے میں اس کی ہر التجا کو ٹھکرانے پر مجبور تھا لیکن شہزادی اب بھی ناامید نہیں ہوئی تھی۔ وہ برابر اپنے محبوب کی منتیں کئے جا رہی تھی۔ وہ اسے تسلی دے دے کر کہہ رہا تھا کہ "میں بہت جلد سفر سے لوٹ آؤں گا۔" لیکن شہزادی

کا غنچۂ رُخ کسی طرح نہ کھلتا تھا۔

اب پھر شہزادی نرودیا کے خوبصورت لبوں کو جنبش ہوئی اور وہ ٹھنڈی سانس لیکر بولی "اب معلوم ہوگیا کہ تمہیں مجھ سے قطعی محبت نہیں"۔

شہزادہ سنوتی مسکرا کر بولا "یہ تمہیں کیونکر معلوم ہوا؟"

"تم مجھے چھوڑ کر جا رہے ہو"۔

"کبھی انسان سے سایہ بھی جدا ہوا ہے؟ میں تمہارا سایہ ہوں۔ میں تم سے کسی طرح جدا نہیں ہو سکتا"۔

"جدا بھی ہو رہے ہو اور یہ بھی کہتے ہو کہ جدا نہیں ہو رہا"۔

"جیسے چھاؤں میں انسان سے تھوڑی دیر کے لئے اُس کا سایہ جدا ہوتا ہے اور دھوپ میں پھر اس کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔ یہی حالت میری ہے میں بہت تھوڑی مدت کے لئے تم سے جدا ہو رہا ہوں"۔

"تمہیں وہ رات یاد ہے۔ جب میں اپنی ماں کے کمرے سے چوری چوری نکل کر باغ میں تم سے ملنے آئی تھی!"

"مجھے وہ رات اچھی طرح یاد ہے۔ اُس رات کو میں کیونکر بھول سکتا ہوں"!

"کیا اُس رات میں نے تمہاری خاطر اپنی عزت خطرے میں نہ ڈال دی تھی؟"

"یقیناً!"

"کیا اُس رات میرے ہونٹوں سے ہونٹ ملانے کیلئے تمہیں مسلسل دو گھنٹے تک میری منتیں نہیں کرنی پڑی تھیں؟"

"یقیناً!"

"کیا اُس رات جب پہلی مرتبہ تمہارے ہونٹوں کے لمس نے میرے شرمیلے جسم میں سنسنی پیدا کرنے والی بجلیاں دوڑائی تھیں، میں تمہاری اس حرکت پر شرم سے عرق عرق ہو کر رو تی نہیں رہی تھی؟ اور تم نے مجھے منانے اور تسلی دینے کے لئے محبت کی ہزاروں قسمیں نہیں کھائی تھیں؟"

"ہاں جس رات پہلی مرتبہ میں نے تمہارے خوشبودار اور شرمیلے ہونٹوں کو اپنے ہونٹوں سے چھوا تھا تو مجھے اس بات کا پورا پورا اندازہ تھا کہ تم نے میری خاطر کتنی بڑی قربانی کی ہے، تمہاری اس قربانی کی یاد میری لوحِ دل پر ہمیشہ ثبت رہے گی"

"اور پیارے سنتوفی اُس رات کو جب چشم ماہ کے سوا ہمیں اور کوئی دیکھنے والا نہ تھا۔ دریا کے رنگیلے ساحل پر ایک ہُو کا عالم طاری تھا اور ہم دونوں محبت کی شراب کے نشے سے چُور ہو کر ایک دوسرے کے اس قدر نزدیک بیٹھے تھے کہ میں تمہارے دل کی دھڑکن صاف صاف سن رہی تھی، تم نے مجھ سے کہا تھا کہ پیاری نزوویا تم ایک مہکتا ہوا پھول ہو، تمہارے جسم کے روئیں روئیں سے خوشبوئے محبت کی لپٹیں نکل نکل کر میرے مشامِ جاں کو معطر کر رہی ہیں ——— اور پھر اس کے بعد محض چند لمحات کی ہم آغوشی کے لئے تم اس قدر بے قرار ہو گئے تھے کہ بے اختیار روتے ہوئے میرے قدموں پر گر گئے تھے، تمہارے آنسو کسی طرح نہ تھمتے تھے۔ اس وقت نہ جانے کس طرح میرے نحیف نسوانی بازوؤں میں اس قدر قوت آگئی کہ میں نے زبردستی تمہیں اپنے قدموں سے جدا کر کے بٹھا دیا۔ تم پر ایک وارفتگی، ایک دیوانگی طاری ہو رہی تھی، تم دوبارہ میرے شرمیلے اور پاکیزہ

جسم سے لپٹنے کی کوشش کرنے لگے۔ پھر تم نے مجھے اپنی آغوش میں کھینچنا چاہا۔ میں ڈر گئی۔ چاندنی رات تھی۔ دریا کا کنارہ تھا۔ تمہارے دل میں شاعرانہ جذبات اٹھ رہے تھے۔ میں نے سوچا کہ کہیں تم سے بیباکی میں اور مجھ سے جوشِ محبت میں کوئی ناشائستہ حرکت سرزد نہ ہو جائے، میں وہاں سے اُٹھ کر بھاگنے ہی والی تھی کہ تمہاری منتوں نے میرے قدموں میں بیڑیاں ڈال دیں۔ تمہارے آنسوؤں نے میرے جسم اور میری روح کو محبت کے لئے بیدار کر دیا اور میں مغلوب المحبّت ہو کر تمہاری آغوش میں خود بخود اس طرح آگئی۔ جیسے بھنور کی سمت تنکا آجاتا ہے۔ اگر تمہیں یہ رات اور اس کے تمام واقعات یاد ہیں تو ذرا ایک لمحے کے لئے سوچو تو سہی کہ اس وقت تم میرے سامنے کس قدر بے بس ہو گئے تھے۔ اُس وقت یوں معلوم ہوتا تھا جیسے میں کوئی شہنشاہ ہوں اور تم ایک ادنیٰ بھکاری۔ تمہاری آرزوؤں کا پورا کرنا صرف میری "ہاں" یا "نہ" میں مضمر تھا۔ تم اس وقت ایک قیدی کی طرح میرے بس میں تھے۔ میں نے تمہاری حالت پر رحم کیا اور تمہیں وہ سب کچھ دے دیا، جس کے تم طالب تھے۔ لیکن آج ——— ؟ آج تم کس قدر بے رحم اور سنگ دل ہو رہے ہو۔ میں بیتابانہ تمہارا ہاتھ پکڑ رہی ہوں اور تم اپنی کلائی چھڑا کر بھاگ جانا چاہتے ہو۔ کیا اُس وقت کو بھول ہو، جب تم بار بار میرے قدموں پر گر جاتے تھے، جب میری منّتیں کرتے تھے؟ آہ تم مرد لوگ کس قدر مطلبی اور فریبی ہو"

شہزادہ سوفی نے اپنی محبوبہ کی لمبی چوڑی تقریر کے جواب میں اسے اپنی آغوش میں کھینچ لیا اور شہزادی اُس کی آغوش میں گر کر رونے لگی۔

(۲)

شہزادی نرودیا ساحلِ بحر پر کھڑی رومال ہلا رہی تھی۔ شہزادہ کا جہاز اب دور سے دور تر ہوتا جا رہا تھا۔ آخر جہاز ایک نقطہ بن گیا۔
نرودیا ایک چیخ مار کر ریتلے ساحل پر گر گئی۔ وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ کس کی طاقت تھی کہ اس کے منہ میں پانی ٹپکانے کے لئے اس کے جسم کو چھوئے۔ آخر محل میں خبر پہنچائی گئی۔ اتفاق سے شہزادی کا باپ اس وقت دارالحکومت میں موجود نہ تھا۔ ملکہ بھی اپنی بہن کے پاس ایک دوسرے شہر میں موجود تھی۔ شہزادی کی دو سہیلیاں وہاں آ موجود ہوئیں۔ ایک نے شہزادی کو ریت سے اٹھا کر اپنی آغوش میں لے لیا اور دوسری اس کے منہ پر گلاب کے چھینٹے دے کر اس کے حلق میں کوئی مفرح عرق ٹپکا کر اسے ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگی۔ اسے ہوش میں لانے کی تمام تدبیریں ناکام ثابت ہوئیں۔ آخر دونوں سہیلیاں اسے شاہی گاڑی میں لٹا کر محل میں لے آئیں۔
اب شہزادہ سونی کا جہاز بالرمو، قسطنطنیہ، بیروت، فلسطین، مصر اور لنکا ہوتا ہوا جزیرہ نمائے ملایا اور جزیرہ جاوا کی سیر کرتا ہوا جنوب مشرقی سمت مڑ گیا۔ شہزادہ اپنے وطن سے بہت دور آ چکا تھا۔ راستے میں شہزادے نے بہت سے حیرت انگیز جزیروں کی سیر کی۔ عجیب عجیب باشندے اور ان کے عادات و اطوار دیکھ کر وہ حیران ہو ہو جاتا۔ اس بیرونی دنیا کی ہر چیز اس کے لئے عجائبات سے کم نہ تھی۔ شہزادہ اس حیرت انگیز سفر سے اس قدر متاثر ہوا کہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ان عجائبات کے علاوہ سب کچھ بھول گیا ہے۔
آخر شہزادے کا جہاز بہت سے پُراسرار سفر کرتا ہوا عجیب و غریب سمندروں میں آ پہنچا۔ یکایک آندھی چلنے لگی۔ مہیب موجیں پہاڑوں کی طرح بلند ہونے لگیں اور جہاز

طوفانی سمندر میں ایک راج ہنس کی طرح ڈبکیاں لگانے لگا۔ نصف شب کے قریب آندھی اور طوفان بڑی خوفناک صورت اختیار کر گیا۔ اس طوفان میں جہاز کی حیثیت ایک تنکے کی سی رہ گئی اور وہ مونگے کی ایک چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا۔ جہاز میں ایک دہشت انگیز شور و غل پیدا ہوا۔ تمام جہازی رونے چیخنے لگے۔ شہزادہ بھی گھبرا گیا۔ یہاں تک کہ تمام جہازی سمندر میں غوطے کھانے لگے۔

شہزادہ بہت بُری طرح غوطے کھا رہا تھا۔ وہ سمندر کی ایک لہر میں بہا جا رہا تھا جو کبھی اُسے نیچے لے جاتی کبھی پھر اوپر اٹھا لیتی۔ اس وقت اسے اپنی محبوبہ اور اپنے والدین کا خیال آنے لگا اور پھر اپنا وہ وعدہ، جو اس نے سفر پر روانہ ہونے سے پہلے نصف شب کے قریب اپنی محبوبہ سے کیا تھا۔ اس کے بعد اُسے کچھ ہوش نہ رہا۔

جب وہ ہوش میں آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ ایک سرسبز و شاداب جزیرے کے ساحل پر پڑا ہے۔ اِدھر اُدھر چند گھبرائی ہوئی نظریں دوڑانے کے بعد وہ اُٹھ بیٹھا اور درختوں کے ایک گھنے جھنڈ کی طرف روانہ ہوا۔ اتنے میں یکایک اس جھنڈ سے کچھ عریاں وحشی نکل آئے اور ایک دم اس کی طرف بھاگے۔ ڈر کے مارے اس کی چیخیں نکل گئیں۔ وہ دھم سے زمین پر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد اسے ہوش آ گیا۔ لیکن وہ وحشیوں کے ڈر سے وہیں پڑا رہا۔ شام کے قریب بھوک نے اُس کا بُرا حال کر دیا اور وہ اٹھ بیٹھا۔ اس نے سوچا اگر وحشی مردم خور ہوتے تو ضرور اسے کوئی دکھ دیتے۔ اس کے علاوہ اس نے یہ بھی دیکھا کہ جہاں وہ بے ہوش ہو کر گرا تھا وہاں پیروں کے بہت سے نشانات موجود تھے۔ اس سے

ثابت ہوتا تھا کہ وحشی اس کے قریب بیٹھے رہے ہیں۔

اب شہزادہ جی کڑا کر کے اٹھا اور دوبارہ کسی قدر ڈرتے ہوئے درختوں کے جھنڈ کی طرف روانہ ہوا۔ اب تاریکی پھیل چکی تھی۔ جب وہ آگے بڑھا تو اسے وحشی ایک دائرے کی صورت میں بیٹھے نظر آئے۔ ان وحشیوں میں کچھ بچے اور کچھ عورتیں بھی تھیں۔ ان لوگوں کے قریب آ کر وہ ایک بھکاری کی طرح کھڑا ہو گیا۔ یہ لوگ اس وقت کچھ کھا پی رہے تھے۔ ایک نوجوان عورت نے اسے اشارے سے اپنی طرف بلایا۔ جب وہ اس کے قریب آیا تو اس نے گھاس کی ایک طشتری میں کچھ پھل رکھا اور اسے پیش کیا۔ شہزادے نے پھل کو حریصانہ نگاہوں سے دیکھا اور پھر بھوکے بھیڑیے کی طرح اس پر ٹوٹ پڑا اور وحشیوں کے دیکھتے دیکھتے پل بھر میں اس کو چٹ کر گیا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر نوجوان عورت نے اس کی طشتری میں کچھ کیلے، کچھ خشک انجیریں، دھوپ میں خشک کیا ہوا کچھ گوشت اور ایسی شیریں روٹی رکھ دی جو عام روٹی سے کچھ مختلف تھی۔

کھانا کھا کر شہزادے کی جان میں جان آئی۔ اب اس نے اشاروں ہی اشاروں میں نوجوان عورت اور دوسرے ساتھیوں کا شکریہ ادا کیا —— اس طرح کہ فرطِ ممنونیت سے اس کی آواز بھرا رہی تھی اس نے شکریہ کے ایسے الفاظ استعمال کئے جو اس نے اس سے پہلے کبھی استعمال نہ کئے تھے۔ اگرچہ اسے معلوم تھا کہ اس کے الفاظ وحشیوں کی سمجھ میں نہ آ سکتے تھے۔ اس کے باوجود اس نے کچھ تو اشاروں اور کچھ لفظوں میں اپنے جذبات تشکر کا اظہار کیا۔ نوجوان عورت کی اس وقت عجیب حالت تھی جتنی دیر تک شہزادہ باتیں کرتا رہا، وہ دُور بیٹھی ہنستی رہی۔

اس کے بعد ان لوگوں نے گانا بجانا شروع کیا۔ وحشی عورتیں اور مرد ناچنے لگے۔ لیکن نوجوان عورت نے ناچنے سے انکار کر دیا۔ شاید وہ اجنبی کے پاس ہی بیٹھا رہنا چاہتی تھی۔ اس کے بعد اجنبی عورت نے اشاروں ہی اشاروں میں اس سے بھی گانے کی فرمائش کی۔ چونکہ یہ اس کی محسنہ کی فرمائش تھی، اس لئے شہزادہ انکار نہ کر سکا۔ وہ بہت اچھا مغنی تھا۔ اب اس نے گانا شروع کیا۔ وحشی اسے سن کر بہت خوش ہوئے۔

جب محفل رقص و سرود برخاست ہوگئی تو رفتہ رفتہ وحشی اٹھ کر جانے لگے۔ شہزادے نے حبشی حسینہ کو روکنے کے لئے ایک عجیب چال چلی۔ وہ اس سے باتیں کرنے لگا۔ یہ دونوں باتیں کرتے رہے اور وحشی چلے گئے۔ شہزادے نے اشاروں اور لفظوں کے ذریعے اسے بتایا کہ وہ کون ہے، کہاں سے آیا ہے اور اس کے ساتھ کیا بیتی ہے۔ عورت اس کی تمام باتوں کو بہت توجہ سے سنتی رہی۔

اگرچہ یہ عورت سانولے رنگ کی تھی۔ لیکن اس کے نقش تیکھے اور دلکش تھے وہ جوان تھی اور اس کی ادائیں کہہ رہی تھیں کہ وہ غیر شادی شدہ ہے۔ اگرچہ سوفی ایک شہزادہ تھا۔ لیکن اس عورت کا قیامت آفریں شباب اس کے نوجوان دل میں ایک دلکش خمار پیدا کرنے کا باعث بن رہا تھا۔ اس کا نوخیز سینہ اس کے گدرائے بازد کس قدر حسین تھے۔ وہ کس قدر شوخ اور البیلی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ وحشیوں کی ملکہ ہے۔ آج پہلی مرتبہ شہزادے کو معلوم ہوا کہ سانولا رنگ اور سانولا جسم بھی مرکز محبت بن سکتا ہے۔ سانولے رنگ کی شوخ ادا عورت بھی خوبصورت سے خوبصورت نوجوان کا دل چھین سکتی ہے خواہ وہ نوجوان شہزادہ ہی کیوں نہ ہو۔

سونی کو اس عورت نے کچھ اس طرح مسحور کر لیا کہ وہ اپنی خوبصورت شہزادی ترودیا کو بھی بھول گیا باتیں کرتے کرتے شہزادے نے وحشی عورت کے آرزو انگیز گدرائے ہوئے بازو پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔ عورت نے جسے اب شہزادہ سامی کہتا تھا شرما کر اپنا بازو پرے ہٹا لیا" ان بوجھی" باتیں کرتے کرتے نصف شب ہو گئی اور سامی اٹھ کر چلی گئی۔ شہزادے نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنے پاس بٹھانا چاہا لیکن وہ ایک شوخ ادا ہسپانوی دوشیزہ کی طرح شوخی سے اپنا ہاتھ چھڑا کر بھاگ گئی۔ اس وقت شہزادے کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ ایک مخلص ترین دوست سے محروم ہو گیا ہے۔ کچھ دیر تو سامی کی جدائی کے احساس سے شہزادے کو نیند نہ آئی۔ اس کے بعد شہزادے کو اپنی ہسپانوی محبوبہ، ترودیا، اپنے ماں باپ اور اپنے ملک کے خیال آنے لگے۔ نصف شب کا چاند پوری تابانی سے چمک رہا تھا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ آخر اس نے کچھ خشک گھاس اکٹھی کی۔ اس کا بستر اور تکیہ بنایا اور سو گیا۔

صبح جب وہ بیدار ہوا تو اس نے سامی کو اپنے پاس بیٹھے پایا۔ وہ اسے محبت اور شفقت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ نہ جانے وہ کب سے بیٹھی شہزادے کے جاگنے کا انتظار کر رہی تھی۔ سامی گھاس کی دو گٹھڑیوں میں کچھ کیلے، کچھ انجیریں، کچھ روٹی اور چند اخروٹ نما خشک پھل بھی لائی تھی۔ شہزادے نے پیار سے سامی کے سانولے لیکن خوبصورت گال کو اپنی انگلی سے چھوا۔ سامی پیچھے ہٹ گئی اور شہزادہ پھل وغیرہ کھانے لگا۔

کھانا کھانے کے بعد وہ سامی کے ساتھ جنگل کی سیر کرنے لگا۔ اپنے خوبصورت مناظر کے اعتبار سے یہ جزیرہ ایک بہشت معلوم ہوتا تھا۔ ہر طرف ہرے بھرے

درخت بہار دکھا رہے تھے اور جابجا رنگ رنگ کے پھول کھلے تھے۔ ساآمی کبھی کبھی دوڑ کر اس سے جدا ہو جاتی اور اس کے لئے کسی درخت سے پھل توڑ لاتی۔ جابجا شفاف چشمے اُبلتے نظر آتے تھے۔ سدا بہار درختوں پر طیور نغمہ سنج تھے۔ گھڑی شام تک وہ دونوں جزیرے کی سیر کرتے رہے۔ اس کے بعد وہ اسی جگہ آ گئے جہاں وہ ساحل پر اُترا تھا۔ اب رات ہو چکی تھی۔ وہ دونوں ساحل پر بیٹھ کر لہروں کا تماشا دیکھنے لگے۔

(۳)

شہزادے کو جزیرے میں آئے اب کئی دن ہو چکے تھے۔ اس نے اپنے سفر کے لئے ایک چھوٹی سی کشتی بھی بنالی۔ گو وسیع و عریض سمندر کے مقابلے میں اس کشتی کی کوئی وقعت نہ تھی۔ وحشی عورت کی نوجوانی دیکھ کر وہ متاثر تو ضرور ہوا تھا۔ لیکن کہاں شہزادی نرہ دیا اور کہاں ساآمی۔ اس کے علاوہ سب سے بڑی دقت یہ تھی کہ اس جزیرے کے وحشیوں کی زبان اس کی سمجھ میں نہ آتی تھی۔ اگرچہ جزیرہ کافی خوبصورت تھا اور اس میں آبادی بھی کافی تھی۔ تاہم وہ اب اس سے سخت اُکتا چکا تھا۔ اگرچہ اُسے معلوم تھا کہ اس چھوٹی سی خود ساختہ کشتی پر سفر ناممکن ہے۔ تاہم ایک موہوم امید پر اُس نے کشتی تیار کر ہی لی۔ کیونکہ اسے اکثر خیال آتا تھا کہ ممکن ہے اسے کوئی جہاز دُور سے گذرتا دکھائی دے اور وہ اپنی کشتی میں بیٹھ کر جہاز تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائے۔

ایک دن شہزادہ سیر کرتے کرتے ساحل کے اُس طرف جا نکلا، جہاں اس نے کشتی تیار کر کے رکھی تھی۔ یہ دیکھ کر اُس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ ساآمی نے کشتی کی رسّی کو کھول کر کشتی کو پانی میں بہا دیا ہے تاکہ شہزادہ چلا نہ جائے۔ وہ اس کے قریب بیٹھ

گیا اور سمندر کی ان موجوں کی طرف دیکھنے لگا جو اس کے خیالات کو ایک ایک کر کے لئے جا رہی تھیں۔ اس کا دل غم و اندوہ سے لبریز ہو چکا تھا۔ اس نے رونا شروع کر دیا۔ سب سے زیادہ افسوس اسے اس بات کا تھا کہ اس جزیرے سے اپنے وطن کو واپسی کی اسے کوئی امید نہ رہی تھی۔ کبھی وہ شہزادہ تھا اور عنقریب وہ اپنے ملک کا بادشاہ بننے والا تھا۔ لیکن اس جزیرے میں اس کی حیثیت ایک بھکاری کی سی تھی۔ عورت اسے روتا دیکھ کر مغموم ہو گئی۔ اس نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا، اس کا سر اپنی گدرائی ہوئی نرم نرم ران پر رکھ لیا اور اسے تھپک تھپک کر سلا دیا۔

تھکے ماندے شہزادے کی آنکھ صبح کھلی۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ساتھی محض اس لئے کہ اس کے آرام میں خلل نہ ہو تمام رات اس کا سر اپنے زانو پر رکھ کر بیٹھی رہی۔ جب وہ بیدار ہوا تو عورت پھر اس کے لئے کھانے کی کچھ چیزیں لے آئی جنہیں ان دونوں نے مل کر کھایا۔

اسی طرح کئی دن گذر گئے۔ وہ اکثر ایک چٹان پر بیٹھ کر ٹکٹکی باندھے سمندر کی طرف دیکھتا رہتا کہ شاید اسے کوئی جہاز نظر آئے۔ اس کے دیکھتے دیکھتے سورج طلوع ہوتا اور پھر غروب ہو جاتا۔ اب اس نے اس چٹان پر سے اٹھنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ البتہ کبھی کبھی جزیرے کی دلکشی سے لطف اندوز ہونے کے لئے ساتھی کے ساتھ سیر کرنے نکل جاتا۔ اب یہ جزیرہ اسے "جزیرہ محبت" نظر آنے لگا۔ وحشی لوگ اس کی بہت عزت کرتے تھے۔ اکثر وہ اس کی تلاش میں رہتے جب وہ انہیں نہ ملتا تو وہ مغموم ہو جاتے اور جب وہ انہیں مل جاتا تو وہ اس کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگتے۔

جب برسات کا موسم آیا تو شہزادے کو ساتھی اپنے جھونپڑے میں لے گئی۔ اب وہ باقی وحشیوں کی طرح برہنہ رہتا، کیونکہ اس کے کپڑے پھٹ کر تار تار ہو چکے تھے۔ وحشیوں کو تو اس سے محبت تھی لیکن وہ ان سے نفرت کرتا تھا۔ اپنے وطن کی یاد رہ رہ کر اُسے ستاتی تھی۔

اسی طرح چند سال گذر گئے اور اپنی واپسی کا خیال اس کے دل و دماغ سے اُتر گیا۔ اب اُسے اپنی مادری زبان بھی یاد نہ رہی، اس کی زبان بھی اس کے دماغ کی طرح مقفل ہو گئی۔ رات ہوتے ہی وہ جھونپڑی میں واپس آجاتا۔ لیکن اب تک وہ عورت سے اتنا ہی واقف تھا جتنا کہ پہلے دن۔

ایک دن موسم گرما میں اسے بہت کوفت محسوس ہوئی اور وہ ایک کھلے میدان میں آگیا۔ وہاں سے اس نے دیکھا کہ ایک جہاز ساحل پر لنگر انداز ہے۔ جہاز کو دیکھ کر اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ وہ ساحل کی طرف بھاگا۔ ایک چٹان پر چڑھ کر اس نے چند ملّاح اور ان کے افسر دیکھے۔ وہ ایک بہت بڑے پتھر کے پیچھے چھپ کر ایک وحشی کی طرح ان کی گفتگو سننے لگا۔ اپنے ہم وطنوں کی گفتگو نے اس کے حافظے کی خوابیدہ قوت کو بیدار کر دیا۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ لوگ اس کی زبان بول رہے ہیں۔ وہ ان سے بات کرنے کے ارادے سے کھڑا ہو گیا۔ لیکن وہ بول تو نہ سکا چیخنے لگا۔ اجنبی اسے دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔ وہ دوبارہ چیخا تو ان لوگوں میں سے ایک آدمی نے اپنی بندوق کا رخ اس کی طرف کر دیا۔ اس وقت اس کی قوتِ گویائی عود کر آئی اور وہ اتنا کہہ سکا "خدا کے لئے مجھ پر رحم کیجئے"۔

وہ لوگ خوشی سے چلّانے لگے اور اس کی طرف بھاگے۔ لیکن شہزادے نے ایک وحشی کی طرح بھاگ جانا چاہا۔ ملاّحوں نے اسے آ کر گھیر لیا یکے بعد دیگرے ہر شخص محبت سے اس کے ساتھ بغلگیر ہونے لگا اور ایک ہی سانس میں اس سے ہزاروں سوالات کر ڈالے۔ لیکن وہ ان کے درمیان برہنہ اور خوفزدہ کھڑا رہا۔ اسے اب اپنے ہموطنوں سے خوف آنے لگا تھا۔ وحشیوں میں اتنی مدت رہنے کے بعد اس کی عادتیں بھی وحشیوں کی سی ہو گئی تھیں۔ اب وہ ان کے پنجے سے نکل کر بھاگ جانا چاہتا تھا۔

اسے خوف زدہ اور ہراساں دیکھ کر ایک معمّر افسر کہنے لگا۔ "ڈرو مت! یاد رکھو تم ایک انسان ہو۔ اس کے بعد اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ "اس کے لئے شراب لاؤ۔ یہ بہت پریشان معلوم ہوتا ہے۔ اس کی حالت قابلِ رحم ہے"۔ اس کے بعد وہ افسر شہزادے سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ "تم ہمارے پاس آرام سے بیٹھ جاؤ انسانی آواز سننے کے عادی ہو جاؤ۔ بندروں کی طرح کیوں چیختے ہو"!

اس کے بعد لوگوں نے شہزادے کو خشک گوشت اور چند کیک کھلائے اور شراب پلائی اور وہ ان سب چیزوں کو اس طرح کھاتا رہا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہے۔ کھانا کھانے کے بعد اسے یہ محسوس ہونے لگا کہ اس کی قوت حافظہ عود کر رہی ہے۔

اب دوسرے لوگ بھی کھانے پینے میں مصروف تھے اور اس بات پر بہت خوش تھے کہ ایک ہم وطن سے ان کی ملاقات ہو گئی۔ شہزادہ ان کا اتنا ہی ممنون تھا، جتنا اس وحشی عورت کا جس نے اسے جزیرے میں پہلی مرتبہ کھانا کھلایا تھا۔ وہ

اپنی زبان سنکر اور ایسے لوگوں سے مل کر جو اس سے اپنے بھائی کی طرح گفتگو کرتے تھے بہت خوش تھا۔ رفتہ رفتہ الفاظ اس کے ذہن میں آتے گئے۔ اور اس نے ان لوگوں کا شکریہ ادا کیا۔

معمر فوجی افسر کہنے لگا "تم یہاں تھوڑی دیر آرام کرو۔ اس کے بعد بتانا کہ تم کون ہو اور یہاں کیسے آئے مجھے امید ہے کہ بہت جلد تمہاری قوتِ گویائی عود کر آئے گی۔ انسان کی سب سے بڑی خواہش یہی ہوتی ہے کہ وہ گفتگو کر سکے اور اپنے خیالات دوسرے تک پہنچا سکے"

جب افسر نے اپنی بات ختم کی تو ایک نوجوان ملاح نے ایک عمدہ گیت گایا جس کا مفہوم یہ تھا کہ ایک شخص سمندر پار جا رہا ہے۔ اس کی محبوبہ ہواؤں، سمندر اور آسمانوں سے التجا کرتی ہے کہ وہ واپس آ جائے۔ اس کی اس خواہش اور اس غم کا اظہار مؤثر ترین الفاظ میں کیا گیا تھا۔ اس کے بعد دوسرے ملاحوں نے بھی اسی قسم کے گیت گائے۔ جن میں سے ہر ایک دوسرے سے زیادہ دردناک تھا۔ انہوں نے ایسے گیت گائے جن میں محبوب کا ذکر تھا۔ دور دراز ملکوں کو جانے والے جہازوں اور بے پایاں سمندروں کا تذکرہ تھا۔ اس کے بعد وہ لوگ اپنے وطن اور اپنے گھروں کے متعلق باتیں کرنے لگے جنہیں وہ چھوڑ آئے تھے۔ شہزادہ ان کی باتیں سن کر زار زار رونے لگا۔ یہ سب کچھ اسے خواب معلوم ہو رہا تھا۔

اب معمر افسر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا "ملاحو! ہم سہ پہر تک اس جزیرے کی سیر کریں گے۔ اور غروبِ آفتاب سے پہلے یہاں سے روانہ ہو جائیں گے"

پھر وہ شہزادے سے مخاطب ہو کر بولا "اچھا بھئی، اگر اس جزیرے میں تمہارے پاس کوئی ایسی چیز ہے جو تم یادگار کے طور پر ساتھ لے جانا چاہتے ہو تو اسے لے آؤ اور شام کے قریب یعنی ہماری واپسی کے وقت سے پہلے پہلے یہاں پہنچ جاؤ"

اس جزیرے میں سانی کے سوا شہزادے کا اور کون تھا، ملاح تو اِدھر اُدھر ساحل پر منتشر ہو گئے اور سوفی وحشی عورت کی جھونپڑی کی طرف روانہ ہوا۔ جتنا وہ اس کی جھونپڑی کے قریب ہوتا جاتا تھا وہ سوچ رہا تھا کہ کس طرح اس سے کہے کہ اس کے ساتھی آ گئے ہیں اور اب اُسے روانہ ہونا چاہئے۔ اس نے سوچنا شروع کیا کہ کس طرح اس وحشی عورت نے اس کی دن رات خدمت کی اور ہمیشہ اس کے آرام کا خیال رکھا اور وہ اسے کس قدر چاہتی ہے۔ بہر حال وہ جھونپڑی میں جا کر اس کے قریب بیٹھ گیا اور جلدی جلدی گفتگو کی تاکہ وہ یقین کرے کہ لوگ اسے بلانے آئے ہیں اور اسے کچھ ایسے ضروری کام ہیں جن کی بنا پر اسے جلد اپنے وطن لوٹنا چاہئے۔ اس نے بہت سے بہانے تراشے، بہت سے بیانات دیئے۔ پھر اس سے بغلگیر ہوا۔ اس کا منہ پہلی بار چوما۔ اس کی خدمت کا شکریہ ادا کیا اور اس جزیرے میں پھر بھی کبھی آنے کا وعدہ کیا۔ اتنا کچھ کہنے کے بعد شہزادے نے محسوس کیا کہ وہ اس کی باتیں سن تو رہی ہے لیکن سمجھ نہیں رہی۔

شہزادے کو بہت غصہ آیا اور اس نے اپنے دلائل زیادہ سے زیادہ زور سے کر بیان کرنے شروع کئے اور انتہائی بے تابی سے دو تین مرتبہ زمین پہ پاؤں مارا۔ دفعتہً اسے خیال آیا کہ کہیں ملاح اس کے بغیر ہی نہ چلے جائیں۔ چنانچہ وہ اپنے دلائل کو

درمیان ہی میں چھوڑ کر ساحل کی طرف بھاگا۔ وہاں جا کر اس نے دیکھا کہ ابھی کوئی ملّاح بھی واپس نہیں آیا۔ چنانچہ وہ ان کا انتظار کرنے کے لئے بیٹھ گیا۔

اب اسے یہ خیال ستانے لگا کہ وحشی عورت اس کی روانگی کے قصد کو سمجھ نہیں سکی۔ اس کے لئے یہ خیال اس درجہ پریشان کن ہو گیا کہ وہ پھر اٹھ کر جھونپڑی کی طرف دوڑا تاکہ اسے سمجھا آئے۔ لیکن اب کی مرتبہ جھونپڑی میں داخل ہونے کے بجائے اس نے جھونپڑی کی ایک درز میں سے جھانکا تاکہ معلوم ہو کہ وہ کیا کر رہی ہے۔

اس نے دیکھا کہ وحشی عورت نے نرم نرم گھاس لا کر رات کے لئے اس کا بستر تیار کر دیا ہے اور اب پھلوں کا کھانا تیار کر رہی ہے یہ بات اس نے پہلی مرتبہ دیکھی کہ خراب خراب ٹکڑے وہ خود کھا رہی ہے اور اس کے لئے چن چن کر بہتر اور زیادہ مزیدار پھل رکھ رہی ہے۔ اس کے بعد وہ خاموش اور بے حس و حرکت مورتی کی طرح بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگی۔

شہزادے نے مناسب سمجھا کہ روانہ ہونے سے پہلے وہ کچھ پھل کھا لے اور تھوڑی دیر کے لئے عورت کے پاس لیٹ جائے تاکہ اس طرح اس کے انتظار کو ختم کر دے۔

اب سورج غروب ہونے لگا تھا۔ ملّاح ساحل پر جمع ہونے شروع ہو گئے تھے شہزادے کے سوا ہر شخص ساحل پر موجود تھا۔ انہوں نے شہزادے کو آوازیں دینی شروع کیں۔ جب وہ نہ آیا تو اس کی تلاش میں جنگل کی طرف نکل گئے۔ وہاں جا کر اسے زور زور سے پکارا۔ دو آدمی تو اس کے بالکل قریب سے گذر گئے۔ لیکن وہ جھاڑی میں چھپ گیا کہ کہیں وہ اسے دیکھ نہ لیں۔

آخرکار ملاحوں کی آوازیں ختم ہوگئیں اور رات ہوگئی۔ اس نے جہاز کی واپسی کے موقع پر ڈانڈوں کا شور سنا اور جہاز والوں کو بلند آواز میں افسوس کرتے بھی سنا۔ اس کے بعد مکمل خاموشی چھا گئی۔ شہزادہ جھاڑی میں سے نکلا اور جھونپڑی میں آداخل ہوا۔ جہاں عورت اس کے انتظار میں خاموش بیٹھی تھی۔

شہزادے نے پھل کھائے، بستر پر لیٹ گیا اور وحشی عورت کی طرف ملتفت ہوا جو اس کی منتظر تھی۔

شہزادہ رات بھر جاگتا رہا۔ اس نے وحشی عورت کی خاطر اپنا مستقبل تباہ کر لیا تھا۔ صبح اٹھ کر اس نے جھونپڑی کے دروازے میں سے باہر سمندر کی طرف ایک نگاہ ڈالی۔ جہاز بہت دُور جا رہا تھا۔

(۴)

شہزادہ اپنے مستقبل سے بالکل مایوس ہو چکا تھا۔ اُسے اپنے وطن جانے کی قطعاً امید نہ تھی۔ اب وہ اکثر قدرت کی نیرنگیوں پر غور کرتا۔ کہاں ہسپانیہ کی بادشاہت اور کہاں وحشیوں کے ایک جزیرے کی سکونت۔ کہاں شہزادی نرودیا اور کہاں وحشی عورت ساما۔ اسے اپنی محبوبہ شہزادی سے بچھڑ جانے کا بے انتہا صدمہ تھا۔ لیکن وہ اس وحشی عورت کو بھی ناکام و نامراد چھوڑ کر نہ جا سکتا تھا جس نے اس کی اس قدر خدمت کی تھی اور جو اُس سے اس قدر محبت کرتی تھی۔ وہ شاید چلا بھی جاتا۔ بشرطیکہ اس دن وحشی عورت جھونپڑی میں اس کا بستر نہ بچھاتی، کچے پھل خود کھا کر پکے پکے پھل اس کے لئے نہ رکھتی۔ اس نے سوچا —— جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ نرودیا سے تو اب عمر بھر ملاقات

ہونے کا امکان نہیں۔ یہی بہتر ہے کہ وحشی عورت کی محبت کا جواب محبت سے دوں۔

وحشی عورت کو اب اس سے بے انتہا محبت ہو چکی تھی بعض اوقات اس سے دیوانوں کی سی حرکتیں سرزد ہو جاتی تھیں۔ اس کی ہر ادا، ہر حرکت پکار پکار کر شہزادے سے یہ کہتی تھی کہ آؤ مجھ سے محبت کرو۔ میرے باغ جوانی سے محبت کے رنگا رنگ کے پھول توڑو۔ آؤ مجھے چوم لو۔ مجھے اپنی آغوش میں بھینچ لو۔ میں تمہاری ہوں۔ لیکن اس وقت شہزادی نرودیا کی معصوم صورت اس کے سامنے آجاتی تھی۔ اب حالات مختلف تھے، شہزادہ جوانی کی شراب کے نشے میں مخمور تھا۔ ہر روز ایک عورت کا جوانی کے سانچے میں ڈھلا ہوا خوبصورت اور متناسب جسم اسے دعوتِ محبت دیتا تھا۔ آخر وہ کیوں نہ عشق کے دیوتا کے سامنے سر جھکاتا۔

رفتہ رفتہ اس نے اپنے دل کا غم بھلا دیا اور ایک رات جبکہ خوبصورت چاند جزیرے پر ضیا پاشیاں کر رہا تھا، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ اور پھولوں کی خوشبو کے جھونکے روح میں ایک محبت طلب آرزو پیدا کر رہے تھے۔ وحشی عورت جھونپڑی میں اس کے بستر پر اس کے قریب آ بیٹھی۔ شہزادے نے اس کے گدرائے ہوئے عریاں بازو کا ایک شیریں بوسہ لے لیا۔ اس خوبصورت بازو کے لمس نے اس کے ہونٹوں کو گرمئ محبت سے جلا ڈالا۔ شہزادے کو یوں محسوس ہوا گویا اس کے ہونٹوں سے بے شمار بوسے تڑپ تڑپ کر نکلنا چاہتے ہیں۔ اس نے بیتاب ہو کر وحشی عورت کو اپنی آغوش میں لے لیا اور کہنے لگا "اب تو ہی میری زندگی کی کشتی کی ناخدا ہے تو نرودیا ثانی ہے۔ اب تو ہی میرے لئے شہزادی ہے۔ آ میرا دل تیرے لئے ایک

مدت سے بیتاب ہے"

وحشی عورت گھبرا کر اس کی آغوش سے نکل آئی۔ اس وقت اُس کی آنکھوں میں آنسو تھے ——— خوشی کے آنسو! اس نے اپنے محبوب کو اٹھنے کا اشارہ کیا اور ہاتھ سے پکڑ کر اسے وحشیوں کے سردار کی جھونپڑی میں لے گئی۔ اب وحشی عورت کو یقین ہو چکا تھا کہ اس نے اپنے محبوب کو جیت لیا ہے۔ اپنے محبوب کو آج پہلی مرتبہ آمادۂ محبت دیکھ کر اس نے جان لیا تھا کہ وہ شادی کرنے پر رضامند ہو جائے گا۔ چنانچہ وہ اسے سردار کے پاس شادی کرنے کے لئے لئے جا رہی تھی۔

وحشیوں کا سردار اور کچھ دوسرے وحشی ان دونوں کو دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے وحشی عورت نے اپنی زبان میں وحشیوں کے سردار سے کچھ کہا جسے سن کر سب لوگ تالیاں بجانے لگے ——— عورت نے اپنے سردار سے کہا تھا آج رات ہم دونوں کی شادی کر دی جائے! ان لوگوں کی شادی کی رسم بالکل سیدھی سادی اور معمولی تھی۔ سب سے پہلے تو ایک آدمی اپنے سردار کی جھونپڑی سے ڈھول کی قسم کی ایک چیز نکال لایا اور اسے زور زور سے بجانے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں ارد گرد اور نزدیک و دُور کی تمام جھونپڑیوں سے وحشی نکل نکل کر سردار کی جھونپڑی کے سامنے جمع ہونے لگے۔ شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ سردار نے چاروں طرف آدمی دوڑا دیئے۔ جو تھوڑی ہی دیر میں مختلف قسم کے تازہ اور خشک پھل، بھنے ہوئے گوشت کے ٹکڑے اور ایک قسم کی شراب کے مٹکے لے کر آ گئے۔ ان تمام چیزوں کو گھاس کی ایک چٹائی پر سجا کر رکھ دیا گیا۔ پھر سب لوگ دائرہ باندھ کر بیٹھ گئے اور مختلف مرد اور عورتیں

مل کر ناچنے اور گانے لگے۔ اس محفل رقص و سرود کے بعد ایک جنگلی بکری کو ذبح کیا گیا سردار نے عورت سے کچھ کہا اور اس نے اپنی انگلی بکری کے جسم سے نکلتے ہوئے تازہ خون میں تر کی اور اس خون سے شہزادے کے ماتھے پر ایک لکیر کھینچ دی۔ پھر سردار نے شہزادے کو سمجھایا کہ وہ بھی ایسا ہی کرے۔ شہزادے نے بھی بکری کے خون میں انگلی تر کر کے وحشی عورت کے ماتھے پر ایک نشان لگایا۔ نشان لگانے کی دیر تھی کہ سب وحشی تالیاں بجانے لگے۔

اس کے بعد سب لوگوں نے پھل اور دوسری چیزیں کھائیں اور شراب پی دُولہا اور دلہن کو بھی شراب پلائی گئی۔ شہزادے پر اس شراب نے ایک عجیب اثر کیا۔ اس کے رگ و ریشہ میں ایک عجیب قسم کی خوشگوار حدت کی لہریں دوڑ گئیں۔ وہ دلہن کا ملاپ حاصل کرنے کے لئے بیتاب ہو گیا۔ اس عرصے میں وحشیوں نے دولہا دلہن کی شب خوابی کے لئے جھونپڑیوں سے دُور بہت دُور ریشم سے بھی زیادہ نرم گھاس کا ایک بستر بچھا کر اس پر بکرے کی کھالیں بچھا دی تھیں۔ دولہا دلہن دونوں کے قدم اس وقت لڑکھڑا رہے تھے۔ ایک وحشی عورت نے دلہن کا ہاتھ پکڑا اور شہزادے کا بازو تھاما اور دونوں کو گھاس کی سیج پر چھوڑ آئی۔

اس وقت ایک عجیب منظر تھا۔ خوبصورت چاندنی کھلی تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور دو نوجوان روحیں گھاس کی سیج پر تنہا تھیں۔ وحشی عورت نے اپنے سانولے سانولے مضبوط بازو اپنے سفید فام شوہر کی طرف پھیلا دیئے۔ شہزادہ بیتاب ہو کر اس سے لپٹ گیا، دونوں ایک دوسرے سے ہم آغوش ہو گئے۔

دولہا دلہن نے کیف و نشاط میں ڈوبی ہوئی ایک رات بسر کی۔ صبح کے قریب وہ دونوں سو گئے۔ اور اُس وقت بیدار ہوئے جب پرندے چہچہا کر خاموش ہو چکے تھے اور سورج سر پر آپہنچا تھا۔

دوپہر کو وحشی سردار نے ان کی اور دوسرے وحشیوں کی شاندار دعوت کی اور اس کے بعد وہ دونوں اپنی جھونپڑی میں ازدواجی زندگی گزارنے کے لئے چلے گئے۔

(۵)

شہزادے کو اپنی وحشی بیوی کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارتے سات سال ہو چکے تھے۔

ایک دن دونوں میاں بیوی اپنے بچوں کو لے کر چٹان پر بیٹھے سمندر کا منظر دیکھ رہے تھے کہ انہیں دور سے ایک جہاز آتا ہوا دکھائی دیا۔ شہزادہ بڑی دل چسپی سے اسے دیکھنے لگا۔ لیکن جہاز کو دیکھتے ہی وحشی عورت کا شگفتہ چہرہ کملا گیا۔ اس نے اپنے شوہر کو ساحل سے اُٹھ کر جھونپڑی میں چلے جانے کو کہا۔ لیکن وہ وہیں بیٹھا رہا۔ یہاں تک کہ جہاز بالکل قریب آگیا۔ شہزادہ یکایک ساحل سے اُٹھ کر جھونپڑی میں گھس گیا اور وہاں سے گھاس کی ایک چٹائی لے کر اپنے ننگے جسم کو چھپا لیا۔

آخر جہاز کنارے سے آلگا۔ جہاز میں سے سب سے پہلے ایک حسین و جمیل عورت نکلی اس کو دیکھ کر شہزادے کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ شہزادے کو دیکھتے ہی وہ عورت دوڑ کر اس کی طرف بڑھی اور آکر اس سے لپٹ گئی ——— یہ شہزادی نرد دیا تھی جو اس کی تلاش میں ماری ماری پھر رہی تھی۔ شہزادے کے گلے سے لپٹ کر وہ

زار زار رونے لگی۔

وحشی عورت اس منظر کی تاب نہ لا سکی۔ وہ غضب ناک ہو کر شہزادے کی طرف بڑھی لیکن شہزادے نے اسے روک دیا۔ اب شہزادے نے اپنی تمام داستان شہزادی کو سنا دی اور یہ بھی بتا دیا کہ اس نے وحشی عورت سے شادی کر لی ہے جس سے اس کے دو بچے بھی ہیں۔ یہ سن کر شہزادی بہت مغموم ہوئی۔ بہر حال اس نے دونوں بچوں کو بلا کر پیار کیا۔ شہزادی وحشی عورت اور شہزادے کے لئے جہاز سے لباس لے آئی۔ پھر شہزادہ، شہزادی، وحشی عورت اور اس کے بچے جہاز پر سوار ہو گئے اور انہوں نے ہمیشہ کے لئے اس جزیرے کو خیر باد کہی۔

ہسپانیہ جا کر شہزادے اور شہزادی کی شادی ہو گئی۔ شہزادے نے وحشی عورت کو بھی نظر انداز نہ کیا۔ اب اس کے شبستان میں ایک کی بجائے دو شمعیں روشن تھیں ٭

ملکہ البانیہ کے رنگین خطوط

اپنی سہیلی کے نام

ملکہ نے رومانی راتیں کیونکر بسر کیں؟

شاہ زوغو والئے البانیہ کی محبوبہ ملکہ گیرالڈائن نے اپنی سہیلی میریا کے نام چند خطوط لکھے تھے۔ جن میں اس نے اپنی زندگی کے رومانی باب پر روشنی ڈالی ہے۔ ذیل میں انہیں یکجا کر کے شائع کیا جاتا ہے۔

میری پیاری سہیلی!

تم نے مجبور کیا ہے کہ میں اپنی زندگی کے رومانی واقعات خط میں لکھ کر بھیجوں یہ باتیں زبانی ہوتیں تو اچھا ہوتا۔ خیر تمہاری خاطر مجھے یہ بھی گوارا ہے کہ میں یہ تمام باتیں خطوط میں لکھ کر اپنے آپ کو رسوا کر لوں۔ اگر یہ خطوط کسی کے قبضے میں آجائیں۔ تو قیامت ہی برپا ہو جائے۔ تم بھی کیسی نادان ہو۔ مجھ سے کیسے کیسے مطالبے کرتی ہو۔ اچھا تو مجھے دنیا کی کچھ زیادہ پروا بھی نہیں۔ اگر یہ خطوط کسی کے ہاتھ آتے ہیں تو آئیں۔ میری محبت کے افسانے آج کس کے لب پر نہیں؟ اگر دنیا ان کی تفصیل سے

واقف ہو بھی گئی تو میرا کیا بگاڑ سکے گی۔

اچھی میریا کیوں نہ آج تمہیں میں اپنی زندگی کی تین رومانی راتوں کا حال سناؤں۔ تمہیں یہ معلوم ہی ہے کہ میں ۱۹۰۳ء میں ہنگری میں پیدا ہوئی۔ ۱۹۱۵ء اور ۱۹۱۶ء کے درمیانی عرصے میں جوانی اور شباب نے مجھے اپنے آغوشِ شوق میں سنبھال لیا۔ اگرچہ میرے ماں باپ کچھ زیادہ متمول نہ تھے۔ تاہم میں نے ناز و نعم میں پرورش پائی یہاں تک کہ میرے شباب اور حسن کا سفینہ جذبات کے مدّوجزر میں ہچکولے کھانے لگا۔ یہ وقت ایک عورت کے لئے انتہائی نازک ہوتا ہے اور عموماً اسی عمر میں جذباتی عورتوں کی عصمت گناہ آلود ہو کر رہ جاتی ہے۔ اسے ایک اتفاق ہی سمجھا کہ میں اس عمر میں گناہ کے دستِ ہوس آلود سے اپنا دامن بچا کر نکل گئی۔ اگرچہ گناہ اور ہوس میرے پیچھے دوڑے آرہے تھے۔ مگر میں سرپٹ آگے ہی آگے بھاگی جارہی تھی۔

جب میں نے سولھویں سال میں قدم رکھا تو شباب میری رگ رگ میں ایک میٹھی میٹھی کسک پیدا کرنے لگا۔ میں ارمانوں بھری انگڑائیاں لینے لگی۔ میری کمر میں زیادہ لچک اور میری اداؤں میں زیادہ دلفریبی پیدا ہونے لگی۔ میری آنکھیں محبت کے نور سے ستاروں کی طرح جگمگانے لگیں۔ اور جس طرح سمندر کی لہریں اوپر ہی اوپر ابھرتی آتی ہیں، میرے سینے کے دلکش ابھار بھی آہستہ آہستہ اوپر اٹھنے لگے بالکل اس طرح جیسے دودھ کے سمندر کی دو خوبصورت لہریں ہوں۔ گلاب کے پھولوں کی سرخیاں میرے گالوں میں بس گئیں اور انار کی کلی کی طرح میرے ہونٹ سُرخ اور لال شہتوت کی طرح شیریں ہو گئے۔ میں خود اپنے جسم پر فخریہ انداز میں نظریں

ڈال کر خوش ہوا کرتی۔ مجھے یوں معلوم ہوتا جیسے میں ابھی ابھی آبِ نور سے نہا کر آئی ہوں میری نگاہوں میں نشہ اور میری اداؤں میں خمار تھا۔ میں ہر طرف اور ہر چیز کو شباب کی ٹھوکریں لگاتی ہوئی اپنے گاؤں کے خوشنما باغ میں پھرا کرتی۔

پہلی رات

مجھے پھولوں اور پرندوں سے بڑی دلچسپی تھی۔ میں اکثر صبح اور شام باغوں میں گھوما کرتی، پھول توڑتی اور طائرانِ صبح کے میٹھے میٹھے گیت سنا کرتی۔ میرے مکان سے ایک فرلانگ کے فاصلے پر ایک وسیع و عریض باغ تھا۔ میں ہر روز سیر کے لئے اس میں نکل جاتی میری ماں مجھے روکا کرتی کہ بیٹی تجھے باغ میں تنہا اتنی اتنی دیر تک نہیں رہنا چاہئے۔ لیکن الھڑ اور نوخیز لڑکیاں عموماً بزرگوں کی نصیحت ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دیتی ہیں۔ یہی حالت میری بھی تھی۔ اور آخر ایک دن وہی ہوا جس کا میری والدہ کو خطرہ تھا۔

اِس سے پہلے کہ میں کسی حادثے کی تفصیل بیان کروں۔ میں اس باغ کے مالی کا کچھ حال قلم بند کر دینا چاہتی ہوں۔ اس شخص کو میں بہت شریف انسان سمجھتی تھی لیکن یہ در اصل بڑا اچھا ہوا بدمعاش تھا۔

سرما کی ایک اداس رات تھی۔ چاند باغ سے دور بہت دور افق میں تاریک جھاڑیوں کے پس پردہ ٹھٹھرتا کانپتا ہوا طلوع ہو رہا تھا۔ میں اپنا کوٹ پہن کر گھر سے باہر نکل آئی اور سیدھی باغ کی راہ لی۔ سرد ہوا بدن میں کانٹے کی طرح چبھ رہی تھی لیکن سیر کا جنون مجھے کشاں کشاں باغ کی طرف لئے جا رہا تھا۔ میں بہت دیر تک اِدھر

اُدھر گھومتی رہی جب کچھ تھک سی گئی تو میں بارہ دری میں چلی گئی اور وہاں پتھر کے ایک بنچ پر آبیٹھی اور دھیمی دھیمی آواز میں ایک محبت بھرا گیت گانے لگی۔ بارہ دری باغ کے وسط میں درختوں کے ایک گھنے جھنڈ میں واقع تھی۔ تاہم چاند کی کرنیں چھن چھن کر اندر آرہی تھیں۔ ہر طرف ایک عجیب سماں طاری تھا جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ میری رگ رگ میں مسرت کی جوان لہریں دوڑ رہی تھیں اور میں بے خود ہوتی جارہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد دور سے خشک پتوں کے پاؤں تلے مسلے جانے کی آوازیں سنائی دینے لگیں اور مجھے یہ محسوس ہونے لگا۔ جیسے کوئی بارہ دری کی طرف آرہا ہے۔ میں سہم گئی اور گیت گانا بند کر دیا۔ لیکن قدموں کی آہٹ بدستور قریب تر ہوتی گئی۔

تھوڑی ہی دیر بعد میں نے دیکھا کہ باغ کا مالی ریجنرل میرے سامنے کھڑا ہے۔

وہ میرے قریب بیٹھ گیا۔ حالانکہ یہ جرأت اس نے اس سے پہلے کبھی نہیں کی تھی اور پھر میری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا "تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟

میں نے کہا تمہیں اس سے کیا جاؤ اپنا کام کرو"

"پیاری ناراض کیوں ہوتی ہو۔ کہہ کر اس نے میرے گورے گورے اور ملائم بازو پر پیار سے اپنا کرخت اور آہنی ہاتھ پھیرا۔

اگرچہ قدرت نے ہمارے خاندان کو عزت کے شکنجے میں جکڑ دیا تھا تاہم میری رگوں میں شاہی خون دوڑ رہا تھا۔ مجھے غیرت آگئی اور میں کڑک کر بولی "خبردار ایسی گستاخی نہ کرو۔

ریجنیلڈ کچھ ڈر کر پرے جا کھڑا ہوا۔ لیکن اس کے بعد وہ پھر کچھ ہچکچاتے ہوئے میرے قریب آ بیٹھا اور اس نے دوبارہ میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں نے اس کا ہاتھ اپنے شانے سے جھٹک دیا۔ متعدد مرتبہ اس نے میرے شانے پر پیار سے ہاتھ رکھا اور متعدد مرتبہ میں نے اس کا ہاتھ پرے جھٹکا۔ میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ میں تنہا اور بے بس تھی۔ ادھر مالی کی حرکات میں تندی اور دیوانگی کے آثار لمحہ بلمحہ زیادہ ہونے لگے۔ آج پہلی مرتبہ ایک مرد اپنے ہوس آلود ہاتھوں سے میرے جسم کو آلودہ کر رہا تھا۔ میرے لئے یہ ایک نئی اور انوکھی بات تھی۔ میں سمٹ کر بیٹھ گئی۔ میں نے اپنا سینہ گھٹنوں میں اور چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا اور اس طرح سمٹی کہ گیند سی بن گئی۔ اب وہ سوائے اس کے کہ میرے بالوں پر پیار سے ہاتھ پھیرے یا میری زلفوں کے بوسے لے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

یکایک وہ ظالم مجھ پر بھوکے شیر کی طرح ٹوٹ پڑا۔ میرے منہ سے مارے خوف کے ایک چیخ نکل گئی۔ اس سے پہلے کہ میرے حواس بجا ہوں اس نے مجھے اپنی آغوش میں گرا لیا۔ اور میرے ہونٹوں پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے ....

میرے منہ سے چیخیں نکل رہی تھیں.... جھاڑیوں سے قدموں کی آہٹ سنائی دی اور اس سے پہلے کہ یہ حیوان میرے شیشۂ عصمت کو سنگِ ہوس سے چور چور کر دے اُسے مجھے چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ اس کے بعد کچھ کتوں کے بھونکنے کی آواز سنائی دینے لگی اور معلوم ہوا کہ پتوں میں سرسراہٹ کتوں کے دوڑنے ہی سے پیدا ہوئی تھی۔ میں درختوں کے پیچھے چھپتی، جا بجا ٹھیرتی، جھجکتی، شرماتی آخر اپنے مکان میں اپنی خوابگاہ تک

آہ! پیاری بہنجی۔

میں نے اپنے کمرے کے دروازے بند کر لئے اور بستر پہ گر کر زار و قطار رونے لگی۔ بالآخر اٹھ کر میں نے لباس تبدیل کیا۔ لیکن جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکی ہوں عمر کا یہ حصہ ایک عورت کے لئے بہت نازک ہوتا ہے نہ جانے مجھے کیا خیال آیا کہ میں پھر باغ کی طرف روانہ ہو گئی۔ میرے جذبات میٹھی میٹھی انگڑائیاں لے رہے تھے۔ مجھے اس وحشی نے ایک "پُراسرار خواب" سے بیدار کر دیا تھا۔ میرا نرم و نازک جسم ابھی مرد کی ہم آغوشی کی لذت سے بے خبر تھا۔ میں مرد کی طرف التفات کرتے ہوئے جھجکتی تھی۔ لیکن اس کم بخت وحشی نے نہ جانے مجھ پہ کیا جادو کر دیا تھا کہ میں اس سے نفرت کرنے کے باوجود اس سے باغ میں دوبارہ ملنے کی تمنا کرنے لگی آخر دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ میں دوبارہ اپنی خواب گاہ سے نکلی۔ میرے پاؤں ڈگمگا رہے تھے اور سانس زور زور سے چل رہی تھی۔ پھر بھی نہ جانے کیوں مجھے باغ مقناطیس کی طرح اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ میرے قدم بے اختیار باغ کی طرف اٹھنے لگے اور آخر باغ کی خاموش اور منور فضا نے پھر سے اپنی آغوش میں لے لیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد مجھے پھر قدموں کی چاپ سنائی دی۔ وہ اب پھر ادھر آ رہا تھا۔ میں ایک درخت کا سہارا لے کر چپ چاپ کھڑی ہو گئی۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا میرے پاس آیا اور اس نے پھر نہایت ملاطفت کے ساتھ اپنے بازو میری گردن میں حمائل کر دیئے۔ میں نے ایک لمحہ توقف کے بعد اس کے بازو جھٹک دیئے اور کہا "تم ایسی حرکتوں سے باز نہیں آؤ گے؟"

وہ کہنے لگا "تم پھر کیوں باغ میں آئی ہو کیا میری محبت کی کشش تمہیں یہاں کھینچ لائی ہے"

میں نے کہا "ہرگز نہیں۔ میں یونہی سیر کے لئے آگئی تھی۔ میں سمجھی تھی کہ تم چلے گئے ہو گے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ مجھے تم سے کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ میری رگوں میں شاہی خون دوڑ رہا ہے اور ایک مالی کو ظاہر ہے کہ مجھ سے کسی قسم کے التفات کی توقع نہیں رکھنی چاہیئے"

وہ ظالم گھٹنے ٹیک کر میرے سامنے بیٹھ گیا اور زار و قطار رونے لگا۔ آخر کار وہ میرے قدموں سے چمٹ گیا۔ اس نے دونوں ہاتھ میری پنڈلیوں کے گرد حمائل کر لئے اور میرے قدموں کو نہایت پرجوش انداز سے بار بار بوسے دینے لگا۔ یکایک نہ جانے مجھے کیا ہو گیا۔ جس طرح ایک نرم و نازک کلی شاخ سے نیچے آگرتی ہے۔ میں شبنمی گھاس پر گر گئی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری جان نکلی جا رہی ہے۔ اس وحشی نے موقع سے فائدہ اٹھا کر میرے ہونٹوں پہ بوسوں کی بارش کر دی۔ میری مزاحمت کسی کام نہ آئی۔ وہ میرے ہونٹوں، میرے گالوں، میری گردن اور میرے بازوؤں کے بوسے لیتا رہا۔ یکایک نہ جانے مجھے کیا خیال آیا کہ میں تڑپ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ میں نے اپنے چاہنے والے کے منہ پہ زور سے ایک تھپڑ لگایا اور لڑکھڑاتے ہوئے قدموں کے ساتھ گھر کی طرف اٹھ دوڑی۔

خواب گاہ میں پہنچ کر میں بستر پہ گر کر زار و قطار رونے لگی۔ میں اپنی حرکت پر سخت پشیمان تھی اور مجھے اس حادثے کا اس قدر صدمہ تھا جتنا عمر بھر کبھی نہیں

ہوا۔ روتے روتے صبح ہو گئی اب میری یہ حالت تھی کہ میرا جسم انگاروں کی طرح بخار سے دہک رہا تھا اور میری آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ میں کئی دن تک باغ میں نہ گئی۔ اس واقعہ سے چار روز بعد سہیلیاں مجھے زبردستی باغ میں کھینچ لے گئیں۔ اب میرے چاہنے والے کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔ بعد میں کئی مرتبہ مجھے باغ میں جانے کا اتفاق ہوا لیکن اپنے عاشق کو پھر میں نے کبھی نہ دیکھا۔

میری پیاری سہیلی! اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ اُسی رات میں محبوبہ بنی ہا تم سے میں کوئی بات چھپانا نہیں چاہتی۔ یہ حقیقت ہے کہ محبت کی شراب جو میں نے اس رات پی تلخ بہت تھی لیکن اس کا سرور میں اب تک اپنی رگ رگ میں محسوس کرتی ہوں۔ آہ میں نے اُس رات کس قدر تلخ شراب پی تھی۔ جب مجھے اُس رات کا خیال آتا ہے تو میں کانپ اٹھتی ہوں۔ لیکن اس کے باوجود اُس رات کی پی ہوئی شرابِ محبت کا خمار میں اب تک اپنے بدن میں محسوس کرتی ہوں۔

اب میں بہت محتاط ہو گئی اور مردوں کے سائے سے بھی خوف کھانے لگی۔

دوسری رات

جب میری عمر بیس برس کی ہوئی تو تمام قصبے میں میرے حسن کے چرچے ہونے لگے۔ جیرک ہٹینگر نامی ایک نوجوان طالب علم مجھ پہ عاشق ہو گیا۔ وہ ہر وقت سائے کی طرح میرے پیچھے پیچھے پھرا کرتا۔ بڑا خوبصورت اور ہونہار نوجوان تھا۔ رفتہ رفتہ میں بھی اس پہ مائل ہونے لگی۔ لیکن بظاہر میں اس کی طرف کچھ زیادہ ملتفت نہ ہوتی تھی۔ میں اس سے نہایت بے پروائی سے ملا کرتی تھی۔ اس کا اضطراب

روز بروز بڑھنے لگا۔ اس طالب علم کا مکان ہمارے مکان کے بالکل قریب تھا۔ اس کا مطالعہ کا کمرہ میری کھڑکی کے بالکل سامنے تھا۔ میں نے اسے اکثر رومال سے منہ ڈھانپ کر روتے دیکھا۔ لیکن وہ انتہائی شرمیلا نوجوان تھا۔ اپنے عشق کے اظہار کی جرأت اسے کبھی نہ ہوتی۔ میں گھنٹوں اسے چھپ چھپ کر دیکھا کرتی۔ رفتہ رفتہ اس نے میرے چھوٹے بھائی سے مراسم بڑھانے شروع کئے۔ کبھی کبھی ہمارے گھر بھی آیا کرتا۔ لیکن اسے مجھ سے آنکھیں ملانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اگر مجھے کبھی اس سے کوئی مختصر سی بات کرنے کا اتفاق بھی ہوتا تو اس کی نظریں ہمیشہ زمین پر جھکی رہتیں۔ مجھے اس کی اس حالت پر بہت رحم آتا تھا۔ میں گھنٹوں چارپائی پر لیٹ کر سوچا کرتی کہ وہ میرے لئے اس قدر مضطرب کیوں ہے؟ اور وہ مجھ سے اظہار عشق کیوں نہیں کرتا حالانکہ میں اس کی متمنی تھی۔ مجھے اس کی حالت دیکھ کر اس پر رحم بھی آتا اور میری روح پر ایک پُر سرور نشے کی کیفیت بھی طاری رہتی۔ مرد کہتے ہیں کہ مرد کا اظہار عشق، عورت کی روح کی غذا ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ یہ بات بالکل صحیح ہے۔ اگرچہ مجھے اپنے نوخیز عاشق جیرک ہٹینگز کی تکلیف سے تکلیف ہوتی تاہم میں اسے مضطرب دیکھ کر ایک نشہ کا حظ بھی محسوس کرتی۔

ایک دن جبکہ میں گھر میں تنہا تھی۔ میں نے اسے کھڑکی کے سامنے بیٹھے ایک خط لکھتے دیکھا۔ اسی دن شام کو جب میں اپنی سنگھار میز کے سامنے اپنے لمبے لمبے بالوں میں کنگھی کر رہی تھی۔ میرے سُرخی مائل سنہری بال، میرے مرمریں شانوں پر بکھر کر ہوا میں لہرا رہے تھے، وہ جھجکتا ہوا میرے کمرے میں آیا اور مجھے ایک خط

دے کر چلا گیا۔ جب میں نے خط پڑھا تو میں مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہو گئی۔ لیکن ساتھ ہی مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ میرے نوخیز عاشق کے جذبات کس قدر معصوم اور صادق ہیں۔ اس نے لکھا تھا کہ "مجھے تم سے محبت ہے۔ محبت کی آگ میری روح اور میرے جسم کو پھونک رہی ہے، نہ جانے میرا انجام کیا ہونے والا ہے۔ ارادہ تو یہی تھا کہ اپنی محبت کا راز افشا نہ کروں لیکن میں محسوس کر رہا ہوں کہ اگر چند روز یہی کیفیت رہی تو موت مجھے اپنے آغوش میں لے لے گی۔ میری محبت میں ہوس کو کوئی دخل نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم صرف ایک مرتبہ آج رات مجھے لیم گارڈن میں ملو اور ایک گھنٹے کے لئے مجھے اجازت دے دو کہ میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں تم سے کہہ سکوں۔ اگر تم نے میری درخواست رد کر دی تو سمجھ لینا کہ دوسرے دن میری موت واقع ہو جائے گی۔"

مجھے ہنسی اس بات پر آئی کہ ایک بیست سالہ دوشیزہ سے سولہ سال کا ایک لڑکا عشق کر رہا ہے اور عشق بھی ایسا جس کی مثال ڈھونڈے سے نہیں مل سکتی۔ میں بہت دیر تک سوچتی رہی کہ جاؤں یا نہ جاؤں۔ یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ آخر میں نے اپنے عاشق سے ملنے کا فیصلہ کر ہی لیا۔ میں نے اپنا بہترین لباس زیب تن کیا اور خراماں خراماں باغ کی طرف چل دی ——————

چاند آسمان کی انتہائی بلندیوں پر چمک رہا تھا۔ تمام کائنات پر ایک سفید نور کی بارش ہو رہی تھی۔ باغ کے ہرے بھرے اشجار نور میں نہا رہے تھے۔ ہر طرف ایک پُر عظمت اور رُومانی سکوت طاری تھا۔ کبھی کبھی کسی فرقت زدہ کوئل کی آواز

سکوت کو توڑ دیتی تھی۔

دور ہی سے باغ میں مجھے ایک سایہ نظر آیا۔ میں سمجھ گئی میرا چاہنے والا میرے انتظار کی گھڑیاں گن رہا ہے۔ میں جب قریب پہنچی تو وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے اس سے کہا: "تم نے مجھے کیوں بلایا ہے؟ کہو کیا کہتے ہو؟" وہ میرے سوال کے جواب میں بُت بنا کھڑا رہا۔ میں نے اسے دق کرنے کی خاطر کہا کہ "تمہیں مجھ کو ایسا خط لکھنے کی جرأت کیسے ہوئی؟ صبح میں یہ خط تمہارے ماں باپ کو دکھاؤں گی۔"

ابھی میں نے اپنا فقرہ بھی مکمل نہ کیا تھا کہ وہ زار و قطار رونے لگا۔ میں نے اس سے کئی مرتبہ کہا کہ "میں تم سے مذاق کر رہی تھی۔ میرا اس قسم کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" لیکن وہ بے چارہ پاگل ہو گیا تھا۔ بہرحال میں نے اس کے سر پہ بڑی شفقت سے ہاتھ پھیرا اور کہا کہ "تم تو بالکل بچوں کی طرح ہو۔ اس آہ و زاری کا کیا مطلب؟" لیکن اس پہ کوئی اثر نہ ہوا۔ اس کے قدم ڈگمگانے لگے اور وہ بے ہوش ہو کر زمین پہ گر گیا۔

میں اس نظارے کی تاب نہ لا سکی اور میں نے سوچا کہ اسے تنہا چھوڑ کر یہاں سے بھاگ جاؤں لیکن یہ ایک نہایت ہی خلافِ انسانیت حرکت تھی۔ میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ رسوائی کا خیال میرے رونگٹے کھڑے کر رہا تھا تاہم مجھے اپنے نوخیز عاشق کی حالت پر بہت رحم آ رہا تھا۔ میں اس کے قریب بیٹھ گئی۔ اور اس کا سر اٹھا کر اپنی آغوش میں رکھ لیا اور اس کے خوشنما بالوں پر ہاتھ پھیر پھیر کر آہستہ آہستہ اسے بلانے لگی۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس نے جان بوجھ کر اپنی آنکھیں بند کر رکھی تھیں یا واقعی بے ہوش تھا۔ میں نے ڈرتے ڈرتے اس کے

سینے پر ہاتھ رکھا تو معلوم ہوا کہ اس کا دل غیر معمولی طور پر دھڑک رہا ہے۔ مجھے اپنے چاہنے والے کی بھولی بھالی صورت پر پیار آ گیا اور میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اپنے مرتعش ہونٹ اس کے ہونٹوں پر رکھ دیئے۔ پہلی ہی مرتبہ محبت نے پردۂ شرم و حجاب اٹھا دیا تھا۔ میں نے سوچا مجھے بھی تو اس سے محبت ہے۔ کیوں نہ آج جی بھر کر اسے پیار کر لوں۔ میں نے اب اپنے محبوب کو اپنے آغوش میں لے لیا، وہ بالکل بے خبر تھا۔ میں نے دل کھول کر اسے پیار کیا۔ اُف میں کس قدر بے حیا تھی۔ لیکن مجھے اس سے محبت تھی اور اگر کسی کو کسی سے محبت ہو تو میری اچھی سہیلی! کیا وہ اس کے بوسے نہیں لے سکتا؟

یہ تھی میری زندگی کی دوسری رومانی رات —— میرا اور جیرک ہٹنگز کا فسانۂ محبت بہت طویل اور دردانگیز ہے۔ لیکن یہاں میرا مقصد صرف اُس رات کا حال بیان کرنا تھا اس لئے اپنے افسانہ محبت کا صرف ایک ہی منظر دکھانے پر اکتفا کرتی ہوں۔

تیسری رات

میری زندگی کی تیسری رومانی رات کا حال بڑا تعجب انگیز اور حیرت افزا ہے۔ جس زمانے کا میں ذکر کر رہی ہوں اُس وقت میرے اور جیرک ہٹنگز کے تعلقات انتہائی عروج پر تھے۔ جیرک ہٹنگز کی محبت ہمیشہ پاک رہی۔ اس کے دل میں میرے متعلق کبھی کوئی بُرا خیال نہیں آیا تھا۔ میں اس سے شادی کرنے کا عہد کر چکی تھی اور چند ماہ تک ہم رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو جانے والے تھے جیرک

کی محبت اب میری رگ رگ میں بس چکی تھی۔ اس کے دیکھے بغیر مجھے کل نہ پڑتی تھی۔ وہ بھی جب تک ہر روز مجھ سے دو چار گھنٹے باتیں نہ کر لیتا اسے چین نہ آتا۔ وہ مجھ پر جان نثار کرتا تھا اور میری روح بھی اپنے جسم سے نکل کر اس کے جسم میں سما جانا چاہتی تھی۔ میرے والدین نے بھی تھوڑی سی پس و پیش کے بعد مجھے اس سے شادی کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ کیونکہ ایک تو وہ کاؤنٹ کا لڑکا تھا۔ دوسرے اس کے خاندان کے افراد کا سلسلہ نسب بھی قدیم شاہی خاندان سے ملتا تھا۔ اس وقت اس کی عمر ۲۴ سال اور میری ۲۸ سال کی تھی۔

ایک روز میں اپنے دروازے میں کھڑی پھول بیچنے والی ایک لڑکی سے کچھ پھول خرید رہی تھی کہ ہمارے گھر کے سامنے سے شاہ زوغو گذرے۔ اُس وقت وہ موٹر میں بیٹھے تھے۔ اُن کی نگاہیں میری نگاہوں سے چار ہوئیں اور شاہ البانیہ پہلی ہی نگاہ میں اپنا دل ہار گئے۔

اگرچہ اس وقت مجھے معلوم نہ تھا کہ البانیہ کے بادشاہ کی نگاہِ التفات مجھ پر اس طرح پڑی ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے میرے ہو گئے ہیں۔ تاہم مجھے اس بات کا احساس ضرور ہوا کہ میں نے شاہ کے دل میں ایک لمحے کے لئے ہیجان و اضطراب پیدا کر دیا ہے۔ میں دل ہی دل میں اپنی خوش نگاہی اور اپنے حسنِ سحر آفریں پر نازاں ہونے لگی۔

اس واقعہ کو دو دن نہیں گذرے تھے کہ مجھے شاہ البانیہ کی طرف سے ایک دعوت نامہ موصول ہوا۔ جس میں مجھے چائے پہ مدعو کیا گیا تھا۔ میں اصل

معاملے کو بھانپ گئی۔ مجھے اس حقیقت سے جیرک کو فوراً مطلع کر دینا چاہیے تھا۔ لیکن نہ جانے کیوں میں نے یہ بات اس سے چھپائے رکھی۔ میں اپنا بہترین لباس زیب تن کئے شاہی محل میں پہنچی۔ دو خادمائیں اور ایک نوکر مجھے اندر بڑے حال میں لے گئے۔ یہ دیکھ کر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ مجھے تو چائے پر مدعو کیا گیا ہے لیکن ہال میں کسی انسان کا نام و نشان تک نہیں ملتا۔ خیر میں چپ چاپ ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد شاہ تشریف لائے۔ ایک تو شاہانہ رعب داب اُس پر شباب اور حسن قیامت ڈھا رہا تھا۔ لیکن میں تو اپنا دل جیرک کے حوالے کر چکی تھی۔ مجھے کوئی حق نہ تھا کہ شاہ کی صورت شکل پر غور کروں۔ خیر چائے کے دوران میں تو معمولی باتیں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد یکایک شاہ بولے "میرا تحفۂ محبت قبول کرو۔"

میں ان کی زبان سے یہ غیر متوقع بات سن کر حیرت زدہ ہو گئی اور میں نے کوئی جواب نہ دیا وہ میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہنے لگے "تم بولتیں کیوں نہیں؟ میری بات کا جواب دو۔"

میں نے شاہ سے کہا "میں کسی سے عہد وفا کر چکی ہوں۔ اس کے علاوہ میں اس لائق نہیں کہ حضور کی چشم عنایت میری طرف مبذول ہو۔"

وہ کہنے لگے "خیر میں اپنی برائی بھلائی اچھی طرح سمجھتا ہوں میری دلی آرزو ہے کہ تم میری ملکہ بن جاؤ۔"

میں نے کہا "مجھے چند روز کی مہلت دیجئے۔"

انہوں نے کہا "چند دن کی مہلت تو کجا میں چند گھنٹوں کی مہلت دینے کے لئے بھی تیار نہیں۔ مجھے ابھی میری بات کا جواب دو"

اس وقت میرے سامنے جیرک کی صورت آ گئی۔ اور میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ شاہ البانیہ نے مجھے روتا ہوا دیکھ کر میرے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے میں گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

وہ کہنے لگے "تمہیں میری ملکہ بننا ہی پڑے گا"

میں نے اُن سے کہا "میری نسبت تو ہو چکی ہے"۔

وہ کہنے لگے "میری اور تمہاری نسبت تو روز ازل ہی سے ہو چکی تھی۔ وہ مقدس رشتہ ٹوٹ نہیں سکتا۔ تمہیں خدا نے میری ملکہ بننے کے لئے پیدا کیا ہے"

میرے دل میں ملکہ بننے کا خیال خوشگوار چٹکیاں لینے لگا اور میرے سامنے ملکہ بننے اور محلات میں عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے کے مناظر آ گئے۔ میں اپنے محبوب کو بھول گئی اور سوچ بچار میں غرق ہو گئی۔

جب میں نے اپنے خیالات سے چونک کر اوپر نگاہ اٹھائی تو شاہ میرے سامنے کھڑے تھے۔ میں ان کی عظمت و شوکت اور جاہ و جلال سے مرعوب ہو گئی اور زیادہ پس و پیش نہ کر سکی۔ تھوڑی ہی دیر بعد شادی کی رسم ادا کرنے والے آ پہنچے اور میں حالتِ تذبذب ہی میں ملکہ بنا دی گئی۔

میری زندگی میں وہ پہلی رات تھی جب میں لڑکی سے عورت بنی۔ نور سے جھلمل جھلمل کرتے ہوئے ایک وسیع و عریض آراستہ کمرے میں ایک مطلا پلنگ پر

نرم و نازک اور خوشبودار پھولوں کا بستر بچھا دیا گیا۔ مجھے دلہن کا لباس پہنا کر لایا گیا۔ میں ایک مخملیں صوفے پر سر جھکائے بیٹھی رہی۔ رات کافی گذر گئی تو شاہ البانیہ میرے دولہا بن کر میرے کمرے میں داخل ہوئے۔ انہوں نے مجھے بازو سے پکڑا اور پلنگ پر لٹا دیا۔ میری پیاری سہیلی! میں ملکہ بن کر ہمیشہ کے لئے اپنے عاشق سے جدا کر دی گئی ——— یہ رات مجھے ہمیشہ یاد رہے گی۔ میری پیاری سہیلی! تم خود تصور کر سکتی ہو کہ جس رات کو لڑکی عورت بنتی ہے اُس رات اس لڑکی کی زندگی میں چند لمحات ایسے پُر سرور آتے ہیں۔ جن کی یاد دل سے کبھی محو نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ اب میں ملکہ نہیں ہوں۔ لیکن مجھے یہ رات عمر بھر نہ بھولے گی۔ یہ ایک رات کیا تینوں راتیں مجھے عمر بھر نہ بھولیں گی ۔

شہنشاہ روم محبت کی رومانی وادیوں میں

ایک یہودی دوشیزہ سے عشق

روما میں شہرہ آفاق جرنیل طیطوس اور اس کی یہودی محبوبہ شہزادی بنیرس کا افسانہ محبت زبان زد خاص و عام ہے۔

طیطوس، شہنشاہ ویسپاسین کا بیٹا اور اپنے وقت کا ایک مشہور جرنیل تھا۔ عہد شباب میں وہ ایک حسین یہودن پر عاشق ہو گیا۔ رفتہ رفتہ عشق نے جنون کی صورت اختیار کر لی اور وہ اپنی حسین بیوی کو فراموش کر کے حسن کی اسی مورت کو اس طرح پوجنے لگا کہ دنیا و مافیہا کا کچھ ہوش نہ رہا۔ لیکن محبت کا یہ افسانہ بہت دردناک ہے۔ جب طیطوس روما کا شہنشاہ بنا دیا گیا تو اس کی آنکھیں بدل گئیں اور اس نے اپنی اس محبوبہ کو جس سے اس نے قسمیں کھا کھا کر پیمان وفا باندھا تھا، ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا۔

بنیرس کا دل اس صدمہ کی تاب نہ لا سکا اور وہ دل شکستہ ہو کر اپنے وطن کو واپس چلی گئی۔

(۲)

ہر طرف ایک ہنگامہ کشت و خون برپا تھا۔ رومن بہادروں کی تلواریں دشمن کو گاجر مولی کی طرح کاٹ رہی تھیں۔ گلیوں اور بازاروں میں خون کی ندیاں بہ رہی تھیں۔

طیطوس اور بنیریس دونوں ایک مخملیں صوفے پر ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو بیٹھے تھے۔ یکا یک باہر خوفناک چیخوں کی آواز سنائی دینے لگی "دوڑو دوڑو مدد کرو۔ بارومن آگئے۔ اُف وہ ہنگامہ قتل و غارت مچاتے آرہے ہیں"

ان آوازوں کا طیطوس اور بنیریس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ دونوں بے حس و حرکت بیٹھے تھے طیطوس کی باہیں بنیریس کی صراحی دار بلوری گردن میں حمائل تھیں اور وہ پیار بھری نظروں سے اس کے چہرے کی بلائیں لے رہا تھا۔ طیطوس کے ہونٹ لرز رہے تھے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ اپنی محبوبہ سے اظہار محبت کر رہا تھا—"میری پیاری تم میرے ساتھ چلو گی؟ تم تو میری روح ہو ایسے کیسے ہو سکتا ہے کہ جسم کہیں ہو اور روح کہیں۔ تم میری ملکہ بنو گی! اور میری رعایا پر حکومت کیا کرو گی۔ روما کی سلطنت پر ہی نہیں بلکہ تم مجھ پر بھی حکومت کرو گی"

یہ تھے وہ الفاظ جو شہنشاہ ویسپاسین کے بیٹے نے شاہ اگرپا کی خوبصورت بہن بنیریس سے کہے۔

وہ اپنے محبوب کے مسرت انگیز اور پُرجوش فقرے سُن رہی تھی اور خوشگوار مستقبل کے رومانی تصورات اس کی رگ رگ میں مسرت کی لہریں دوڑانے لگے۔

جب اس نے دیکھا کہ ایک ایسا عظیم الشان اور خوبصورت آدمی اُس سے اظہارِ محبت کر رہا ہے تو وہ جذبات کے سمندر میں تنکے کی طرح بہہ گئی اور کہنے لگی "پیارے طیطوس میں زندگی بھر تمہارے ساتھ رہوں گی۔ دنیا کی کوئی طاقت مجھے تم سے جدا نہیں کر سکتی"۔

طیطوس اپنی محبوبہ کے الفاظ سن کر فرطِ انبساط سے دیوانہ ہو گیا۔ اُس نے اپنی مضبوط اور آہنی باہوں کی گرفت میں اس مخملیں مجسّمے کو قابو کر کے انتہائی دیوانگی کے ساتھ اپنے سینے سے لگا لیا۔ اور اِس زور سے بھینچا کہ خوف اور مسّرت کے احساس سے بنیرتس کے منہ سے ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ باہر سے پہلے سے بھی زیادہ خوفناک اور دہشت آفریں چیخیں سنائی دینے لگیں۔ یکایک بہادر جرنیل اپنے فرائض کا احساس کر کے تڑپ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور مکان سے باہر نکل گیا۔ وہاں یہودیوں کا قتلِ عام ہو رہا تھا۔ طیطوس ایک بلند چبوترے پر کھڑا ہو کر یہودیوں کے خاک و خون میں تڑپنے کا نظارہ کرنے لگا۔

محاصرے کی مہم ختم ہو چکی تھی۔ طیطوس نے حکم دیا۔ کہ شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دو۔

یکایک شہر میں پھر قیامتِ صغریٰ برپا ہوئی۔ روما کی فوجوں نے یہودیوں کو بھوکے بھیڑیوں کی طرح چیر پھاڑ ڈالا۔ عالیشان عمارتوں کو مسمار کر ڈالا اور شہر میں آگ لگا دی۔ جب شہر میں روم کا جھنڈا لہرانے لگا تو فوج کا اعلیٰ افسر طیطوس کی خدمت میں

حاضر ہوا اور جھک کر آداب بجا لاتے ہوئے کہنے لگا "آقا! بڑے بڑے عظیم الشان پہاڑ بھی تیری عظمت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ آج روما اپنے بہادر جرنیل پر فخر کر رہا ہے اور شہنشاہ ویسپاسین تو اپنے ہونہار بیٹے کے کارناموں کی داستان سُن کر پھولے نہیں سماتے۔"

تھوڑی دیر بعد ایک اور آدمی طیطوس کی خدمت میں حاضر ہوا اور کورنش بجا لاتے ہوئے کہنے لگا "آقا! مجھے آپ کی شریکِ حیات شہزادی مارشیا فرنیلا نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ کیونکہ آج بہادر جرنیل طیطوس کے ہاں دخترِ بلند اختر پیدا ہوئی ہے۔ آقا تمام روما خوشیاں منا رہا ہے اور اپنے جرنیل کو نیک دعاؤں سے یاد کر رہا ہے۔ خوش بختی اس کے قدم لینے کو تیار ہے۔"

یہ خبر سنکر بہادر جرنیل کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ اب وہ اپنی اس بیوی کا خیال تک دل میں لانے کے لئے تیار نہ تھا جو روم کے سب سے مقتدر اور عظیم المرتبت خاندان کی حسین ترین عورت تھی۔

وہ شتی اور اَن شتی ایک کر کے فوراً اپنی محبوبہ کے قصر کی طرف روانہ ہو گیا اور اس کے گلے میں باہیں ڈال کر زار و قطار رونے لگا۔ بنیرس نے ابھی ابھی وادیٔ شباب میں قدم رکھا تھا۔ اس کا حسن موسمِ بہار کے سب سے پہلے پھول کی طرح نازک اور نور آفریں تھا —— وہ باغِ رضواں کی سب سے پہلی بہار کی طرح خوبصورت تھی ——
اس کی ہر بات شعر اور ہر ادا ایک طویل رومانی افسانہ تھی۔ اس کی آنکھوں میں محبت اس طرح چمکتی تھی، جیسے دو عمیق و عمیق جھیلوں میں ستاروں کا عکس چمکتا ہے۔

اس کے تبسم سے پھول برستے تھے اور جب وہ چلتی تھی تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ اس کا نورپاش خرام ایک ادائے غرور آفریں کے ساتھ صبح کے نور کو حقارت سے ٹھوکریں لگا رہا ہے۔ اس کی راہگذر کا ہر نقشِ قدم روضۂ رضواں کا پھول نظر آتا تھا۔ جب وہ اپنے گھر کے سامنے باغ سے گذرا کرتی تو یوں معلوم ہوتا جیسے اس کے جلو میں خود فتنۂ حشر بھی کانپتا ہوا ساتھ ساتھ جا رہا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ طیطوس جیسا بہادر اور سنگ دل جرنیل اس کے سیمگوں قدموں پر اپنا سر رکھ دینا باعثِ فخر سمجھتا تھا۔

طیطوس، بنیرس کی محبت میں سرشار تھا اور اُدھر بنیرس طیطوس کی محبت کے نشے میں چور تھی۔ محبت کے دن بہت مختصر ہوتے ہیں آخر وہ دن بھی آگیا جب طیطوس کو اپنے وطن واپس جانا پڑا۔

وطن میں اس کا شاندار خیر مقدم کیا گیا۔ وہ اپنے ساتھ ہزاروں قیدی بھی لایا تھا اور اپنی کثیر فوج بھی اس کے ساتھ تھی آج فوج کا ہر سپاہی نعرے لگا رہا تھا — "بہادر جرنیل طیطوس زندہ باد!" خیر مقدم کی تقریب نہایت پر عظمت تھی۔ بھلا طیطوس کی بیوی مارشیا کیوں اس میں شریک نہ ہوتی۔ اپنے شوہر کی کامیابی پر آج اس نے اپنا سر غرور سے بلند کر رکھا تھا، وہ اپنے شوہر کے کارناموں کا ذکر سن کر پھولی نہ سماتی تھی، اس کا دل خوشی سے دھڑک رہا تھا۔ آج وہ اس قدر مسرور اور بدحواس تھی کہ اس کی ناگن کی سی زلفیں بار بار اس کے شانوں پر پریشان ہو جاتی تھیں۔ بار بار شبِ زلف صبحِ رخ کو چھپا لیتی تھی، اور بار بار وہ گورے گورے ہاتھوں سے اپنے حسین بال پیچھے کی طرف ہٹا دیتی۔ لیکن مسرت کی یہ گھڑیاں بہت جلد ختم

ہو گئیں۔ جب مارتشیا نے دیکھا کہ جرنیل کے ساتھ ایک حسین پالکی بھی ہے۔ جسے چاروں طرف سے غلام گھیرے ہوئے ہیں تو زمین اس کے پیروں تلے سے نکل گئی۔ آہ متعدد غلام اور لونڈیاں حسن کی اس پُرعظمت عورت کو پنکھا جھل رہی تھیں مارتشیا کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے یہ غلام اور لونڈیاں اس عورت کو پنکھا نہیں جھل رہے بلکہ مارتشیا کے دل میں بھڑکی ہوئی آگ کو ہوا دے رہے ہیں۔ جب پالکی قریب پہنچی تو اس حسینہ کو دیکھ کر مارتشیا کی آنکھیں فرطِ حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ مارتشیا نے آج تک اتنی حسین عورت نہیں دیکھی تھی۔ وہ دل میں کہنے لگی "اُف یہ عورت میری رقیب ہی سہی۔ لیکن میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتی کہ یہ مجھ سے زیادہ حسین ہے!"

اس نے اپنی سہیلیوں سے کہا "چلو ہم اس تقریب میں شامل نہیں ہوں گے"۔ محل میں جا کر ایک "جلسہ" منعقد ہوا۔ جس میں سب عورتوں نے مل کر یہ "قرارداد" منظور کی کہ ہم آخری وقت تک اس یہودی شہزادی کے خلاف جنگ لڑیں گی اور جب تک طیطوس کو اس سے نجات نہ دلائینگی، چین سے نہ سوئیں گی۔

اس کے بعد طیطوس کے دل و دماغ میں ایک زبردست انقلاب آیا اب اس نے اپنے آپ کو دنیا کے سامنے اپنے صحیح رنگ میں پیش کیا۔ وہ انتہائی عیش و عشرت میں پڑ گیا۔ اس کے نزدیک گناہ و ثواب میں کوئی فرق نہ رہا۔ اس کی راتیں عیش و عشرت میں بسر ہونے لگیں۔ اور اپنی ملکہ مارتشیا کی طرف اس نے کبھی توجہ تک نہ کی۔ اس کے علاوہ وہ اپنی رعایا پر بھی بے انتہا مظالم توڑنے لگا۔ وہ اس

قدرے رحم ہو گیا کہ اس پہ نیرو ثانی کا گمان ہونے لگا۔ وہ بنیریس کا پرستار تھا۔ اسی وجہ سے لوگ اس کے خلاف ہو گئے کہ اسے ایک یہودن سے کیوں محبت ہوئی ہے؟ انہیں کیسے گوارا ہو سکتا تھا کہ ایک غیر ملکی عورت بہادر جرنیل طیطوس کو اپنی سحر آفریں محبت کے جال میں اسیر کر لے۔ انہیں بنیریس سے سخت عداوت ہو گئی اور اس حقیقت نے کہ ملکہ خود اس عورت کی جان کی دشمن ہے، انہیں اور بھی آتش زیر پا کر دیا۔ لیکن طیطوس کا رعب اور دبدبہ اس قدر تھا کہ وہ علانیہ اس عورت کے خلاف کچھ نہ کہہ سکتے تھے۔ وہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا کر خاموش ہو جاتے۔ لیکن طیطوس کی محبت میں کوئی فرق نہ آیا۔ روز بروز اس کے دل میں بنیریس کی محبت بڑھ رہی تھی۔ وہ اس ساحرہ کے حسن سے پوری طرح مسحور ہو کر رہ گیا تھا۔

بنیریس اپنے وطن کے لئے بہت اداس رہتی تھی۔ وہ اکثر اپنے وطن اور اہلِ وطن کو یاد کر کے رویا کرتی جب اسے اپنی ننھی ننھی بہنوں، رشتہ داروں اور دوستوں کی یاد آتی تو اس کی چیخیں نکل جاتیں مگر وہ طیطوس کو بھی نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ جب وہ اپنے ہموطنوں کو یاد کر کے اداس ہو جاتی تو طیطوس دیوانہ وار اُس کی آغوش میں آ گرتا۔ اس کے آنسوؤں کو اپنے بوسوں سے پونچھ ڈالتا اور اس کی لمبی لمبی پریشان زلفیں اس کے چہرے سے ہٹا کر اس کے ہونٹوں سے اپنے بیتاب ہونٹ ملا لیتا اور نہ جانے کتنی دیر تک اپنے ہونٹ اس کے خوبصورت ہونٹوں سے ملائے رکھتا بلکہ اس کے نازک نازک سیمگوں قدموں پر بھی بوسوں کی بارش کر دیتا۔ اس طرح طیطوس کا دیوانہ وار اظہارِ عشق بنیریس کے مجروح دل کے لئے باعثِ تسکین بن

جاتا اور وہ تھوڑی دیر کے لئے اپنے ہم وطنوں اور عزیزوں کو بھول جاتی۔

طیطوس نے اپنی شریکِ حیات مارشیا کو دل سے بالکل بھلا دیا تھا۔ اب اس کے شبستاں کو صرف ایک شمع روشن کرتی تھی۔ اب اس نے کبھی اپنی حسین ملکہ کے گورے گورے بازوؤں میں بازو نہ ڈالے تھے۔ اب کبھی اس نے حسن کی اس جیتی جاگتی تصویر کو پیار سے آغوش میں نہیں لیا تھا۔ اب کبھی اس نے اپنی ملکہ کے نازک ہونٹوں سے "شرابِ محبت" پی کر اپنے دل کی پیاس نہ بجھائی تھی —— اب کسی اور کے ہونٹ اس کے دل کی لگی کو بجھاتے تھے —— ملکہ کا وجود اب اس کی روح کے لئے باعث تسکین نہ تھا۔ لیکن آج سے کچھ عرصہ پہلے وہ اس سے محبت ہی نہیں بلکہ اس کی پرستش کرتا تھا۔ لیکن اب ایک یہودی ساحرہ نے ہوش و حواس چھین لئے تھے اور اس نے اپنی بیوی کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا تھا۔

جب بھی کوئی "پبلک جلسہ" یا تقریب ہوتی اور طیطوس اس کی صدارت کرتا بینیریس اس کے ساتھ ہوتی۔ شہنشاہِ روم کے بیٹے کے ساتھ اس کی ہر دلعزیز ملکہ کی بجائے اس کی بدنام محبوبہ ہوتی جس کے غیر ملکی ہونے کا احساس رعایا کو آتش زیرپا کئے رکھتا۔ وہ آہستہ آہستہ کانوں میں باتیں کرتے اور کہتے۔ "آہ ایک غیر ملکی یہودن عنقریب ملکہ بن کر ہم پر حکمران ہونے والی ہے"!

آخر شہنشاہِ ویسپاسین کو موت نے اپنے آغوش میں چھپا لیا۔ سینٹ کو اب فیصلہ کرنا تھا کہ روما کا شہنشاہ کسے منتخب کیا جائے۔ سینٹ کے ارکان ظالم طیطوس سے بہت خوف زدہ تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ عنانِ حکومت سنبھالتے ہی رعایا پر

ظلم توڑنے لگے گا۔ بہت ممکن ہے کہ اس کی ظالمانہ حرکات سے ملک میں بغاوت ہو جائے اور اس طرح ملک کو شدید نقصان پہنچے۔

بہرحال بینیرتس مسرت سے دیوانی ہو رہی تھی۔ اس کا دل خوشی سے دھڑک رہا تھا۔ شاندار مستقبل کے خیالات اُسے مسرور بنا رہے تھے۔ دوسری طرف مارشیا دیوانہ وار محل کے کمروں میں ایک بپھری ہوئی شیرنی کی طرح پھر رہی تھی۔ وہ بار بار اپنی سہیلیوں سے کہتی۔ "نہیں ایسا کبھی نہیں ہونے دونگی۔ وہ بندریا کبھی ملکہ نہیں ہو سکتی۔ میں اسے ہرگز ملکہ منتخب نہ ہونے دونگی۔ ملکہ بننے کا حق صرف مجھی کو ہے سینٹ کبھی اجازت نہیں دے گی کہ ایک یہودن ان پر حکمران ہو۔"

آخر طیطوس کو شہنشاہ بنانے کی رسم ادا کر دی گئی۔ لوگ خوش بھی تھے اور خوفزدہ بھی۔ خوش اس لئے کہ ایک شاندار تقریب منائی جا رہی تھی۔ جس میں وہ بھی حصہ لے رہے تھے اور خوف زدہ اس لئے تھے کہ انہیں یقین تھا۔ کہ طیطوس عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی رعایا پر ظلم ڈھانے شروع کر دے گا۔

بینیرتس نے اپنی سہیلیوں سے کہا۔ "کنیزوں سے کہہ دو میرے شبستان کو آج اچھی طرح سے سجا دیں۔ جس راستے سے شہنشاہِ سلامت آنے والے ہیں۔ اس راستے پر پھول بچھا دو اور محل میں اس قدر روشنی کر دو کہ رات پر دن کا گمان ہونے لگے۔ میرے شبستان کا فرش آج عطر سے دھو دو۔ آج میرے بستر پر خوبصورت ترین اور نرم و نازک پھولوں کا فرش بچھا دو۔ خوشبو دار شمعیں روشن کر دو اور خزانے کی کنجی میرے ہاتھ میں دے دو تاکہ شہنشاہِ سلامت جب آئیں تو میں زر و جواہر

ان پہ نثار کروں۔ آج آسمانوں کی جنّت زمین پر اتر آئے گی۔ آج میرے شبستان پر جنّت کا گمان ہو گا۔ آج میں اپنے محبوب کے گلے میں باہیں ڈال کر اور اس کے ہونٹوں سے ہونٹ ملا کر مسرّت کی ایک شیریں نیند سو جاؤں گی ——

آج بہترین رقص کرنے والی لڑکیوں کو بلاؤ اور ایک محفلِ عیش و عشرت منعقد کرو۔ آج چنگ و رباب اور بربط کے نغموں سے محل میں ایک حشر برپا کر دو۔ تاکہ خود زہرہ دیوی ہمارے محل سے نکلتے ہوئے نغموں کی دل کش آواز سن کر اپنے قصرِ بلوریں سے باہر نکل آئے اور میرے قدموں پر اپنا سر رکھ دے"۔

بینیرس نے بہترین ملبوس زیب تن کیا۔ باریک اور چست تاکہ اس کے سینے کا دلکش اُبھار اور اس کے خوبصورت جسم کا نور شہنشاہ کے دل میں جذبات کی آگ لگا دے۔ وہ دیوانہ ہو کر اس پر "حملہ" کرے۔ اسے اپنی آغوش میں چھپا لے۔ اُسے اپنی آہنی گرفت میں بھینچ ڈالے، اور اس کے ہونٹوں، رخساروں کے اتنے بوسے لے جتنے آج تک دنیا کے تمام عاشقوں نے اپنی محبوب عورتوں کے نہ لئے ہوں۔ —— بینیرس کے دل میں محبّت کا میٹھا میٹھا درد ہو رہا تھا۔ اس کے خون کے ہر قطرے میں جذبات نے ایک مسرّت انگیز ہیجان برپا کر رکھا تھا۔ آج وہ جذباتِ محبت کے سمندر میں تنکے کی طرح بہ جانے کے لئے تیار تھی۔

شام کو بینیرس کے شبستان کے قریب قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ اپنے مخملیں صوفے پر سے اُچک کر کھڑی ہو گئی۔ اور دروازے سے باہر آ گئی۔ لیکن اس کی مایوسی کی کوئی انتہا نہ رہی جب طیطوس کی بجائے وہاں ایک سپاہی کھڑا

دیکھا۔

سپاہی آکر کہنے لگا "شہنشاہ سلامت کہتے ہیں کہ آج رات میں ذرا دیر سے آؤں گا"

بنیس یہ ناخوشگوار اور غیر متوقع الفاظ سن کر بھوکی شیرنی کی طرح غضب ناک ہو گئی اور کہنے لگی "نکل جاؤ میرے محل سے، میں تمہیں آج سے برطرف کرتی ہوں"

جب سپاہی چلا گیا تو وہ آکر اپنے بستر پہ گر گئی اور اپنا پھول سا چہرہ اپنے کنول کے سے ہاتھوں میں چھپا کر رونے لگی۔ کیونکہ یکایک "حقیقت" اس پر روشن ہو گئی تھی اور اس کے دل میں وہ تمام شکوک و شبہات پیدا ہو گئے۔ جن کا تصور ہی اس کے لئے لرزہ خیز اور ہیبت ناک تھا۔

وہ بار بار روتی اور بار بار چپ کر جاتی اور دل میں کہتی "شاید طیطوس آج مصروف ہو گا۔ اس لئے نہیں آیا۔ لیکن اس کا دل گواہی دیتا تھا کہ نہیں آج ضرور کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آنے والا ہے۔ اس سے پہلے طیطوس نے کبھی اتنی بے التفاتی نہیں کی تھی۔ وہ ہر "ضروری کام" کو ٹھکرا کر اس کے پاس پہنچ جایا کرتا تھا۔ لیکن آج نہ جانے کونسا ایسا ضروری کام آپڑا تھا۔ کہ وہ کسی طرح آنے کا نام نہ لیتا تھا۔

یکایک وہ بیتاب ہو کر بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی اور ادھر ادھر مضطربانہ انداز سے پھرنے لگی۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا اور کان قدموں کی آہٹ پر تھے۔

آخر کار طیطوس کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ بنیس کا دل دھڑکنے لگا جب طیطوس کے چہرے پر اس نے ایک بیتاب نگاہ ڈالی۔ تو اس پہلی ہی نگاہ میں اسے

معلوم ہو گیا۔ کہ اس کے محبوب کے دل میں کوئی زبردست تبدیلی پیدا ہو گئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود بینیرس نے طیطوس کو اپنے آغوش میں لینے کے لئے اپنے بازو پھیلا دیئے اور اس کے ساتھ چمٹ کر کہنے لگی "میرے پیارے محبوب کیا بات ہے مجھے ایسے معلوم ہو رہا ہے۔ جیسے کوئی حادثہ پیش آنے والا ہے"

طیطوس نے اپنی محبوبہ کا منہ چوم لیا۔ اور اُسے اپنی آغوش میں لے کر اور اُس کے چہرے پر پیار بھری نظریں گاڑ کر کانپتی ہوئی آواز میں کہا "پیاری بینیرس، تم جانتی ہو کہ مجھے تم سے کس قدر محبت ہے؟ میرے محبت کے مندر کی دیوی صرف تمہیں ہو۔ کیا تمہیں میری محبت پر کبھی شک ہوا ہے؟"

بینیرس دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ بولی "نہیں، میرے پیارے محبوب اب تک تمہاری طرف سے میرے دل میں کبھی کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی۔ البتہ آج مجھے معلوم ہو رہا ہے کہ تمہاری دنیا بدل گئی ہے۔ میرے پیارے آج میری رُوح کو ضرور کوئی حادثہ پیش آنے والا ہے"۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا چہرہ طیطوس کے سینہ سے لگا لیا اور زار و قطار رونے لگی۔

طیطوس اُٹھ کھڑا ہوا اور گھبرا کر اِدھر اُدھر پھرنے لگا۔ آخر کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ "بینیرس آج میں روم کا شہنشاہ بنا دیا گیا ہوں۔ یہ دن ازل سے میری قسمت میں لکھا تھا اور میں نے یہ بھی سوچ رکھا تھا کہ جب یہ دن آئے گا تو میں تمہیں بھی حکومت میں اپنا حصہ دار بناؤں گا۔ جب لوگ میری ستائش میں نعرے لگا رہے تھے۔ تو روما کے گذشتہ شہنشاہوں کے چہرے میری نظروں کے سامنے آ گئے۔ روما کی شان اور

عظمت کا نقشہ میری آنکھوں میں پھر گیا۔ میرے عظیم الشان فرائض کا نقشہ اس وقت میرے سامنے ہے اور میں سوچ رہا ہوں کہ ایک شہنشاہ کو کس قدر پُرشوکت ہونا چاہیئے۔ پھر میری پیاری تمہیں بتاؤ میں اپنے عہد کا آغاز کس طرح بے عزتی اور بے آبروی سے شروع کر سکتا ہوں؟"

شہنشاہ کے یہ الفاظ سن کر بنیریس کا چہرہ زرد ہو گیا۔

طیطوس نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "میری جائز بیوی مارشیا ہر طرح سے ملکہ کہلانے کے قابل ہے اور ملکہ بننے کا حق بھی اسی کو ہے۔ اُس کے حق کو نظر انداز کر دینا ایک اچھے حکمران کو زیب نہیں دیتا۔"

بنیریس رو کر کہنے لگی۔ "لیکن تمہارے وعدے کیا ہوئے؟"

"مجھے یاد ہے کہ میں نے تم سے بہت سے وعدے کئے تھے۔ افسوس ہے کہ میں اُن وعدوں پر قائم نہیں رہ سکتا۔ اُمید ہے کہ تم مجھے معاف کر دو گی۔"

بہت دیر تک کمرے میں خاموشی چھائی رہی۔ اس کے بعد طیطوس اٹھ کھڑا ہوا اور بنیریس اس کی طرف درد بھری نگاہوں سے دیکھ کر کہنے لگی۔

"آقا! میں نے کونسی خطا کی تھی کہ آج تم مجھے تباہی کے خوفناک غار میں دھکیل رہے ہو۔ تمہاری محبت اور تمہاری قسموں پر اعتبار کر کے میں نے اپنی شہرت پر بٹہ لگایا۔ رشتہ داروں اور عزیزوں کی نظروں میں ہمیشہ کے لئے رسوا ہو گئی۔ پیارے وطن کو میں نے خیرباد کہا۔ تم کہتے ہو تمہیں مجھ سے محبت ہے اگر ٹھیک کہتے ہو تو میرے بغیر کس طرح رہ سکو گے؟"

"پیاری بینیرس! ملکی فرائض کا بوجھ میرے کندھوں پر آپڑا ہے۔ اگر میں نے محبت کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا تو میں اپنے فرائض اچھی طرح انجام نہ دے سکونگا محبت کی قربانی ہی میری روح کو تسکین دے سکتی ہے۔"

بینیرس اپنے محبوب کے ساتھ چمٹ گئی اور کہنے لگی "جس طرح تم کہہ رہے ہو اُسی طرح ہوگا اگر میری محبت کی قربانی سے تمہارا مستقبل درخشاں ہو سکتا ہے تو میں بخوشی تمہاری زندگی کے شاداب گلستان سے کوچ کرنے کو تیار ہوں۔"

طیطوس نے بینیرس کو دونوں ہاتھوں سے اپنے قریب کرتے ہوئے کہا "اگرچہ ہم جدا ہو رہے ہیں۔ لیکن میرے دل میں جو جگہ تم نے حاصل کی ہے۔ وہ اور کوئی حاصل نہ کرے گا۔"

دوسرے دن اہلِ روما نے یہ خبر بڑی مسرت سے سنی کہ یہودن حسینہ اپنے وطن کو روانہ ہو گئی ہے۔ اب مارشیا نے اپنے کھوئے ہوئے شوہر پر قبضہ کر لیا۔ لیکن بینیرس جاتے ہوئے طیطوس کا دل بھی لے گئی تھی ———

طیطوس ایک اچھا حکمران ثابت ہوا۔ لیکن وہ ہمیشہ بے قرار اور مغموم رہتا تھا بینیرس کی یاد اُسے ہر لمحہ مضطرب رکھتی تھی۔

مجلد باتصویر

فلمی پریاں

جس میں حسین و جمیل فلم ایکٹرسوں کے حالاتِ زندگی اور فلمی مستوں کی زندگی کے سربستہ راز بے نقاب کئے گئے ہیں

یہ کتاب سچے واقعات اور سچے حالات پر مبنی ہے جو اس سے پہلے کبھی شائع نہیں ہوئے۔ اس میں فلمی پریوں اور فلمی مستوں کی پُر اسرار زندگی کو اس دلیری سے بے نقاب کیا گیا ہے کہ آپ پڑھ کر دنگ رہ جائینگے۔

وُہ خوبصورت اور جوان فلم ایکٹرسیں جن کی تصاویر اور زندگی کے سربستہ راز بیان کئے گئے ہیں!

اس کتاب میں ۶۰ سے زائد فلم ایکٹرسوں کے حالاتِ زندگی اور ساتھ ہی ان محبوب ایکٹرسوں کی دلکش اور نظر افروز تصاویر بھی آرٹ پیپر پر چھاپ کر شامل کی گئی ہیں۔ چند ایکٹرسوں کے نام ملاحظہ فرمایئے۔ دیوکا رانی۔ لیلا چٹنس۔ لیلا ڈیسائی۔ پری چہرہ نسیم۔ خورشید بانو۔ شانتا آپٹے۔ ون مالا۔ درگا کھوٹے۔ مہتاب۔ شیلا۔ جمنا۔ ستارہ۔ مایا بینرجی۔ سردار اختر۔ سفیہ پربھا۔ کجن۔ پربھا۔ رتن بائی۔ راگنی۔ منورما۔ ممتاز شانتی۔ روز۔ کانن بالا۔ مختار بیگم۔ رمولا۔ سلوچنا۔ نور جہاں۔ جدن بائی۔ شمیم۔ مادھوری۔ سیتا دیوی۔ راجکماری۔ زبیدہ۔ سلطانہ۔

پبلشر نے اس کتاب کی تیاری پر بے دریغ روپیہ صرف کیا ہے۔ کاغذ اعلےٰ۔ مضبوط اور خوشنما جلد۔ سرورق رنگین۔ ان خوبیوں کے باوجود قیمت فی جلد صرف تین روپیہ محصولڈاک ۵ر

ملنے کا پتہ:۔ منیجر رسالہ "بیسویں صدی" بیرون شاہ عالمی دروازہ لاہور

حسن و عشق کے دلآویز افسانے اور سچی رومانی داستانیں
جنہیں ختم کئے بغیر آپ اِن کتابوں کو ہاتھ سے نہیں رکھ سکتے

جوانی کی راتیں

اِس کتاب میں ہندوستان کے چوٹی کے افسانہ نگاروں کے بہترین رنگین اور دلکش افسانے درج ہیں اردو ادب میں بالکل نئی چیز ہے اِس وقت تک کہانیوں کے جس قدر مجموعے شائع ہو چکے ہیں یہ ان سب سے الگ اور دلکش ہے یہ وہ کتاب ہے جس نے شائع ہوتے ہی اردو دنیا میں تہلکہ مچا دیا ہے مختصر سے عرصہ میں آٹھ اڈیشن چھپ چکے ہیں قیمت فی جلد ڈیڑھ روپیہ محصولڈاک ۵

بڑے آدمیوں کا عشق

اِس میں بتایا گیا ہے کہ مشاہیرِ عالم نے حسن و عشق کے جال میں پھنس کر کیا کچھ کیا؟ بالکل سچے اور صحیح واقعات دلکش افسانوں کی صورت میں پیش کئے گئے ہیں۔ اس میں مسولینی۔ ہٹلر۔ ایڈورڈ ہشتم۔ راجکماری کوچ بہار۔ ملکہ فرانس۔ ملکہ جرمنی۔ ملکہ سپین اور دیگر ۳۰ مشاہیر کے عشق کی سچی داستانیں درج ہیں پہلا اڈیشن دو ماہ میں ختم ہو گیا۔ اب آٹھواں اڈیشن ہاتھوں ہاتھ بک رہا ہے قیمت فی جلد صرف ڈیڑھ روپیہ محصولڈاک ۵

دونوں کتابیں اکٹھی منگوانے پر محصولڈاک ۷ آنے چارج کیا جاتا ہے

ملنے کا پتہ: مینجر رسالہ "بیسویں صدی" بیرون شاہ عالمی دروازہ لاہور

آرڈر دیتے وقت اپنا پتہ خوشخط لکھیں

مختصر سے عرصہ میں

پریم شاستر، کام شاستر اور گربھ شاستر

نامی کتابوں کی تین لاکھ سے زائد جلدیں فروخت ہو چکی ہیں۔ اس سے آپ ان کتابوں کی خوبیوں کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ کوئی چیز کسی خاص خوبی کے بغیر اتنی بھاری تعداد میں فروخت نہیں ہو سکتی۔ یہ کتابیں عام بازاری کتابوں کی طرح دل خوش کرنے اور اخلاق خراب کرنے کیلئے نہیں لکھی گئیں بلکہ ان کتابوں میں طب اور سائنس کی رو سے مرد عورت کے پوشیدہ تعلقات پر پوری پوری روشنی ڈالی گئی ہے اور تمام وہ باتیں تفصیل کے ساتھ لکھ دی گئی ہیں جن کا جاننا نوجوان جوڑوں کیلئے بہت ضروری ہے شادی سے کچھ دن پہلے اور شادی کے بعد آپ یہ تینوں کتابیں پڑھیں ان کتابوں میں ایسے ایسے خفیہ راز درج ہیں جو اکثر تجربہ کار سے تجربہ کار خاوندوں کو بھی معلوم نہیں اور جنہیں جاننے کے بعد آپ کو شادی کی اصلی مسرتیں اور جوانی کی حقیقی لذتیں حاصل ہونگی۔ پوشیدہ تعلقات پر ان سے بہتر کتابیں دنیا کی کسی زبان میں آج تک شائع نہیں ہوئیں۔

پریم شاستر باتصویر مجلد اردو ایڈیشن ڈیڑھ روپیہ۔ ہندی ایڈیشن ڈیڑھ روپیہ

کام شاستر " " " ڈیڑھ روپیہ " " ڈیڑھ "

گربھ شاستر " " " ڈیڑھ روپیہ " " ڈیڑھ "

تینوں کتابیں اکٹھی منگوانے پر محصولڈاک صرف ۸ (آٹھ آنہ) چارج کیا جاتا ہے

ملنے کا پتہ: مینجر رسالہ "بیسویں صدی" بیرون شاہ عالمی دروازہ لاہور

آرڈر دیتے وقت اپنا نام و پتہ خوشخط لکھیں